ابنِ صفی

جلد نمبر 32

جاسوسی دنیا

96- سہمی ہوئی لڑکی

97- قاتل کا ہاتھ



پیشرس

ٹنڈو آدم کے ایک ٹیلی فون آپریٹر صاحب کا خیال ہے کہ میرا پچھلا ناول ''آتشی بادل'' محض ''بکواس'' تھا۔

ان کی دانست میں ناول کا نام تو شاندار تھا لیکن اس کے اعتبار سے کہانی پھس پھسی ہے۔ چلئے تسلیم! میں تو ہر بات تسلیم کر لینے کا عادی ہوں۔ محض اس لئے کہ میرے پڑھنے والے ہر طبقے اور ہر عمر سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان کے ٹیسٹ میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

ٹیلی فون آپریٹر صاحب نے ''سہ رنگا شعلہ'' میں ''آتشی بادل'' کا اشتہار دیکھ کر اس کے بارے میں کچھ اس قسم کی کہانی خود بنائی ہوگی کہ آگ برساتا ہوا ایک بادل پورے شہر پر مسلط ہوگیا۔ عمارتیں دھڑا دھڑ جلنے لگیں۔ لیکن اُس عمارت پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا جس میں عمران مقیم تھا۔ جب ساری عمارتیں جل کر خاک ہوچکیں تو عمران شور نالہ و بکا پر قہقہے لگاتا ہوا اپنی پناہ گاہ سے برآمد ہوا اور ہزاروں میل دور کے پہاڑوں میں فروکش اس سائنٹسٹ کا ٹیٹوا جا دبایا جو ایک بہت بڑی مشین کے ذریعے آتشی بادل بنا بنا کر فضا کو سپلائی کر رہا تھا۔

یار ٹنڈو آدمی صاحب! خود ہی لکھ کر پڑھ لیا کرو۔ میرے پڑھنے

والوں میں فن کے قدردانوں کی کمی نہیں اس لئے مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے۔

ابھی حال ہی میں میرے ایک معزز ہمدرد نے مشورہ دیا ہے کہ میں کبھی کبھی ایک آدھ ناول اپنے لئے بھی لکھ لیا کروں۔ ''صرف پبلک کے بے حد اصرار'' ہی کا شکار ہوکر نہ رہ جاؤں۔ میرے لئے یہ مشورہ بہت دقیع ہے...... ویسے بھی اب ''طلسم ہوشربا'' قسم کی کہانیاں لکھنے میں میرا جی نہیں لگتا اور یقین کیجئے میں وہی لکھوں گا جو میرا جی چاہے گا۔ پہلے بھی کسی کا مشورہ قبول کئے بغیر لکھتا رہا ہوں۔ لیکن آخر آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ویسی ہی کہانیاں لکھوں جیسی پہلے لکھ چکا ہوں۔ اب بھی جو کچھ لکھ رہا ہوں اگر اس میں نیا پن نہ ہو تو مجھے گولی مار دیجئے اور اپنے ذوق کی تسکین کے لئے دوسروں کو پڑھئے۔ اب میں اکیلا تو نہیں۔ میرے بے شمار ''ناتحقیق بھائی'' منظرِ عام پر آگئے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ بھی ''صفی'' ہی کی چھاؤں میں پناہ لیتے ہیں۔

ٹنڈو آدمی صاحب آپ جہاں بھی جائیں گے مجھے ہی پائیں گے۔

ورنہ پھر میرے اس مشورے پر عمل کیجئے کہ خود ہی لکھا اور پڑھ ڈالا۔

خیر ختم کیجئے...... کہاں تک لکھتا رہوں اس کے متعلق۔

ایک صاحب نے کسی ایسے مصنف کے بارے میں لکھا ہے جو اپنی کہانیوں میں میرے کردار استعمال کرتا ہے اس نے اپنی کسی کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ وہ میری اجازت سے میرے کردار استعمال کر رہا ہے اور میں نے اُسے اس سلسلے میں مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔

بھئی اس سلسلے میں اس کے لئے میرا مفید مشورہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ میرے کردار استعمال کرنے کے بجائے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرے۔

ویسے ان صاحب سے درخواست ہے کہ مجھے اس کتاب کا نام اور ادارے کا پتہ لکھ بھیجیں جہاں سے وہ کتاب شائع ہوئی ہے تاکہ میں اس غلط بیانی کی وجہ معلوم کرسکوں۔

اب آیئے "سہمی ہوئی لڑکی" کی طرف...... یہ بھی عجیب کہانی ہے کہ جہاں کہانی ختم ہوتی ہے وہیں سے اس کی شروعات ہوتی ہے۔ ہے نا عجیب بات۔

میں اس پلاٹ کو ایک ہی جلد کے ضخیم ناول میں بھی پیش کرسکتا تھا لیکن زیادہ تر پڑھنے والے مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کہانی خواہ دس جلدوں میں پھیلے لیکن ہر جلد کی قیمت زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ ان کے خیال کے مطابق چونکہ میں ایک "عوامی مصنف" ہوں اس لئے مجھے عوام کی جیبوں کا وزن بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔

چونکہ اس کہانی کا اختتام ہی دراصل اس کی شروعات ہے اس لئے بعض حضرات کے لئے یہ اطلاع تکلیف دہ بھی ہوسکتی ہے کہ کہانی آگے بڑھ گئی۔ وہ مجھے پھر کچھ اسی قسم کے خطوط لکھیں گے کہ میں "ہوس زر" کا شکار ہوگیا ہوں۔ حالانکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی کہانی کی طوالت کی بناء پر کتابوں کی تعداد اشاعت پر تو اثر پڑتا نہیں۔

بہرحال خیال اپنا اپنا......!

ابن صفی

۲۳/اپریل ۱۹۶۶

اچھوتا خیال

ہال میں احمقوں کا ہجوم تھا اور اسٹیج پر ایک امریکی گلوکارہ حلق پھاڑ رہی تھی۔ ہر احمق کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات پائے جاتے تھے جیسے وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں سے پوری طرح محظوظ ہو رہا ہو۔ موسیقی کے اُتار چڑھاؤ پر احمقوں کے سر اس طرح جنبش کرتے جیسے وہ ان کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہو۔ آغوش مادر میں بھی انہوں نے دیسی لوریوں کی بجائے یہی سب کچھ سنا ہو۔

ان احمقوں میں وہ سب سے بڑا احمق بھی شامل تھا جس کی عقل ہمیشہ معدے ہی میں مقیم رہنے پر مصر رہتی تھی۔

دوسروں کو محظوظ ہوتے دیکھ کر وہ بھی محظوظ ہونے کی کوشش کرتا لیکن خالی پیٹ کی قراقر کی طرف توجہ زیادہ تھی اور وہ کسی قدر اُداس بھی تھا۔ اداس اس لئے تھا کہ پہلو میں "حمید بھائی" کی بجائے "گلہری خانم" مقیم تھیں۔

آج کل وہ قاسم کو تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ کیپٹن حمید کا ساتھ نہ ہونے پائے۔ اس کا خیال تھا کہ قاسم کا دماغ خراب کرنے میں پچھتر فیصد اسی کا ہاتھ ہے اور یہی بات اس نے عاصم صاحب کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اس پر عاصم صاحب نے گرج کر اپنے فرزند ارجمند کو حکم دیا تھا کہ اب وہ تنہا باہر نہ نکلا کرے۔

قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور "قہا" تھا "ارے یہ میرے ساتھ قہاں بندھی پھریں گی۔ میں تو دن بھر گھر سے باہر رہتا ہوں۔"

بیوی تڑ سے بولی تھی۔ ''تمہاری بھلائی کے لئے میں یہ تکلیف بھی گوارا کرلوں گی۔''

پھر باپ کے آگے قاسم صاحب کی کہاں چلتی۔ ''گلہری خانم'' تعویذ بن کر گلے میں لٹک گئی تھیں اور قاسم کا خیال تھا کہ اب وہ چوبیسوں گھنٹے سلگ سلگ کر بالآخر بھسم ہی ہوجائے گی۔

بعض اوقات جھلاہٹ میں ایسی حرکتیں کرتا جسے کوئی باسلیقہ آدمی برداشت نہیں کرسکتا۔

لیکن بیوی شائد اس پر تل گئی تھی کہ ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گی۔ وہ اس وقت بھی سوچ رہا تھا کہ پروگرام ختم ہونے پر کھانا کسی نانبائی کی دوکان پر کھائے گا۔ پھر دیکھو کیسے بیٹھتی ہیں بیگم صاحبہ میرے ساتھ۔ سڑک کے کنارے گندی سی بنچ پر اور کیسے کھاتی ہیں میرے ساتھ گندی سی میز پر۔

خدا خدا کر کے ساڑھے آٹھ بجے۔ غیر ملکی موسیقی کا وہ مظاہرہ ختم ہوا۔ دونوں ہال سے باہر آئے اور قاسم نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''بھوخ لگی ہے۔''

''اب تم مجھے کھاجاؤ'' قاسم کی بیوی جھلا کر بولی۔ ''جب دیکھو تب بھوخ لغی ہے۔''

''میں تو بھینس کے پائے اور تنوری روٹی کھاؤں غا......!''

''کیا کہا......؟''

''وہی جو تم نے سنا......!'' قاسم نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''بہادر شاہ روڈ پر فجا نانبائی کی دوکان ہے۔''

''فجا نانبائی کی دوکان؟''

''غاں......!'' قاسم غرایا۔

''اچھا گھر چلو میں منگوا دوں گی۔''

''نائیں......وہیں بیٹھ کر کھاؤں غا۔''

''کیا......؟'' بیوی اچھل پڑی۔

''سڑک کے کنارے میزیں اور بنچیں پڑی رہتی ہیں۔''

''اور تم سڑک کے کنارے بیٹھ کر کھاؤ گے۔''

''تم بھی بیٹھوغی میرے ساتھ......!''

''ہوش میں تو ہو......!''

''نہیں بے ہوش پڑا ہوں......تم بھی کھاؤ غی......میں بھی کھاؤں غا......!''

''میں بھی کھاؤں غا......!'' بیوی نے جھلاہٹ میں منہ ٹیڑھا کر کے نقل اتاری۔

''بس دیکھنا......!''

گاڑی فرّاٹے بھرتی ہوئی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ پھر وہ علاقہ بھی نظر آیا جہاں کئی نانبائیوں کی دوکانیں تھیں۔

قاسم نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔

''تو تم نہیں مانو گے۔'' قاسم کی بیوی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یعنی بھوکا مرجاؤں تمہارے کہنے پر۔'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''اچھی بات ہے۔'' بیوی نے طویل سانس لے کر کہا۔ لیکن اتنا تو کرو کہ گاڑی یہاں سے کچھ آگے بڑھا کر کھڑی کرو۔

''اچھا......اچھا......!'' قاسم نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

گاڑی کچھ دور تک رینگی اور پھر رک گئی۔

''چلو اترو......!'' قاسم نے کہا۔

''میں......دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم جاؤ......میں یہیں رہوں گی۔''

''اے الا......تو پھر میری نگرانی کیسے ہوگی۔'' وہ جلے کٹے زنانہ انداز میں بولا۔ ''اگر کسی دیگچی یا پتیلی نے مجھے آنکھ ماردی تو قیا ہوگا۔''

لیکن پھر وہ بیوی کے جواب پر دھیان دینے کی بجائے دوسرے منظر میں کھوگیا۔ بائیں جانب ایک دوکان میں ایک درزی جو صورت سے تو شاعر نہیں معلوم ہوتا تھا ایک دبلی پتلی خاتون کی کمر کی پیمائش کررہا تھا۔

وہاں سے نظر ہٹ کر سائن بورڈ پر آٹھہری۔

''منصور اینڈ سنز......لیڈیز ٹیلرس......!''

''قیا بات ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ سوچ رہا تھا لاالقسم یہ ہے زوردار دھندا..... قیا مشکل ہے۔ عیش ہیں سالوں کے۔

"اب کیا سوچ رہے ہو۔" دفعتاً بیوی چنچنائی۔ "یا تو اُترو یا گھر چلو.....!"

"اچھا.....اچھا.....!" قاسم جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"تو یہ سب کچھ میری جان جلانے کے لئے تھا۔"

"ارے نہیں.....ہی ہی ہی ہی! وہ تو مذاخ تھا.....!"

"مذاق بھی کر لیتے ہو۔" بیوی نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

"قیوں نہیں.....قیوں نہیں۔ وہ تو میں بہت کر لیتا ہوں.....اور ہاں دیکھو اب میں کل سے گھر سے باہر نہیں نقلوں غا.....!"

"خیریت.....اچانک یہ تبدیلی کیوں۔"

"قچھ نہیں.....بس یونہی.....اب میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم تو بہت اچھی ہو۔"

"اللہ خیر کرے..... وہ تو..... وہ تو..... میں بھی سوچتا ہوں کہ اب مجھے کچھ کرنا چاہئے.....کچھ سیکھنا چاہئے۔"

"یعنی گھر ہی میں رہ کر.....!" بیوی نے خوش ہو کر پوچھا۔

"اور قیا.....شریف آدمی کا بچہ ہوں۔" قاسم کے لہجے میں اکڑن تھی۔

"بھلا کیوں سیکھو گے۔"

"تم مجھے کپڑا کاٹنا سکھا دو۔" قاسم گھگھیایا اور بیوی ہنسی کے مارے دوہری ہوگئی۔

ہنستی ہی رہی آخر قاسم جھنجھلا گیا۔

"ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ نئی سوجھی کیسے.....؟"

"شوک ہے اپنا اپنا.....!" قاسم نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

"پہلے تو نہیں تھا..... یہ اچانک کیوں.....؟"

"اب کھاموش رہو.....!" وہ غرایا۔

گھر آ کر بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جب بے چینی بہت بڑھی تو ڈرائینگ روم میں آ کر فون پر کرنل فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر کیپٹن حمید سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بھی شائد گھر ہی پر موجود تھا۔

"اُوہ.....اچھا.....آپ ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ابے دکھائی کیوں دیتے آج کل۔"

"بڑی مصیبت میں پھنس غیا ہوں حمید بھائی۔"

"کوئی نئی محبت.....!"

"ہائے! اب ایسا کہاں ہے مکدر۔"

"پھر کیا مصیبت ہے۔"

"وہی تمہاری آپا جان.....نہیں نہیں صرف آپا.....آپا.....!"

"جان نہیں.....؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

قاسم کا چہرہ بگڑ گیا اور اس نے حلق کے بل کہا۔ "نہیں.....!"

"خیر چلو.....اس وقت بور کرنے کا مقصد.....؟"

"ایک نئی ترقیب.....!"

"کاہے کی ترکیب.....!"

"ہم تم دونوں مل کر درزی کی دوکان قرلیں.....!" قاسم نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کرنے کی آواز سنی۔

"بند قردیا سالے نے۔" وہ پرتشویش لہجے میں بڑبڑایا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ابے پاگل تو نہیں ہوگیا۔" دوسری طرف سے حمید دہاڑا۔

"اُے تو کھفا ہوئے نے کی کیا بات ہے۔" قاسم نے گھگھیا کر کہا۔ "پوری بات تو سن لو۔"

قوئی فون میں گھس کر تم پر چڑھ تو نہیں بیٹھوں گا۔''



حمید ریسیور رکھ کر ہنستا ہوا مڑا...... دروازے میں فریدی کھڑا اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''غالباً اب یہ بالکل ہی پاگل ہو جائے گا۔'' حمید بولا۔

''کیا کہہ رہا تھا......؟''

''شرکت میں درزی کی دوکان کرلو......؟ لیڈیز ٹیلرنگ شاپ...... کہتا ہے میں نے بیوی کو راضی کرلیا ہے وہ کل سے مجھے کپڑے کاٹنا سکھائے گی۔''

''پھر کیا خیال ہے تمہارا......؟''

حمید اس کے لہجے کی سنجیدگی پر چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ کر نیچے سے اوپر تک جائزہ لینے کے بعد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اُسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ قاسم نے بھی تمہارے لئے وہی سوچا جو میں سوچ رہا تھا۔''

''اوہ تو کیا آپ کی شرکت میں دوکان رکھنی پڑے گی۔'' حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں تنہا...... ویسے قاسم کو بھی شریک کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس طرح تمہارا جی بھی بہلتا رہے گا۔''

حمید نے سوچا آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہے ہیں حضرت! کیا قصہ ہے......؟ وہ لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر دوسرے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی بولا۔

''ٹھہرو...... تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

حمید نے اس کی طرف مڑ کر طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''دوکان ویل فرنشڈ ہے...... چار عدد پاور مشینیں ہیں اور بھی جو لوازمات ہوتے ہیں سب ہی موجود ملیں گے۔''

حمید نے ایک بار پھر اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت سنجیدہ نہیں ہے۔

''یعنی...... یعنی...... کہ آپ......!''

''ہاں...... عزیز القدر...... میں سنجیدہ ہوں۔''

''اور اس گھٹیا کام کی نگرانی میرے سپرد ہوگی۔''

''تم سے زیادہ قابل اعتماد آدمی کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔'' فریدی پھر مسکرایا۔

''عزت افزائی کا شکریہ۔'' حمید حلق کے بل کراہا تھا۔

''کیوں......؟ کیا بات ہے۔ کیا تم کچھ بیمار ہو۔ میں تو سمجھا تھا کہ تمہارے مذاق کی چیز ہے۔''

''یعنی میں خواتین کا ٹیلر ماسٹر بن بیٹھوں گا۔''

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''اور یہ میرے مذاق کی چیز ہے۔!'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''قاسم لحیم شحیم ہے...... لیکن عقل نہیں رکھتا۔ تم مختصر ہو لیکن عقلمندی کے ساتھ...... اس کے علاوہ اور کیا فرق ہے تم دونوں میں۔''

''شکریہ۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر پوچھا۔ ''اور کچھ۔''

''کل تمہیں کاریگروں کا انٹرویو لینا ہے وہیں دوکان پر۔ کارخانہ حال ہی میں قائم ہوا ہے۔ چار آدمی تو مشینوں پر کام کرنے کے لئے ہوں گے دو آدمی کٹنگ کے لئے۔ دو بازار دیکھنے والے اور تم منیجر...... صرف زنانہ ملبوسات کا کارخانہ...... آج کے سارے بڑے اخبارات میں اشتہار آئے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا۔''

"کیا نہیں سمجھ سکتے۔"

"اگر یہ اسکیم کسی قسم کی تفتیش سے تعلق رکھتی ہے تو اچانک آج ہی یہ بم مجھ پر کیوں پھٹا...... یعنی کل ہی مجھے انٹرویو لینے ہے...... دو دن پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ کل اتوار ہے۔ اگر میرے کچھ اینگیج منٹس ہوئے تو۔"

"کوئی انگیج منٹ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں۔"

"آپ یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"مجھے علم ہے۔ تمہارے بارے میں کیا نہیں جانتا۔"

"میں کل دن بھر شہر سے باہر رہوں گا۔"

"اس کا فیصلہ تم نے ابھی اور اسی وقت کیا ہے۔ پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔"

"کچھ بھی سہی...... میں تو......!"

"کل اتوار ہی سہی لیکن تم ڈیوٹی پر ہو۔"

"اے خدائے لم یزل......!" حمید چھت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب ان کی بھی ڈیوٹی کہیں لگوا ہی دے...... کیچوؤں تک کے جوڑے لگائے ہیں تو نے...... مگر ان کی بار کیوں دیر اتنی کر دی۔"

"کل ٹھیک گیارہ بجے...... مارسٹن روڈ...... شاپ نمبر گیارہ......!" فریدی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

وہ جا چکا تھا اور حمید سر تھامے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ آیا اسی شکل وصورت میں اُسے یہ نامعقول ڈیوٹی انجام دینی پڑے گی۔

کئی ماہ سے کوئی خاص کام حصے میں نہیں آیا تھا۔ اُس نے سوچا شائد اب اس کی کسر نکلنے والی ہے۔

لیکن یہ درزی خانے کی کیوں سوجھی۔ اس کی دانست میں تو اس دوران میں سرے سے کوئی ایسا کیس آیا ہی نہیں تھا جس کے لئے اس قسم کے کھڑاگ کرنے پڑتے۔

وہ وہاں سے اٹھ کر لائبریری میں آیا۔ آج کے کئی اخبار میز پر پڑے ہوئے تھے۔

"ضرورت ہے۔" کے کالموں پر نظر دوڑانی شروع کی اور بالآخر وہ اشتہار مل ہی گیا۔ انداز کہہ رہا تھا کہ کئی دن سے شائع ہوتا رہا ہے۔

ٹپ ٹاپ لیڈیز ٹیلرز کو کچھ کاریگروں اور کٹرز کی ضرورت تھی۔ پتہ وہی تھا جو کچھ دیر قبل فریدی نے بتایا تھا۔ شاپ نمبر گیارہ مارسٹن روڈ۔

"بھنگی بھی بننا پڑے گا کسی روز۔" حمید بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔

بہرحال یہ رات تو میری ہے۔ اس نے سوچا۔ اُوہ...... قاسم کیوں نہ اُسے بھی اسی راہ پر لگایا جائے۔ وقت اچھا گذرے گا۔

کچھ دیر بعد اس نے قاسم کے فون کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے اُس کی آواز سن لینے کے بعد اس نے کہا۔ "اب تمہیں اپنی نجی دوکان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ اخبارات کے وانٹ والے کالم میں دیکھو۔ مارسٹن روڈ کی شاپ نمبر گیارہ میں ٹپ ٹاپ ٹیلرز ہیں۔ انہیں کاریگروں کی ضرورت ہے۔ کل گیارہ بجے وہ انٹرویو لیں گے۔ عرضی لے کر چلے آنا۔"

"مغر...... مغر...... ابھی تو مجھے قچھ بھی نہیں آتا۔ یعنی کہ کپڑا کاٹنا وغیرہ۔"

"رہے نرے گھامڑ ہی...... ابے ساری رات پڑی ہے...... بیوی سے سیکھ لے...... فی الحال جمپر اور شلوار کافی ہوں گے۔"

"اچھا...... اچھا...... مغر...... میں نوقری قروں غا قیسے...... مطلب یہ کہ ابا جان۔"

"بھیس بدل دیا جائے گا...... بس کل صبح ہی صبح کسی طرح نکل بھاگو۔" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔



ذہنی جھٹکے

"میں کہتی ہوں تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔" قاسم کی بیوی چنچنائی۔

"بس شلوار کاٹنا اور سکھادو۔"

"تین بج رہے ہیں...... گھڑی کی طرف بھی دیکھو......!"

"بب...... بس...... جلدی سے سیکھ لوں گا۔ ٹانگیں ہی ٹانگیں تو ہوتی ہیں اس میں۔"

"میں کہتی ہوں تمہیں یہ سوجھی کیسے......؟"

"پھر وقت کیسے کٹے گا سالا......!"

"تو یہ وقت کاٹنے کے لئے رت جگا ہو رہا ہے۔"

"غاں...... غاں......!"

"ایسی کی تیسی...... میں تو سونے جارہی ہوں۔"

"کس کی ایسی کی تیسی...... میری......؟" قاسم نے غرا کر پوچھا۔

"سب کی ایسی کی تیسی......!" قاسم کی بیوی نے نیند کی جھونک میں کہا۔

"یعنی ابا جان قی بھی......!"

"ہاں......!" نیم غنودہ ذہن کا جواب تھا۔

قاسم نے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔

"کیوں دہاڑیں مار رہے ہو......!" وہ غصیلی آواز میں بولی۔

"ابا جان...... ہاہاہاہا...... ہی ہی ہی ہی۔"

"کہاں...... کدھر......؟" وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

قاسم ہنستا ہی رہا...... اور وہ جھلا کر کمرے سے چلی گئی۔

"یہ تو گھپلے والی بات ہے۔" قاسم اپنی ہنسی روک کر بڑبڑایا۔

پھر اُس نے اُس کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اُس کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔

لیکن پھر یک بیک آنکھیں چمک اٹھیں۔

"وہ مارا...... قاسم بن گیا۔" وہ دیدے چمکا چمکا کر بڑبڑاتا رہا۔ "اتنی دیر جاگی ہے۔ اب دس بجے سے پہلے نہیں اٹھ سکے گی۔ بس منہ اندھیرے نقل بھاگوں غا...... پتہ بھی نہ چلے گا چپاتی بیغم قو......!"

اور یہی ہوا بھی۔ وہ اپنے چٹکیاں لے لے کر جاگتا رہا۔ ساڑھے پانچ بجے چپ چاپ کوٹھی سے نکلا اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی پکڑ لی۔ پھر یہ اور بات ہے کہ ڈرائیور کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتا کر پچھلی سیٹ پر خراٹے لینے لگا ہو۔ اب ذہن پر قابو ہی نہیں رہ گیا تھا۔

ٹیکسی کا انجن راستے بھر اتنا زیادہ شور مچاتا آیا تھا کہ قاسم کے خراٹے ڈرائیور کے کانوں میں نہیں پڑے تھے۔

لہٰذا فریدی کی کوٹھی کے قریب پہنچ کر جب اس نے ٹیکسی روکی تو بُری طرح بوکھلا گیا۔ قاسم ہی کی طرح اُس کے خراٹے بھی عجیب تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو کتے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑنے سے پہلے غرا رہے ہوں۔

ٹیکسی باہر ہی اس لئے روکنی پڑی تھی کہ پھاٹک بند تھا۔

"صاحب...... صاحب۔" اس نے قاسم کو آواز دی۔ لیکن قاسم کو ہوش کہاں۔ پوری رات جاگتے رہنے کے بعد سویا تھا۔ نیند بھی بے ہوشی ہی کی طرح ہوئی تھی۔ وہ غل غپاڑے کو کب خاطر میں لاتی۔ ڈرائیور نے کئی بار آوازیں دیں۔ لیکن صرف خراٹے سنتا رہا۔ آخر اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے جھنجھوڑنا شروع کیا۔

ایک بار خراٹے رک گئے۔ قاسم نے منہ چلاتے ہوئے "غاؤں غاؤں" کی اور پھر خراٹے شروع کردیئے۔

''کیا مصیبت ہے۔'' ڈرائیور بے بسی سے بڑبڑایا اور پھر اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن نتیجہ معلوم۔ صرف اتنا ہوتا کہ چند لمحوں کے لئے خراٹے رک جاتے اور ''غاؤں غاؤں'' شروع ہوجاتی۔ ہاتھ پیر اس طرح ہلتے جیسے کوئی ضدی بچہ کسی بات پر پھیل کر مچل رہا ہو۔

جب ٹیکسی ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اُس نے زور زور سے ہارن بجانا شروع کردیا۔ لیکن قاسم کی نیند نہ ٹوٹی...... فریدی لان پر چہل قدمی کررہا تھا۔ ہارن کی مسلسل آوازیں سن کر پھاٹک کے قریب آیا۔

اب کسی قدر اُجالا پھیل گیا تھا۔

ڈرائیور نے فریدی سے کہا۔ ''صاحب یہ یہاں آئے تھے اب سوگئے ہیں تو اٹھتے ہی نہیں کسی طرح۔''

''یہاں آئے تھے۔''

''جی ہاں...... یہیں کا پتہ بتایا تھا۔''

فریدی پھاٹک کھول کر باہر آیا۔ قاسم پر نظر پڑتے ہی طویل سانس لے کر بولا۔ ''اندر لے چلو گاڑی۔''

حمید شائد ابھی تک سو ہی رہا تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ سے گزر کر پورچ میں آرکی۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے تو قاسم کو جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کی پھر بائیں کان کے نیچے انگوٹھے سے دباؤ ڈالا۔

''ارے باپ رے۔'' یک بیک قاسم دھاڑ کر سیدھا ہو بیٹھا اور پھر عجیب طرح کی آوازیں اس کے حلق سے نکلنے لگیں۔ جن میں خوفزدگی اور بوکھلاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔

''جج...... جی...... غوپ...... ہی ہی ہی ی۔''

''کیا بات ہے؟''

''میں سوغیا تھا شائد۔''

''تو اب نیچے تو اُتر آؤ۔''

''جج...... جی ہاں...... غاں......!''

قاسم نے ٹیکسی سے اُتر کر کرایہ ادا کیا۔

ذہن اب پوری طرح جاگ اٹھا تھا اور قاسم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس وقت آنے اور اس طرح ٹیکسی میں سو رہنے کی وجہ کیا بتائے گا۔

''سب خیریت ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''اجی کھیریت ویریت کہاں۔'' قاسم نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ ''بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔''

''کیسی مصیبت......!''

''بڑے بُرے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ رات بھر نیند نہیں آتی۔''

''خوب...... بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''آپ میرے لئے...... ہی ہی ہی ہی...... قیا بتاؤں قچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''بہرحال آئے تو کسی مقصد ہی کے تحت ہو گے۔''

''جی غاں...... وہ حمید بھائی۔''

''اوہ تو اُن خوابوں کا تعلق اُسی سے ہے۔''

''جی غاں...... غاپ...... نن نہیں۔''

''وہ ابھی سو رہا ہے۔''

''میں التجا کروں غا......!''

''کیا اُس نے تمہیں بلایا تھا۔''

''جی ہاں...... جی ہاں۔''

''کیوں......؟''

''پپ پتہ نہیں...... جی ہاں...... بب بالکل پتہ نہیں۔''

''تو اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو......؟''

''قق......قید خانے سے نقل بھاگا ہوں۔'' قاسم نے جلدی سے کہا۔ پھر سنبھل کر زیرِ لب بڑبڑایا۔ ''ارے باپ رے یہ کیا کہہ دیا۔''

''ہوں......؟''

''جی کچھ نہیں۔''

''کس قید خانے سے نکل بھاگے ہو۔''

''مجھے بہت زور سے نیند لگ رہی ہے...... یاد نہیں کہ ابھی میں نے کیا کہا تھا۔''

''جی...... ہاں......!''

''اور یہ کس قید خانے کا تذکرہ تھا۔''

''پتہ نہیں۔'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔ ''مجھے یاد نہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آج شائد اُس سے تمہاری ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ بہت مشغول رہے گا۔''

''تو پھر بلایا قیوں تھا......؟'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''ہوں...... اچھا......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''بہتر یہی ہے کہ تم بھی کچھ دیر سو لو۔''

''الاقسم...... میرا بھی یہی جی چاہتا ہے۔''

''تو آؤ میرے ساتھ۔'' فریدی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔



عرفان کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے اُس پار دور تک بکھرے ہوئے سرسبز درخت کہر کی ہلکی سی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور یہ چھوٹی سی عمارت جس کی ایک کھڑکی سے عرفان باہر دیکھ رہا تھا اس ویرانے میں بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔ دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

یہ عمارت دوسری جنگ عظیم کے دوران بنائی گئی تھی۔ اس سڑک سے فوجی گاڑیوں کے قافلے گزر کر اندرون ملک جاتے تھے اور ہر پچاس میل پر ایسی ایک عمارت ضرور ملتی تھی۔ بعد میں ان میں سے کچھ تو منہدم ہو گئی تھیں اور کچھ محکمہ جنگلات کے کام آئی تھیں۔ لیکن یہ عمارت عرفان نے بڑی کوششوں کے بعد خرید لی تھی۔ وہ ایک کمرشل آرٹسٹ تھا۔ جب شہر کے ہنگاموں سے اکتا جاتا تو اِدھر ہی کا رخ کرتا۔ شہر میں اس کا اچھا خاصا کاروبار تھا تجارتی حلقوں میں اس کا کام بہت مقبول تھا۔

جنگل کے دوران قیام میں وہ خالص آرٹ کے نکتہ نظر سے پینٹنگ بھی کیا کرتا تھا اور یہ پینٹنگس یا تو اُس کے ڈرائنگ روم کی زینت بنتیں یا مخصوص دوستوں میں تقسیم ہو جاتیں۔ وہ انہیں فروخت نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ وہ تخلیقات جو کسی جذباتی لگاؤ کا نتیجہ ہوں ترازو میں نہیں تل سکتیں۔ ان کی اصل قیمت ذوق سلیم ہوتا ہے۔

ان دنوں بھی وہ تجارتی کاموں سے تھک کر یہاں اس ویرانے میں آ پڑا تھا اور کینواس پر ایک اچھوتے خیال کو رنگوں میں مقید کرنے کی کوشش جاری تھی۔

وہ ایک خوش شکل اور خوش لباس آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ چند اصولوں کے تحت زندگی بسر کرنے کا قائل تھا۔ اپنے دوسرے ہم پیشہ لوگوں کی طرح لا اُبالی پن کا شکار نہیں تھا۔ تجارتی کاموں سے اتنا کما لیتا تھا کہ اس کے متعلقین اطمینان اور آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔

شہر سے یہاں تک وہ اپنی چھوٹی سی اسٹیشن ویگن میں آتا تھا اور جتنے دن قیام کرنے کا ارادہ ہوتا اسی کی مناسبت سے ضروریات زندگی بھی اس کے ساتھ ہوتیں، روزمرہ کے کام بھی خود ہی انجام دیتا تھا۔ اگر اس کے لئے مددگار کو بھی ساتھ لاتا تو تنہائی کیسے برقرار رہتی۔ تنہائی جو اس کے منفرد تخلیقی کارناموں کی ماں تھی۔ تنہائی جو اس کی تفریح بھی تھی اور آرام جان بھی۔

حسب معمول وہ آج بھی طلوع آفتاب سے پہلے ہی بیدار ہوا تھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر اب اسٹوو پر چائے کے لئے پانی رکھنے جا رہا تھا۔

دفعتاً اُسے محسوس ہوا جیسے کمرے کے صحن میں کوئی وزنی چیز کافی بلندی سے گری ہو۔ وہ چونکا ہی تھا کہ اب پہلی آواز سے مشابہ کسی قدر ہلکی آواز سنائی دی۔

وہ تیزی سے صحن میں آیا اور اُس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑ کر رہ گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وسط صحن میں چمڑے کا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس پڑا نظر آیا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کاسنی رنگ کا ایک لیڈیز کوٹ بھی پڑا تھا۔

اس کی نظر سامنے والی دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ جس کے عقب سے ایک انسانی سر اُبھر کر آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔

عرفان کے ہونٹ کھل گئے آواز نہ نکلی...... یہ کوئی عورت تھی۔ دھندلکے میں چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ پتہ نہیں اس نے بھی عرفان کو دیکھ لیا تھا یا نہیں۔

پھر دیوار کے اوپر پہنچ کر اس نے صحن میں چھلانگ لگا دی۔

دیوار کم از کم تیرہ فٹ ضرور اونچی رہی ہوگی۔

وہ اس طرح صحن میں آ گری تھی کہ خود سے اٹھنا محال ہی معلوم ہو رہا تھا۔ عرفان اس کی طرف جھپٹا۔

لیکن قریب پہنچتے پہنچتے چھلانگ لگانے والی کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

عرفان نے جھک کر دیکھا۔ سانس کی رفتار نارمل تھی۔

''بیہوش ہوگئی۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

نبض دیکھی وہ بھی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔

بالآخر وہ اُسے کمرے میں اٹھا لایا۔ کمرے میں ابھی تک کیروسین لیمپ روشن تھا۔

اب وہ اس کے خدوخال واضح طور پر دیکھ سکا۔

رنگت سے یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ بال سرخی مائل بھورے تھے۔ جسم متناسب۔ عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس یا پچیس سال رہی ہوگی۔

جسم پر اسکرٹ اور بلاؤز تھے۔ پیروں میں اسٹاکنگس ضرور تھے لیکن جوتے ندارد۔

عرفان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے ہوش میں کس طرح لائے۔ پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی ہو۔ ہڈیوں کو گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔ دیوار کافی بلند تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کسمسائی۔ زبان بھی ہلی تھی اور آواز میں ایک بامعنی لفظ کی تکرار تھی۔

''زنجیر......زنجیر......!''

اور پھر سکوت طاری ہوگیا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے متحرک تھے۔ لیکن وہ کھلی نہیں تھیں۔

بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گہری نیند میں بڑبڑا کر پھر خاموش ہوگئی ہو۔

عرفان دم بخود کھڑا رہا۔

وہ صورت سے یوریشین لگ رہی تھی۔ لیکن لفظ ''زنجیر'' کی تکرار اردو ہی میں ہوئی تھی۔ لہجہ بھی دیسیوں ہی جیسا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھ کر کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''میں......کک......کہاں ہوں۔''

''آپ......آپ......!'' عرفان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُسے کیا بتائے۔

''اُوہ......خدا کے لئے مجھے بچایئے۔'' وہ کہتی ہوئی اچھل کر پلنگ سے اُتر آئی۔ ''مجھے کہیں چھپایئے......وہ بھیڑیا یہاں ضرور آئے گا۔''

''کون......؟''

''مجھے چھپایئے......میں پھر بتاؤں گی۔ یہ جگہ اُس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔''

''مم......میں کہاں چھپاؤں؟''

''میرے ہینڈ بیگ......میرے جوتے......میرا کوٹ......!''

''وہ سب وہیں صحن میں پڑے ہوئے ہیں۔'' عرفان نے کہا۔

''انہیں بھی چھپایئے......مجھے بھی چھپایئے......جلدی سے کچھ کیجئے۔ ورنہ آپ کو بعد

میں افسوس ہوگا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔''

''کون......؟''

''خدا کے لئے وقت نہ ضائع کیجئے۔ رحم کیجئے میرے حال پر۔''

''یہاں...... یہی دو کمرے ہیں اور ایک کوٹھری۔''

''مجھے اس میں مقفل کر دیجئے...... جلدی کیجئے۔ صحن کدھر ہے۔ میری چیزوں کو بھی اس کی نظر میں نہ آنا چاہئے۔''

عرفان اُسے صحن میں لایا اور وہ مضطربانہ انداز میں اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ کوٹ اٹھاتے ہی اُس میں لپٹے ہوئے بغیر ایڑیوں والے سپاٹ جوتے نکل کر فرش پر آ رہے۔ وہ انہیں اٹھانے کے لئے پھر جھکی۔

''ٹھہریئے...... میں اٹھائے لیتا ہوں۔'' عرفان بولا۔

کچھ دیر بعد وہ اُس چھوٹی سے کوٹھری میں بند کی جا رہی تھی جس کا مصرف ہی آج تک عرفان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

کنڈی چڑھا کر عرفان نے اُس میں قفل لگا دیا۔

اس کی حیرت ابھی تک برقرار تھی۔

اس سنسان جنگل میں اُس لڑکی کا کیا کام...... یوریشین معلوم ہوتی تھی لیکن اردو کسی اہل زبان کی طرح بولتی تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس پوری گفتگو کے دوران انگریزی کا ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلا تھا اور پھر بے ہوشی کے عالم میں بھی اردو ہی کے الفاظ زبان سے ادا ہونے کا مطلب یہی تھا کہ وہ بیداری کی حالت میں سرے سے انگریزی بولتی ہی نہیں۔ ورنہ اپنے یہاں کے دوغلی نسل والے سفید فاموں کی ثانوی زبان تو اردو ہو سکتی لیکن روزانہ زندگی میں وہ انگریزی ہی بولتے ہیں۔

ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ کوئی باہر سے دروازہ پیٹنے لگا۔

''یہاں کون ہے...... دروازہ کھولو......!'' ایک گونجیلی اور بھاری آواز بھی آئی۔

عرفان کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہوگئی۔

''کون ہے......؟'' خود اُس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''ہے...... دروازہ کھولو......!'' وہی آواز پھر آئی۔

عرفان کمرے سے گذر کر صدر دروازے تک آیا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے کنڈی کھول دی۔ کوئی دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر گھس آیا۔ اگر عرفان اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو پیشانی یقیناً زخمی ہو جاتی۔

''یہ کیا لغویت ہے......!'' اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔

''یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔'' آنے والے نے غرا کر پوچھا۔

''کیسی لڑکی...... تم کون ہو اور اس طرح......!''

''خاموش رہو...... صرف میری بات کا جواب دو۔'' آنے والے نے کہا۔

عرفان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ جبڑے بھاری تھے اور پیشانی کی وریدیں اُبھری ہوئی تھیں۔

''کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم اس طرح یہاں کیوں گھس آئے۔'' عرفان نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کر کے کہا۔ وہ خائف نہیں تھا۔

''میں پوچھ رہا ہوں یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔''

''نہیں...... یہاں میں تنہا رہتا ہوں۔''

''میں خود دیکھنا چاہتا ہوں......!'' وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''ٹھہرو۔'' وہ آگے بڑھ کر کمرے کے دروازے کے درمیان حائل ہوتا ہوا بولا۔ ''میں جنگل میں مقیم ضرور ہوں لیکن جنگل کے قانون کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔''

''اوہ......!'' اجنبی ایک قدم پیچھے ہٹ کر اُسے گھورنے لگا۔

پہلے تو اُس کے چہرے پر کرختگی نظر آئی پھر آہستہ آہستہ وہ کرختگی ایک لمبی سی مسکراہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ دہانہ آدھے گالوں تک پھیل گیا تھا اور دانت نظر آنے لگے تھے۔ عرفان

فیصلہ نہ کر پایا کہ یہ مسکراہٹ تھی یا کسی کٹکھنے کتے نے دانت نکالے تھے۔

''میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔'' اس بار اجنبی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

''سنئے جناب۔'' عرفان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں شہر سے یہاں ہمیشہ تنہا آتا ہوں اور اس قسم کا آرٹسٹ نہیں ہوں جیسے عام طور پر ہوتے ہیں۔ مجھے لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اوہ..... تو تم آرٹسٹ ہو۔''

عرفان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''میرا مطلب تھا کہ یہاں اچانک کوئی لڑکی تو نہیں آئی۔''

''یہاں اچانک!'' عرفان نے لہجے میں تحیر پیدا کر کے کہا۔ ''اس جنگل میں۔''

''یہاں..... یہاں..... کیا تم نہیں جانتے کہ یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک ریلوے لائن بھی گذرتی ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔'' عرفان بولا۔

''وہ دراصل بہت بڑی مالیت کے زیورات چرا کر بھاگی ہے۔ بذریعہ ریلوے ٹرین ادھر ہی آئی تھی۔ ایک دیہاتی اسٹیشن پر اترنے کی خبر ملی تھی۔ خیال ہے کہ اُس نے انہیں جنگلوں میں پناہ لی ہے۔''

''اوہ..... آیئے..... بیٹھیے.....'' عرفان نے کمرے میں داخل ہو کر کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے.....اگر آپ پہلے ہی بتا دیتے تو۔''

''کوئی بات نہیں ہے..... اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں بہت پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں..... اس لئے۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' عرفان سر ہلا کر بولا۔ ''گھریلو ملازمائیں بڑی پریشانیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔''

''آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ کوئی گھریلو ملازمہ نہیں۔ ایک خوش شکل اور جواں سال یوریشین ہے۔''

''نہیں۔'' اس بار عرفان نے بہت زیادہ حیرت ظاہر کی۔

''دراصل ہماری فرم زیورات کی تجارت کرتی ہے۔ یہ لڑکی ہمارے شوروم میں سیلز گرل تھی اور جواہرات کا کاؤنٹر اس کے سپرد تھا۔ لاکھوں کی مالیت کے جواہرات لے اڑی ہے۔''

''اوہ.....!'' عرفان سوچ میں پڑ گیا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ''اس ویرانے میں اس عمارت کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں وہ پناہ لے سکے۔ ہو سکتا ہے بھوک اور پیاس اُسے ادھر آنے پر مجبور کرے۔''

''ممکن ہے..... ممکن ہے.....؟'' عرفان مضطربانہ انداز میں بولا۔

''تو پھر مجھے یہیں ٹھہرنا چاہئے اور اس طرح کہ اُسے علم نہ ہونے پائے اور یہ عمارت اس کے لئے چوہے دان بن جائے۔''

''جی..... ای..... کیا مطلب.....؟''

''ایک چور کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے میرے ہاتھ بٹایئے۔''

''یع..... یعنی..... کہ آپ یہاں قیام کریں گے۔''

''ہاں..... کیا حرج ہے۔ میں آپ کے مشاغل میں حارج نہیں ہوں گا۔ ویسے بھی مجھے مصوری سے لگاؤ ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن کیا اُسے کچھ اور آدمی بھی تلاش کر رہے ہیں۔''

''نہیں..... صرف میں ہی۔''

''تب تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ادھر ہی کا رخ کرے ممکن ہے کسی اور طرف نکل جائے۔ اگر دو چار اور بھی اس جنگل کی نگرانی کر رہے ہوتے تب تو آپ کا یہاں قیام کرنا یقیناً مفید ثابت ہوتا۔''

''مجھ سے بحث نہ کرو سمجھے..... میں چاہتا تھا کہ مجھے سختی نہ کرنی پڑے۔ لیکن اگر تم مجھے اس پر مجبور کرتے رہے تو.....!''

''اوہ..... یہ بات ہے۔'' عرفان اٹھتا ہوا بولا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اجنبی غرایا۔

اورعرفان اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ریوالور دیکھ رہا تھا جس کا رخ اُسی کی طرف تھا۔

خون کی لکیر

حمید نے آئینے میں شکل دیکھی اور پائپ کا کش لے کر مخصوص انداز میں ہونٹوں سے دھواں نکالتا رہا۔ اُسے اپنی ننھی سی فرنچ کٹ ڈاڑھی گراں نہیں گذر رہی تھی۔ باریک تراشی ہوئی مونچھیں بھی کسی قدر آرٹسٹک ہی تھیں۔ آنکھوں پر ریم لیس فریم والی عینک..... یہ میک اپ اس نے خود ہی کیا تھا۔

کارخانہ بہر حال جم گیا تھا۔ کچھ لڑکیاں آئی تھیں انٹرویو کے لئے۔ حمید کو اس سلسلے میں فریدی سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ کاریگروں کے انتخاب میں کسی خاص صنف کا خیال رکھا جائے لہٰذا اس چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بھی مرد کاریگر کا انتخاب نہیں کیا تھا۔

ایک لڑکی تو اُسے اتنی اچھی لگی تھی کہ لڑ بھڑ کر اس کا انتخاب تو یقیناً کرتا۔ کٹنگ کے لئے ایک معمر اور بہت تجربہ کار عورت رکھی گئی تھی۔

کارخانہ تو قائم ہو گیا تھا۔ لیکن سوال تھا کام کا فوراً ہی کام بھی کہاں سے ٹپک پڑتا۔

اس وقت حمید بحیثیت منیجر ان لڑکیوں کو کچھ ہدایات دیتے دیتے خاموش ہو گیا تھا اور پائپ کو راکھ دان میں خالی کر کے تازہ تمباکو بھرتے ہوئے سوچا تھا کاش قاسم کو بھی اس دھندے میں شامل کرنے کی اجازت ملی ہوتی۔

وہ بے چارا اسی کے لئے رات بھر جاگتا رہا تھا۔ لباس تراشی کی مشق بہم پہنچائی تھی اور منہ اندھیرے اس کے پاس دوڑا آیا تھا۔ لیکن فریدی نے اپنی خواب گاہ میں سلا کر اس کی بیوی کو فون کر دیا تھا کہ وہ وہاں سو رہا ہے۔ لیکن جب تک نیند پوری نہ کر لے اُسے جگایا نہیں جا سکے گا۔

حمید کو گیارہ بجے ٹیلرنگ ہاؤس میں کاریگروں کا انٹرویو لینا تھا اس لئے اُسے اس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی چلا جانا پڑا تھا۔ اب اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں سے قاسم ہاتھ لگے تو جی بھی بہلے۔ ورنہ یہ ٹیلرنگ شاپ تو اُس کی زندگی تباہ کر ڈالے گی۔

لڑکیاں سیدھی سادھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ جو زیادہ پسند آئی تھی اپنے رویئے میں کسی قدر شوخی کی جھلکیاں ضرور رکھتی تھی۔ لیکن محتاط بھی معلوم ہوتی تھی۔ پھر پہلا دن ہی تو تھا۔ ادھر یہ احساس کہ اسے اُن لڑکیوں پر بالا دستی حاصل ہے اور یہی احساس تفریح کر کری کر دینے کے لئے کافی تھا۔

اُسے تو عموماً ایسی لڑکیوں سے دلچسپی ہوتی تھی جو اُس کی پہنچ سے باہر ہوں اور ان تک پہنچنے کے لئے اُسے خاصی جدوجہد کرنی پڑے۔

بہر حال صبر کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی جو اُسے زیادہ پسند آئی ہے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

''کیا بات ہے؟ کیا مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''جی ہاں...... بشرطیکہ آپ اسے پسند فرمائیں۔''

''کیا پسند فرماؤں......؟''

''مطلب یہ کہ......!''

''بات کم سے کم الفاظ میں ہونی چاہئے۔''

''ایک مرد کٹر بھی ضروری ہے یہاں کے لئے......!''

''کیوں......؟''

''اس لئے کہ یہاں صرف خواتین کے ملبوسات تیار کئے جائیں گے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔''

''اب درزی خانے میں بھی نفسیات چلے گی۔'' حمید نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہاں جناب......زندگی کے ہر شعبے میں نفسیات کو دخل ہے؟''

''تو پھر یہاں کپڑے سینے کیوں آئی ہو۔ کسی کالج والج کی لیکچرر شپ کے لئے دوڑ دھوپ کی ہوتی۔''

''سخت نفرت ہے اس زندگی سے ورنہ آپ کی اطلاع کے لئے میں نے پچھلے ہی سال نفسیات میں ایم اے کیا ہے۔''

''تو پھر آپ اس درزی خانے ہی کو کلاس روم بنا کر رکھ دیں گی۔''

''مجھے دستکاری سے دلچسپی ہے۔''

''تو پھر نفسیات میں کیوں جھک مارتی رہی تھیں۔''

''اوہ......ٹھہریئے۔ وہ دیکھئے کچھ خواتین ادھر آ رہی ہیں۔ کم سے کم اُجرت بتایئے۔''

''میں نے ٹیلرنگ میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

تین عورتیں دوکان میں داخل ہوئیں۔ مختلف ملبوسات کی اجرتوں کے بارے میں پوچھتی رہیں اور جلد ہی واپس آنے کا وعدہ کر کے واپس چلی گئیں۔

حمید نے دیکھا کہ وہ لڑکی منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنس رہی ہے۔

اس کا نام رضیہ تھا۔

''کیا یہ بھی کوئی نفسیاتی لمحہ ہے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''آپ اُن سے بالکل کسی پروفیسر کے انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔''

''میں پیرس کی ایک بہت بڑی دوکان پر کام کر چکا ہوں۔'' حمید نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اوہ......لیکن میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ آپ جسموں کی پیمائش کے شوق میں اس طرح دربدر ہوئے ہیں۔''

''کیا مطلب...... ہائیں۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ''پہلے ہی دن اتنی بے تکلفی...... میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

''معافی چاہتی ہوں جناب......نفسیاتی مسائل زبان پر ضرور آ جاتے ہیں۔ آخر ایم اے

کیا تھا نفسیات میں اور میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا غصہ قطعی مصنوعی ہے۔ آپ نے پسند فرمائی ہے میری بے تکلفی۔''

''ارے......ارے......!''

''اگر سینے کا کپڑا ہوتا تو میری زبان اس ''حجامیت'' سے باز رہتی۔''

''حجامیت......میں نہیں سمجھا۔''

''حجام سے بنائی ہے۔ درزی کی قینچی خاموشی سے چلتی ہے اور حجام کی قینچی کے ساتھ زبان بھی چلتی رہتی ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے دوبارہ لوئر پرائمری میں داخل کراؤ گی۔''

''ویسے آپ بھی مجھے خوش مزاج ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

''محترمہ......محترمہ......آپ میری ماتحتی میں کام کریں گی اسے نہ بھولئے۔''

''یہ بھی نفسیاتی۔''

''جہنم میں گئی نفسیات......اب خاموش رہو۔''

''اتنی جلدی غصہ آ جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' وہ پر تفکر لہجے میں بڑبڑائی۔ ''غالباً بچپن کا کوئی کومپلکس......!''

پھر حمید سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ''کیا آپ کے والدین سخت گیر تھے۔''

''اٹھائی گیر تھے......تم سے مطلب......؟''

''لیکن کمال ہے کہ غصے کے عالم میں بھی آپ اس قسم کے ٹکڑے لگا سکتے ہیں۔ بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ سخت گیر......اٹھائی گیر......واہ سبحان اللہ۔''

''میں کہتا ہوں اب چپ بھی رہو۔''

دوسری لڑکیاں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی کو اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانے کے لئے دوسری طرف بھی مڑ جانا پڑتا۔

دفعتاً معمر عورت بولی۔ ''تم واقعی بہت بولتی ہو۔ یہ مناسب نہیں۔ صاحب ٹھیک تو کہتے

ہیں......تم چاہے جتنی قابل ہو تمہیں ان کی ماتحتی میں کام کرنا ہے۔"

"ارے تو تمہیں کیوں الجھن ہو رہی ہے۔" رضیہ اُس کی طرف مڑی۔

"ارے میرے منہ نہ لگنا۔ میں نے نفسیات دفسیات نہیں پڑھی لیکن بولتوں کو چپ کرا دینا اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہے۔"

"اچھا......بڑی آئی صورت والی......جھونٹا پھونک دوں گی......!"

"اے زبان سنبھال کے......!"

"چل چکی دوکان۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ یہ گوشت کی دوکان مشہور ہو جائے گی۔"

"اس بڑھیا کو چپ کرائیے۔" رضیہ بولی۔

"اے لڑکی ہوش میں ہے یا نہیں۔" معمر عورت رضیہ کی طرف جھپٹی لیکن حمید ان کے درمیان آ گیا۔

"میں کہہ رہا ہوں تم دونوں ہی خاموش رہو ورنہ ابھی ایک دن کی تنخواہ دے کر رخصت کر دوں گا۔ اوہ......دیکھو......وہ خواتین واپس آ رہی ہیں۔ غالباً کپڑا خرید لائیں۔"

دونوں ہی خاموش ہو کر سڑک کی طرف متوجہ ہو گئیں۔



عرفان دم بخود رہ گیا تھا۔

چپ چاپ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میں یہیں قیام کروں گا۔" اجنبی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

عرفان خاموش رہا۔ وہ اب بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لڑکی کے بارے میں اُسے بتائے یا نہ بتائے۔ لیکن وہ آخر کتنی دیر اس چھوٹی سی کوٹھری میں بند رہ سکے گی۔ اگر یہ آدمی ریوالور کے زور پر یہاں رہ ہی پڑا تو لڑکی کی موجودگی کتنی دیر چھپی رہ سکے گی۔

"تم کیا سوچنے لگے۔" اجنبی غرایا۔

"کچھ نہیں......!"

"کیا اب مجھے یہ ریوالور ہاتھ ہی میں لئے رہنا پڑے گا۔"

"آپ اسے جیب میں رکھ لیجئے......!" عرفان نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن شریف آدمی ریوالور تو نہیں لئے پھرتے۔"

اجنبی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "کیا تم محکمہ پولیس کے لوگوں کو شریف نہیں سمجھتے۔"

"پولیس......اوہ......!" عرفان نے طویل سانس لے کر کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرا دیئے۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "تب تو......تب تو مجھے آپکے ناشتے کا انتظام کرنا چاہئے۔"

"خوب......یہ اتنی دیر میں پہلی کام کی ہوئی ہے۔ میں رات سے بھوکا ہوں میرے دوست۔"

اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ مجھے خود ہی تیار کرنا پڑے گا۔"

"ہم دونوں مل کر کریں گے۔" اجنبی جلدی سے بولا۔

عرفان سوچ میں پڑ گیا اگر وہ اس مقفل کوٹھری کے بارے میں سوال کر بیٹھا تو کیا ہو گا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں باورچی خانے میں نظر آئے۔ وہ عرفان سے کہہ رہا تھا۔ "میں پراٹھے بہت اچھے پکا سکتا ہوں۔"

"اور میں انڈے تلنے کا ماہر ہوں۔" عرفان نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تم یہاں اس ویرانے میں کیوں آئے ہو۔"

"کبھی کبھی چلا آتا ہوں کچھ دنوں کے لئے......ہر آدمی کو کبھی کبھی سکون کی تلاش ضرور ہوتی ہے۔"

''اور اگر یہاں لٹ جاؤ تو۔''

''ارے ہوتا ہی کیا ہے میرے پاس۔ جو کچھ بھی ہوگا خود ہی نکال کر لوٹنے والے کے حوالے کر دوں گا۔''

''تصویریں بناتے ہو۔''

''ہاں مصوری میرا پیشہ ہے۔''

''ویسے یہ جگہ بڑی پُر فضا ہے۔ اگر ہم دونوں دوست بن گئے تو میں بھی کبھی کبھی آیا کروں گا۔''

''ضرور......ضرور......!'' عرفان نے سر ہلا کر کہا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ باہر ہی کے کمرے میں آ بیٹھے۔ اجنبی مقفل کوٹھری کے قریب سے بھی گذرا تھا لیکن اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

ناشتے کے بعد وہ ایک بدلا ہوا آدمی نظر آ رہا تھا۔

ادھر عرفان سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی بھی بھوکی ہوگی۔ آخر اس کے لئے کیا کیا جائے؟ پتہ نہیں کیوں وہ اُسے چور تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

''میں پچھلی رات جاگتا رہا ہوں......!'' دفعتاً اجنبی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس معاملے میں بھی میری مدد کرو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اگر میں کچھ دیر کے لئے سو جاؤں تو تم اس کا خیال رکھو گے۔''

''کس کا......؟''

''اوہ......اتنی جلدی بھول گئے۔ میں اس چور لڑکی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔''

''ارے ہاں......اچھا تو میں کس طرح خیال رکھوں گا۔''

''اگر وہ یہاں پناہ لینا چاہے تو اُسے اندر آنے دینا۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔ لیکن اسے اس کی اطلاع نہ ہونے پائے کہ کوئی اس کی تلاش میں یہاں پہلے ہی سے موجود ہے۔''

''بہت اچھا......!''

''تو پھر مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں مجھے سونا ہے۔'' اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔

نشست کے کمرے کے برابر ہی وہ کمرہ تھا اور وہاں صرف ایک ہی بستر تھا۔ عرفان اُسے وہاں لایا۔

پھر شائد دس ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ اُس کے خراٹے گونجنے لگے۔ وہ چپ چاپ اٹھا دبے پاؤں چلتا ہوا کمرے کے دروازے تک آیا اور آہستگی سے پٹ کھینچ کر بند کئے اور دروازے کو باہر سے بولٹ کر دیا۔ دوسری طرف نکاسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ لہٰذا اطمینان تھا کہ اگر وہ جاگ بھی پڑا تو اس کی مدد کے بغیر کمرے سے باہر نہیں نکل سکے گا۔

اب عرفان اس کی کوٹھری کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ لڑکی بند تھی۔

قفل کھولا......لڑکی جھپٹ کر دروازے کے قریب آ گئی۔

''کک......کیا وہ چلا گیا......؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں......دوسرے کمرے میں سو رہا ہے۔''

''کیوں؟ کیا آپ اُسے پہلے سے جانتے تھے؟'' لڑکی کی آواز کانپ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں۔ وہ تو زبردستی دھرنا دے بیٹھا ہے۔ کہتا تھا کہ تم ادھر ضرور آؤ گی پناہ لینے کیلئے۔''

''اوہ......پھر آپ نے کیا کیا......؟''

''مجبوری تھی۔ اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ جسمانی قوت میں بھی شائد مجھ پر حاوی ہے۔''

''آپ نے اچھا کیا......؟ لیکن اُس نے میرے بارے میں آپ کو کیا بتایا۔''

''اُسے چھوڑو۔ پہلے تم ناشتہ کر لو۔ پتہ نہیں کب سے بھوکی ہو۔ ارے ہاں تمہاری چوٹ اب کیسی ہے۔''

''درد ہے بائیں پیر میں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اس کوٹھری تک محدود رہو۔ میں تمہارے لئے کچھ لاؤں۔''

''وہ کہاں سو رہا ہے۔''

''کمرے میں۔ میں نے باہر سے دروازہ بولٹ کر دیا ہے۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ اس کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

''وہ جھوٹا ہے اور تب تو اُس نے میرے بارے میں کوئی ایسی ہی کہانی سنائی ہوگی جس سے آپ مجھے ایک مفرور ملزمہ سمجھیں۔''

''ہاں......ایسی ہی کوئی بات تھی۔ بہر حال اب تم کچھ کھا پی لو۔'' وہ اُسے وہیں چھوڑ کر باورچی خانے میں چلا آیا۔

فرائینگ پین کو مٹی کے تیل کے چولہے پر رکھتے ہوئے اس نے سوچا یہ لڑکی چور ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پتہ نہیں کیا معاملہ ہے۔ اور وہ سؤر کا بچہ بھی محکمہ پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتا۔ پھر اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پراٹھے گرم کرنے کے بعد دو تین انڈے بھی فرائینگ پین میں توڑے۔ اس میں تقریباً دس پندرہ منٹ صرف ہوئے تھے۔

کوٹھری میں واپس آیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر وہ کمرے کی طرف جھپٹا۔ سونے والے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔

پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔ سر چکرانے لگا۔ تو گویا وہ خود ہی موت کے منہ میں جا کودی تھی۔

وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا اور......اور......!

''اوہ......؟'' وہ جہاں تک تھا وہیں رہ گیا۔

اجنبی پلنگ کے نیچے منہ کے بل پڑا نظر آیا اور خون کی ایک متحرک لکیر اُس کے نیچے سے نکل کر دیوار کی جڑ تک پہنچ رہی تھی۔ عرفان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود اس جگہ سے ہل بھی نہ سکے گا۔ اسی حالت میں کئی منٹ گذر گئے۔

پھر دفعتاً اس نے باہر کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور بے تحاشہ بیرونی

دروازے کی طرف بھاگا۔

اس کی اسٹیشن ویگن بڑی تیز رفتاری سے شہر کی جانب چلی جارہی تھی۔ وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔



ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''کیا تم کسی عرفان آرٹسٹ کو جانتے ہو۔''

''عرفان......یاد نہیں آتا......کچھ اور بھی بتایئے۔''

''تم کبھی قاسم کو کسی آرٹسٹ کے پاس لے گئے تھے۔''

''اوہ......اچھا ہاں۔ ایک بار اُسے مصوری کا خبط ہوا تھا۔ میں نے کہا تھا اگر سیکھنا ہی ہے تو چلو کسی آرٹسٹ سے ملوا دوں۔ مقصد یہ تھا کہ بیچارے آرٹسٹ ہی کا بھلا ہو جائے گا۔''

''تو تم عرفان کو اچھی طرح جانتے ہو۔''

''بس جان پہچان کی حد تک......وہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''جان پہچان کس سلسلے میں ہوئی تھی۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا......؟''

''میری بات کا جواب دو۔''

''مجھے یاد نہیں کہ کب اور کہاں اُس سے متعارف ہوا تھا۔ اس کے بعد جب بھی کہیں ملاقات ہوئی وہ محض مزاج پرسی ہی تک محدود رہی۔''

''تم اس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔''

"کیا قاسم کی کسی حماقت کی داستان آپ تک پہنچی ہے۔"

"میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔"

"میں اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ یہ خواتین بار بار آپس میں لڑ پڑتی ہیں۔ ہاں تو آپ نے کیا پوچھا تھا......؟"

"تم عرفان کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں......قاسم سے پیچھا چھڑانے کیلئے اُسکے حوالے کر دیا تھا، اور بس......!"

"خیر......تم ٹھیک سات بجے دوکان بند کر کے پرنسٹن کے چوراہے پر مجھے مل جاؤ سات بج کر پندرہ منٹ پر......!"

"یعنی دن بھر کی اس تھکن کے باوجود بھی......!"

دوسری طرف سے کوئی جواب ملنے کے بجائے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔

حمید ریسیور رکھ کر سر تھامے ہوئے کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

"کوئی خاص پریشانی جناب۔" رضیہ نے چہک کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں جناب۔ دوسروں کی الجھن کے حل تلاش کرنا میری ہابی ہے جناب......!"

"فی الحال میری سب سے بڑی الجھن تم ہو۔ باس تمہارے تقرر کی منظوری دے چکا ہے......اس لئے مجبور ہے۔ ورنہ......ورنہ......!"

"ورنہ آپ مجھے اس ملازمت سے پہلے ہی دن سبکدوش کر دیتے۔"

"نہیں میں تمہارے لئے کچھ اور سوچتا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ سوچتے تو کچھ بھی نہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"اب یہی دیکھئے کہ اس وقت بھی آپ کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ہیں۔ وہ لوگ

جو زیادہ سوچنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں جھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے کی فرصت کہاں۔"

"میں پھر کہوں گا کہ یہ نفسیات کی کلاس نہیں بلکہ درزی خانہ ہے۔"

"میں پھر یہی عرض کروں گی کہ نفسیات......!"

"ارے بابا......بس......!" حمید میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ "میں بھی آدمی ہی ہوں پتھر کی دیوار نہیں ہوں۔"

"آپ آدمی ہیں......اسی لئے تو نفسیات......!"

حمید نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور معمر عورت دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولی۔ "اتراتے ہی نہیں بنتا بیچاری سے۔"

"ارے تم نے پھر بکواس کی......!" رضیہ اس کی طرف پلٹی۔

"صاحب......بس اب حد ہو چکی۔" معمر عورت نے حمید سے کہا۔ "میں یہیں اس سے نپٹ لوں گی۔ پھر اب کچھ نہ کہئے گا۔"

"ہاتھا پائی کرو گی تم......!" رضیہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"خاموش......خاموش......!" حمید نے میز کھٹکھٹائی۔

"مجھ سے تو جناب ایسی نوکری نہیں ہو سکے گی۔!" معمر عورت نے حمید سے کہا۔ "جہاں کل کی لونڈیاں میرے منہ آئیں۔"

"ارے تو احسان کیا ہے کسی پر چھوڑ جاؤ......!" رضیہ تڑ سے بولی۔ "ایسی ہی نازک دماغ تھیں تو گھر سے باہر کیوں نکلی تھیں۔"

"آپ سن رہے ہیں۔" معمر عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید نے بے بسی سے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"اور آپ کچھ نہیں کہیں گے اسے......؟"

"میں......بھلا میں عورتوں کے معاملات میں کیسے دخل انداز ہو سکتا ہوں۔"

"اچھا تو جناب! میں چلی، کٹنگ کرنے والے کی بالا دستی ہر کارخانے میں تسلیم کی جاتی

ہے۔ یہاں رہ کر میں اپنی بے عزتی نہیں کراؤں گی جا رہی ہوں۔'' معمر عورت نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

''او ہو...... یہ مطلب نہیں......!'' حمید گڑبڑا گیا۔

''نہیں جناب...... شکریہ...... میں ایک پل کے لئے بھی نہیں رک سکتی۔''

''تو یہ جو کپڑا آیا ہے اُسے کون کاٹے گا......؟''

''میں کاٹ لوں گی۔'' رضیہ تڑ سے بولی۔ ''آپ فکر نہ کیجئے۔''

''تم سے تو میں اچھی طرح سمجھوں گی۔'' معمر عورت نے اُسے گھونسہ دکھا کر کہا۔

''یا خدا...... کیا خواتین میں بھی غنڈہ گردی فروغ پا رہی ہے۔'' حمید چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔

معمر عورت دوکان کے نیچے اتر گئی۔

''یہ تم نے کیا کیا......؟'' حمید نے رضیہ سے کہا۔

''آپ کی ایک غلطی کی اصلاح کی ہے۔ اب جلدی سے ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ ورنہ دوکان ہرگز نہ چلے گی۔ خواتین ادھر کا رخ نہ کریں گی۔''

''ارے تو کیا تم اسے نفسیات خانہ ہی بنا کر رکھ دو گی۔''

''بھٹیار خانہ بننے سے بہتر ہے کہ نفسیات خانہ ہی بنے۔ فی الحال میں ان کپڑوں کی کٹنگ کئے دیتی ہوں۔ لیکن آپ آج ہی ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ خوش پوش اور خوش شکل ہونا چاہئے۔ خوش مزاج بھی ہو تو کیا کہنا۔ تاکہ ناپ لیتے وقت لطیفے اور چٹکلے بھی چھیڑ سکے۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''بس بس......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

اندھیرے میں

فریدی کی لنکن شمال کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ اس لئے رفتار بھی خاصی

تیز تھی۔

حمید ٹھیک سوا سات بجے پرنسٹن کے چوراہے پر پہنچ گیا تھا۔ لنکن وہیں ایک جانب کھڑی ملی تھی۔ فریدی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بھی کوئی تھا جس کی شکل اندھیرے میں دکھائی نہیں دی تھی۔

حمید گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

اُسے قطعی علم نہ ہو سکا کہ جانا کہاں ہے۔

راستے میں حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''پچھلی سیٹ پر کون ہے۔''

''عرفان آرٹسٹ......؟''

''اوہ...... تو کیا......؟''

''ہاں یہ حضرت تمہارے ہی حوالے سے مجھ سے ملے تھے۔''

''کوئی خاص بات......؟''

''جہاں جا رہے ہیں وہیں پہنچ کر معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے گا۔'' پھر بات جہاں کی تہاں رہ گئی تھی۔

منزل مقصود حمید کے توقعات کے خلاف نکلی۔ عمارت کے چاروں طرف جنگل بکھرے ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کی اور وہ آگے بڑھنے لگے۔ عمارت میں بھی اندھیرا تھا۔ عرفان نے کیروسین لیمپ روشن کیا۔

''اُدھر اس کمرے میں جناب۔'' عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے۔

''میرے خدا......؟'' عرفان نے عجیب سی آواز میں کہا اور ہونقوں کی طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں...... کہاں ہے وہ لاش؟" فریدی کا لہجہ پرسکون تھا۔

"مم...... میں کیا بتاؤں جناب...... وہ یہیں پڑی تھی اور خون بہہ بہہ کر اس دیوار تک پہنچ رہا تھا۔"

کیروسین لیمپ کی روشنی دھندلی تھی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور جھک کر کچے فرش کا جائزہ لیا۔

پھر کچھ دیر بعد سیدھے ہوتے ہوئے پوچھا۔ "وہ لڑکی کہاں تھی؟"

"اُدھر کوٹھری میں...... چلئے میں دکھاؤں......!" عرفان بولا۔ اس کی آواز شدت سے کانپ رہی تھی۔

حمید الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر قصہ کیا ہے۔ اُدھوری باتوں سے اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہاں کچھ دیر پہلے کوئی لاش تھی۔ پھر کسی لڑکی کا تذکرہ ہوا۔

تو کیا وہ لاش کسی لڑکی کی تھی؟

اب وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہوئے۔

"اندازاً وہ یہاں کتنی دیر تک بند رہی ہوگی۔" فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

"شائد ڈیڑھ گھنٹے......!"

"آپ نے فائر کی آواز سنی تھی؟"

"جی نہیں...... اسی پر تو حیرت ہے...... اگر اس کمرے میں فائر ہوا ہوتا تو باورچی خانے میں اس کی آواز ضرور سنی جا سکتی۔"

"لیکن مرنے والے کی چیخ تو سنی ہی ہوگی۔"

"ہرگز نہیں جناب...... اگر چیخ کی آواز سن لی ہوتی تو اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑتا۔"

"آپ شہر تک کیسے پہنچے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔ اس کی نظریں کوٹھری کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

"مجھے ہوش نہیں کہ کتنی دور تک اپنی وین کے پیچھے دوڑا تھا۔ ویسے میری رفتار خاصی تیز

تھی۔ کیونکہ وین کافی دور تک مجھے نظر آتی رہی تھی۔ پھر میں تھک کر گر گیا تھا۔ گھسٹتا ہوا سڑک کے کنارے جا پڑا۔ پتہ نہیں کتنی دیر بعد اُدھر سے ایک لوڈنگ ٹرک گذرا تھا۔ میری درخواست پر ڈرائیور نے مجھے شہر پہنچانا منظور کر لیا۔"

"ٹرک کا نمبر یاد ہے آپ کو......؟"

"مجھے اس کا ہوش کہاں تھا جناب۔"

"اپنی گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرا ہی دی ہوگی۔"

"نہیں جناب...... میں نے آپ کے علاوہ اور کسی کو بھی یہ واقعہ نہیں بتایا۔ میں جانتا تھا کہ صرف آپ ہی مجھے کسی قسم کے الزام سے بچا سکیں گے۔"

"خیر...... اب میں وہ دیوار دیکھنا چاہتا ہوں جس پر سے اس نے صحن میں چھلانگ لگائی تھی۔"

"ادھر سے تشریف لائیے جناب۔" عرفان کوٹھری سے نکل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

دیوار پر ٹارچ کی روشنی کا دائرہ رینگتا رہا۔ عرفان نے اُسے بتایا کہ سوٹ کیس اور کوٹ کہاں گرے تھے اور کس طرح ان کے گرنے کی آوازیں سن کر وہ صحن میں آیا تھا۔

"اوہ تو کیا کوئی لڑکی کودی تھی دیوار پر سے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں جناب......!"

حمید منہ چلا کر رہ گیا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر بولا۔

"دیوار کے اُس طرف کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں...... جنگل ہے......؟"

"دیوار پر وہ کس طرح چڑھی ہوگی بلندی خاصی ہے۔"

"میں اس طرف آج تک گیا ہی نہیں۔"

"خیر...... اب دیکھے لیتے ہیں۔"

مکان کی پشت پر پہنچنے کے لئے انہیں گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنا پڑا۔ بھائیں بھائیں کرتے ہوئے تاریک جنگل کے لئے ٹارچ کی روشنی ناکافی سی لگ رہی تھی۔

حمید کے ہاتھوں میں کئی جگہ کانٹے چبھ گئے۔

"کیا یہ آپ کی مستقل قیام گاہ ہے عرفان صاحب۔" اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"نہیں جناب...... کبھی کبھی تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے یہاں چلا آتا ہوں۔"

"زبان تک بدل جاتی ہوگی یہاں تو......؟"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"مثال کے طور پر اس وقت میرا بھونکنے کو جی چاہتا ہے۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوں...... اُوہ......!" اس نے فریدی کی آواز سنی۔ "وہ دیکھئے...... دیوار پر چڑھنا تو بے حد آسان ہے۔ دیکھئے کتنی اینٹیں نکلی ہوئی ہیں۔"

پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پہنچ کر اس نے ٹارچ کا رخ ان دونوں کی جانب پھیر دیا۔

دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن حمید نے محسوس کیا جیسے اُس نے پھرتی سے جھک کر کوئی چیز اٹھائی ہو۔

کچھ دیر بعد وہ پھر مکان کے اندر واپس آئے۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔" فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

"مم...... میں کیا بتاؤں جناب...... وہ لاش......!"

حمید نے دیکھا کہ فریدی نے جیب سے ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال لیا ہے۔

"آپ کو عدالت میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی کہ آپ نے میرا قیمتی وقت کیوں ضائع کرایا تھا۔"

"مم...... میں......؟"

"ہتھکڑیاں پہن لیجئے۔"

"مم...... میں...... خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔"

"تو پھر دکھایئے نا...... وہ لاش کہاں ہے؟"

"اب...... مم...... میں کیا بتاؤں۔ میری عدم موجودگی میں کسی نے اُسے یہاں سے ہٹا دیا۔"

"عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔" فریدی نے کہتے ہوئے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

"جناب...... جناب...... کرنل صاحب۔"

"مجبوری ہے...... قانون......!"

"ایسا بُرا برتاؤ تو شاید کسی تھانے پر بھی نہ ہوتا۔"

"وہ اس سے زیادہ بُرا برتاؤ کرتے۔ ایسے حالات میں......!"

"آخر قصہ کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قصہ بھی یہی بتائیں گے تمہیں۔ تم انہیں شہر لے جاؤ۔ اپنے محکمے کے لاک اپ میں رکھنا۔"

"سنئے تو سہی...... جناب......!" عرفان کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ تھی۔

"عرفان صاحب جو کچھ میں کر رہا ہوں اسی میں آپ کی عافیت ہے۔ محکمہ سراغ رسانی کا لاک اپ آرام دہ ثابت ہوگا۔ سول پولیس کے لاک اپ سے بدرجہا بہتر...... اچھا شب بخیر......!"

"کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔" حمید نے پوچھا۔

"بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ صبح جیپ بھجوا دینا۔ ہاں میں یہاں رات بسر کروں گا۔"

پھر فریدی نے مخصوص اشاروں میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ عرفان سے اس کی کہانی سن کر اُسی وقت پریس میں دیدے اور یہ ظاہر کرے کہ عرفان کی کہانی باور نہیں کی گئی۔ لہٰذا اُسے اسی لئے حراست میں لیا گیا ہے کہ اُس حرکت کا اصل مقصد معلوم کیا جا سکے۔

واپسی پر حمید کار ڈرائیو کر رہا تھا اور عرفان بھرائی ہوئی آواز میں اپنی کہانی سناتے سناتے خاموش ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھ سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے۔"

"کیسی غلطی......؟" حمید نے پوچھا۔

"لاش کو گھسیٹ کر جنگل میں پھینک آتا۔" عرفان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"خیال اچھا ہے۔"

”آپ خود سوچئے...... کسی کو کیا پتہ چلتا...... میں نے خود ہی مصیبت مول لی ہے۔ یا پھر مجھے ہی عقل آ گئی ہوتی۔ اس آدمی کو بتا دیتا کہ وہ کوٹھری میں موجود ہے کیونکہ وہ یقیناً چور تھی، نہ صرف چور بلکہ ایک سرد مزاج قاتلہ تھی۔“

”یہ بھی ممکن تھا کہ تم اُس صورت میں اس لڑکی ہی کی لاش دیکھتے۔“

”ہرگز نہیں۔“

”اچھا تو پھر بتاؤ کہ وہ لاش کہاں غائب ہو گئی؟“

”یہی سوال تو مجھے بھی پاگل کئے دے رہا ہے۔“

”لاش غائب ہو جانے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ لاش کی تشہیر ہونے میں کسی راز کے فاش ہو جانے کا خدشہ تھا۔“

”کسے خدشہ تھا......؟“

”یہ آپ سوچ کر بتایئے۔“

”میں بتاؤں......؟“ عرفان اچھل پڑا۔

”قطعی......!“

”میں کیا بتا سکتا ہوں۔ دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھے۔“

”اکثر بد مزاج لوگوں کی بیویاں پڑوس کے آرٹسٹوں سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ اب فرض کیجئے ایسی ہی کوئی بیوی کسی آرٹسٹ کے پاس جاتی ہے۔ شوہر پہنچ جاتا ہے۔ ہاتھا پائی ہوتی ہے۔ شوہر ختم ہو جاتا ہے۔ لاش ٹھکانے لگا دی جاتی ہے۔ بیوی اپنی راہ لیتی ہے لیکن آرٹسٹ صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کمزور دل کے واقع ہوئے ہیں۔ ایک کہانی گڑھتے ہیں۔“

”بس...... بس...... خدا کے لئے بس کیجئے۔ نہ میں کمزور دل کا ہوں اور نہ پڑوس کی بیویوں پر جان دیتا ہوں۔ اوہ...... میرے خدا...... میرے حالات کے چوکھٹے میں یہ کہانی ٹھیک فٹ ہو سکتی ہے اور شاید آپ یہ کہیں کہ میں اچھی طرح کہانی کا تانا بانا نہیں بنا سکا۔ اسی لئے

مجھے فائر کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔“

”یہ قطعی ممکن ہے کہ تم فائر کی آواز نہ سن سکو۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے فائر کی آواز نہیں نکلتی...... صرف گولی نکلتی ہے۔“

”بہر حال...... ہو سکتا ہے میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں۔“

”لیکن کہانی تو پاگل ہونے سے پہلے سنائی تھی۔“

”کیپٹن پلیز...... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ دیکھا جائے گا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔“

کار تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ دفعتاً حمید کو رفتار کم کر دینی پڑی۔

دور مخالف سمت میں کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی قریب سے گذر گئی۔ حمید نے دیکھا کہ عرفان گردن موڑ کر اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

”خدا کی قسم......!“ وہ اچھل پڑا۔ ”وہ میری وین تھی۔ موڑیئے...... اُدھر ہی موڑیئے۔“

”خاموش بھی رہو یار...... اگر تمہاری کہانی پر یقین آ گیا ہوتا تو میں اپنی رات برباد کرنے پر تیار نہ ہوتا۔“

”میں کہتا ہوں آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اس گاڑی کا تعاقب کیجئے۔“

”اندھیرے میں گاڑی کیسے پہچان لی۔“

”نمبر...... نمبر پلیٹ تو روشن تھی۔ ٹی اے فور سکس تھری فور...... میری گاڑی کا نمبر ہے۔ کیپٹن پلیز......!“

لیکن حمید پرواہ کئے بغیر ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھاتا رہا۔ گاڑی پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

”تم سب درندے ہو...... وحشی ہو...... مجھے پھانسی کے تختے تک لے جانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

عرفان چیخنے لگا۔

''لاش ملے بغیر تم پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچ سکتے۔ مطمئن رہو۔''

''میں کہتا ہوں...... وہ میری گاڑی تھی۔''

''رہی ہوگی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''میرے چیف نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہیں حوالات میں دے کر آرام سے سو جاؤں۔''

''سچ مچ درندے ہو......!''

''ہمیں ہمارے فرائض سب کچھ بنا دیتے ہیں۔''

''میں کہتا ہوں......!''

''کچھ دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ خاموش رہنا چاہتے ہو۔''

عرفان سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

حمید نے دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔ اُس نے سوچا کچھ دیر کے لئے رکنا چاہئے۔

ایک جگہ رفتار کم کر کے گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

''مسٹر عرفان حالانکہ قانوناً درست نہیں...... لیکن اگر تم سگریٹ وغیرہ پینا چاہو تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''شکریہ...... میں سگریٹ نہیں پیتا۔'' عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے دیر سے پائپ نہیں پیا۔''

''کیپٹن...... تم نے مجھ پر ایک بہت بڑا الزام لگایا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بے وجہ بھی مر سکتا ہوں۔ لیکن یہ الزام کہ وہ کسی پڑوسی کی بیوی تھی۔ خدا کی پناہ...... اگر اس قسم کی کوئی کہانی پریس میں آئی تو مجھے خود کشی ہی کرنی پڑے گی۔''

''ارے تم کیسے آرٹسٹ ہو...... میں نے کئی آرٹسٹوں کو کہتے سنا ہے کہ اس قسم کے اسکینڈل ان کے فن کو زندگی بخشتے ہیں۔''

''وہ بہروپئے ہیں آرٹسٹ نہیں۔ کوئی بھی فن معصومیت اور پاکیزگی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔''

''کیا تم نے کبھی کسی کو نہیں چاہا۔''

''چاہا ہے...... لیکن جسے چاہا ہے اُسے کبھی اس کا علم نہ ہو سکا۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''اگر میں اس چاہت کو لذت اظہار کی نذر کر دیتا تو وہ میرے فن کی رگوں میں دوڑتا ہوا گرم لہو نہ بن سکتی۔''

''واہ یار تم تو الفاظ میں بھی مصوری کر سکتے ہو۔''

''کیپٹن...... خدا کے لئے اس قسم کا کوئی اسکینڈل نہ بننے دینا۔''

''ہوں......!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اگر کسی کو چاہا بھی ہے تو محض اپنے فن کی خاطر۔ لہٰذا تم نے اپنے فن کے علاوہ اور کسی کو نہیں چاہا۔''

''مختلف چاہتیں فن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنتی رہی ہیں۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کسی بھی درخت کو بڑھنے کے لئے کئی برساتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بہت اچھا خیال ہے عرفان صاحب...... وہ جو آج کسی دوسرے کی بیوی بنی بیٹھی ہے اس کا لہو بھی تمہارے فن میں شامل ہے۔''

''بیوی...... بیوی...... بیوی......!'' وہ جھلا کر بولا۔ ''آخر یہ بیوی کیوں سوار ہوگئی ہے تم پر۔''

''ختم کرو...... چلو تسلیم کہ تمہارے فن میں کسی بکری کا لہو بھی شامل ہے۔''

''میں اب قطعی نہیں بولوں گا۔'' عرفان جھلا کر بولا۔

''ٹھیک ہے...... میں تمباکو نوشی بھی ختم کر چکا ہوں۔ اب ہم خاموشی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔''

انجن جاگا اور گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد عرفان بڑبڑایا۔ ''میں کیسے یقین کرلوں کہ یہ ایک ڈراؤنا خواب نہیں ہے۔''

''تم شائد اونگھ رہے ہو۔ سو جاؤ۔'' حمید نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔



کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اچانک اس طرح گھٹا اٹھے گی اور موسلا دھار بارش شروع ہوجائے گی۔فریدی کو باہر کی فضا کا اندازہ نہیں تھا۔وہ تو انہیں دونوں کمروں تک محدود ہوکر رہ گیا تھا۔

کیروسین لیمپ کی ناکافی روشنی میں خواب گاہ کی ایک ایک انچ زمین کا جائزہ لینے کے بعد وہ سگار سلگا کر آرام کرسی میں نیم دراز ہوجانے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ بارش کے شور سے فضا گونجنے لگی تھی۔

یکلخت بڑی بڑی بوندیں آئی تھیں اور پھر اُن کا زور بڑھتا ہی گیا تھا۔

اس نے سگار سلگا کر روشنی کم کردی اور آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

عرفان کی کہانی کے بارے میں وہ اب تک کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرسکا تھا۔سب سے پہلے تو وہ یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر اس ویرانے میں آرام کرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ شہر کے آس پاس بہتیری ایسی جگہیں تھیں جہاں وہ ذہنی سکون حاصل کرسکتا۔

وہ آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا۔سگار کے جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھارہی تھی۔

دفعتاً وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ حالانکہ فضا بالکل بارش کے شور سے گونج رہی تھی۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔سامنے چھوٹی میز پر کیروسین لیمپ دھیمی لو سے روشن تھا۔

دفعتاً فریدی کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی نادیدہ دشمن کے اچانک حملے کا منتظر ہو۔

بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔اسے یاد آیا کہ اس نے صدر دروازے کی کنڈی

نہیں لگائی اور اب یہ احساس یقین کی شکل اختیار کرچکا تھا کہ اس وقت اس مکان میں اس کے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔

یہ خیال صحیح نکلا۔ٹھیک دروازے کے قریب اس نے کسی آدمی کی تحیر زدہ سی آواز سنی۔پھر کوئی کھکارا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔"یہاں کون ہے؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر کوئی دروازے سے گذر کر کمرے کے وسط تک چلا گیا۔یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر پھر دروازے کی طرف مڑا۔

فریدی کے ریوالور کی نال اس کے سینے کا نشانہ لے رہی تھی۔

"اوہ.....!" آنے والے کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

"مم.....میں.....مطلب یہ کہ.....!" اُس نے ہکلاتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیئے۔

"میں تمہیں وقت دے سکتا ہوں؟" فریدی بولا۔

"وقت کک.....کیسا وقت.....؟"

"اس طرح یہاں داخل ہونے کے جواز میں کچھ کہنے کے لئے؟"

اُس نے خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔"اُس امریکن ٹورسٹ نے کہا تھا کہ وہ مکان اس وقت خالی ہوگا.....لل.....لیکن مجھے لیمپ کی روشنی نظر آئی.....اور.....؟"

"یہ جواز تو نہ ہوا.....!"

"مم.....مطلب یہ کہ.....میں یہاں اس کا پرس تلاش کرنے آیا ہوں جس میں اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تھے۔"

"تو پھر کرو تلاش.....میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ.....!" وہ طویل سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

"کیا خیال ہے......؟" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ آنکھیں چرانے لگا۔ جوان آدمی تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال رہی ہوگی۔ صورت سے بُرا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"شاید میں کسی جال میں پھنس گیا ہوں......؟"

"اس کی وضاحت زیادہ مناسب ہوگی۔"

"کیا آج آپ نے کسی امریکن ٹورسٹ خاتون کو یہاں مدعو کیا تھا۔"

"کہے جاؤ...... جہاں غلطی کرو گے میں ٹوک دوں گا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا کیا چکر ہے...... آج چار بجے شام کو...... ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہا تھا۔ وہ آئی اور میری ہی میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ میں تمہارے دیس میں اجنبی ہوں۔ تارجام سے آئی ہوں۔ اب یہاں سے سیدھی اپنے وطن واپس جاؤں گی۔ میں نے کہا آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ پھر میں نے اس سے استدعا کی کہ وہ میرے ساتھ چائے پیئے۔ اس نے کہا میں اس پر مجبور ہوں کیونکہ اپنا پرس کھو بیٹھی ہوں جس میں نہ صرف ایک بڑی رقم تھی بلکہ سفر سے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے۔ میں نے افسوس ظاہر کیا اور اُسے اپنے ساتھ قیام کرنے کی دعوت بھی دی۔ جو بلا عذر قبول کر لی گئی۔ میں سیداسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں۔ بہرحال میں اُسے اپنے فلیٹ لے گیا۔ وہ ایک اسٹیشن ویگن میں سفر کر رہی تھی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ اسٹیشن ویگن تارجام سے بہت سستی خریدی تھی اور وطن واپس جاتے وقت وہ اُسے مجھے تحفتاً دے جائے گی۔ خیر میں تو محض انسان ہمدردی کے تحت اُس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ میرے فلیٹ میں پہنچ کر اُس نے بتایا کہ اگر میں اُس کی مدد کروں تو شائد وہ اپنا پرس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ تارجام سے ایک آدمی کے ساتھ شہر جانے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ جو اُسے کچھ دیر کے لئے اس مکان میں لایا تھا اور دوپہر کا کھانا انہوں نے یہیں بیٹھ کر کھایا تھا اور پھر شہر کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ شہر میں وہ ایک جگہ اتر گیا تھا۔ وہ اس کا پتہ نہیں جانتی۔ نام بھی یاد نہیں رہا۔ مجھے

اس نے بتایا کہ مکان اس وقت مقفل ہوگا۔ میں نے کہا میں تالا توڑ سکوں گا۔ بہرحال اس کا خیال تھا کہ پرس یا تو اس مکان میں کہیں گر گیا یا مکان کی پشت والے جنگل میں جہاں وہ کچھ دیر کے لئے گئے تھے۔ خدارا بتایئے کیا آپ وہی آدمی ہیں۔ اس مکان کے مالک۔ یا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

سراغ

بارش تو شہر میں بھی ہوئی تھی۔ لیکن ایسی شدید نہیں جیسی کچھ دیر پیشتر فریدی جھیل چکا تھا۔

اس وقت وہ دونوں شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی نے وین کے نمبروں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ عرفان ہی کی ہو سکتی ہے۔ لیکن فی الحال اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ لاک اپ تک جا کر اس کی مزید تصدیق کر سکتا۔

فریدی کے ساتھ جو نوجوان سفر کر رہا تھا اس نے اپنا نام طارق بتایا تھا۔

سیداسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک دی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

"میرے ساتھ آیئے۔" طارق نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

فریدی نے اب تک اُسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

دونوں گاڑی سے اتر کر ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ طارق پر وحشت سی طاری تھی۔ چلتے وقت اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ ایک فلیٹ کے سامنے رک کر اس نے دروازے پر دستک دینی چاہی لیکن ہاتھ لگتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے والا کمرہ بالکل خالی تھا۔

"آپ کہاں ہیں محترمہ؟" طارق نے کمرے میں داخل ہو کر آواز دی۔ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر پکارا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرا

دروازہ کھولا۔ اسی طرح فلیٹ کے تینوں کمرے دیکھ ڈالے لیکن لڑکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"اب فرمایئے؟" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"کک...... کیا...... عرض کروں...... سمجھ میں نہیں آتا۔"

"فرض کیجئے آپ کو پرس مل بھی جاتا تو......!"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"بھلا قانون کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ آپ کی سمجھ میں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں۔"

"پھر بتایئے...... میں کیا کروں۔"

"چپ چاپ میرے ساتھ حوالات تک چلئے۔ کیونکہ آج اس مکان میں ایک قتل ہو چکا ہے اور وہ وین چوری کی ہے جو آپ کو بخشی جانے والی تھی۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کر رہے ہیں۔"

"اگر وہ کوئی امریکن ٹورسٹ ہوتی تو آپ سے بھیک مانگنے کی بجائے سیدھی اپنے سفارت خانے کا رخ کرتی۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا تھا کہ اُسے اپنا پرس مل جانے کی توقع ہے اسی لئے ابھی سفارت خانے سے رجوع نہیں کرنا چاہتی۔"

"بہر حال یہ وین جس پر تم سفر کرتے رہے ہو ایک جگہ سے چرائی گئی تھی۔"

"آپ کون ہیں۔ کیا آپ اس مکان کے مالک نہیں ہیں؟"

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کرنل اے کے فریدی۔" اس نے بہ آواز بلند اُسے پڑھا اور ہکا بکا رہ گیا۔

"یع...... یعنی......" اس نے تھوک نگل کر کہا۔ "میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

"یقیناً......!"

کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر سکوت طاری رہا پھر فریدی نے کہا۔ "تم گردن تک دلدل میں پھنس گئے ہو۔"

"خدا کیلئے مجھے بتایئے جناب ورنہ میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ سول سروس کا امتحان دیا تھا۔ بڑی اچھی پوزیشن میں پاس ہوا ہوں۔ اب وائیوا رہ گیا ہے۔ کرنل صاحب...... مجھے بچایئے۔"

وہ بُری طرح گڑگڑا رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا۔ لیکن تم مجھے مطلع کئے بغیر شہر نہیں چھوڑو گے۔ سمجھے۔"

"ہرگز نہیں...... یقین کیجئے جناب۔"

"اگر وہ شہر میں کہیں بھی نظر آ جائے مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ کارڈ پر وہ نمبر درج ہیں جن پر میں مل سکوں گا۔ محض تمہارا کیریئر خراب ہو جانے کے خیال سے تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ ورنہ اس کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ ایک مسروقہ کار تمہارے قبضے میں رہی ہے۔"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گا جناب۔ آپ پولیس والوں سے مختلف ہیں۔"

"گاڑی میں لے جا رہا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔"

پھر وہ فریدی کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آیا تھا۔ فلیٹ سے باہر آنے سے قبل فریدی نے ایک بار پھر فلیٹ کے گوشے گوشے کا جائزہ لیا تھا۔

"ہائیں...... گگ...... گاڑی...... گاڑی کہاں گئی۔" وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہیں تو کھڑی کی تھی۔"

دور دور تک کسی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔

"تم فلیٹ میں واپس جاؤ۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"یقین کیجئے جناب۔"

"مجھے یقین ہے۔"

وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مڑا اور عمارت کی طرف چلا گیا۔

پھر تقریباً دس منٹ بعد فریدی کو ایک خالی ٹیکسی ملی تھی۔

گھر واپس آیا تھا تو دوسری حماقتیں پذیرائی کے لئے موجود تھیں۔

برآمدے میں ایک اتنی لمبی چوڑی عورت نظر آئی کہ وہ ہکا بکا رہ گیا اور اس عورت کی "ہی ہی ہی" تو کسی طرح رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید ایک اسٹول پر کسی بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے جھلاہٹ میں حمید کو مخاطب کیا۔ لیکن اُس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ دیدے تک پتھرائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے۔

دفعتاً فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور اسٹول سے اٹھا دیا۔

"انہیں معاف کردیجئے۔" گرانڈیل عورت بولی۔ "میں نے کہا تھا ان سے۔ الاقسم یہ نہیں بنا رہے تھے عورت۔"

"تم یہاں آئے کیوں تھے؟" فریدی اس پر الٹ پڑا۔

"میں اپنی جندگی سے تنگ آ گیا ہوں!" عورت بولی۔

"آ گئی ہوں بے......!" حمید نے تصحیح کی۔

"ہوں......تو زندگی سے تنگ آ کر ساڑھی باندھ لی ہے۔"

"جی غاں......!"

"بچے بھی پیدا کرے گا۔" حمید نے گرہ لگائی اور بے تعلقی سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"اے مجاخ نہ اڑاؤ میرا۔"

"قاسم کہیں تم پاگل نہ ہو جانا۔" فریدی بولا۔

"اللہ کرے میں تو مر ہی جاؤں۔"

"چھاتی پر دو ہتھڑ چلا کر۔" حمید نے کسی فلم ڈائریکٹر کی طرح ہانک لگائی اور قاسم نے سچ وہ جملہ اسی حرکت کے ساتھ دوبارہ ادا کیا۔

فریدی حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اے تو ان کا قیا بگڑتا ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"اب جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"قیا میں اس طرح گھر جاؤں گا۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"کیا حرج ہے......بیوی سے بھی اس میک اپ کی داد وصول کرلاؤ۔"

"سالی دیخ کر جل جائے گی۔"

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ جلے بھنے گی تو تم اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرو گے۔"

"اور اگر اُس نے ابا جان کو فون قر دیا تو......؟"

"تم ٹھکو پٹو گے اور وہ اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرے گی۔"

"اے جاؤ......سالے وہی ڈوب جانے والا مشورہ دو گے۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے قاسم......!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"میں بھی یہیں آرام پھرماؤں گی۔" قاسم نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہارے سائز کا کوئی بستر موجود نہیں ہے۔"

"دو بستر مال کر قام چل جائے گا۔"

پھر حمید اُسے وہیں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ کی طرف جھپٹا تھا۔ قاسم نے اُس کا تعاقب ضرور کیا لیکن وہ اُسے کافی پیچھے چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

کچھ دیر تک قاسم دروازہ پیٹتا رہا پھر سناٹا چھا گیا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "یہ کیا لغویت پھیلائی ہے تم نے۔"

"خدا کی قسم میں آج میں نے نہیں بلایا۔ خود ہی آیا تھا۔ کہنے لگا میں نے شلوار میں الاسٹک ڈالنا بھی سیکھ لیا ہے۔ اب ٹپ ٹاپ ٹیلرز کے یہاں نوکری دلوادو۔ میں نے کہا وہاں صرف عورتیں کام کرتی ہیں۔ کہنے لگا تمہارے لئے کیا مشکل ہے۔ بنا دو مجھے عورت۔ ٹھیک اسی وقت ایک نیا خیال آیا۔ آپ بھی سنئے۔ ممکن ہے آپ بھی اس سے متفق ہوں۔ دوکان کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا پڑے گا۔ اس کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ قاسم کو ماڈل بنایا جائے۔"

ایسی لحیم شحیم عورت آج تک نہ دیکھی گئی ہوگی۔ غرارہ سوٹ پہنا کر عین دروازے پر کھڑا کردوں گا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بورڈ ہوگا۔ جس پر تحریر ہوگا۔ میرے ملبوسات کی فٹنگ آسان نہیں۔ لیکن یہ دیکھئے۔''

دوسری طرف سے فریدی کی زہریلی سی ہنسی سنائی دی اور اس نے کہا۔ ''تو تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں پیشہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے ممکن ہے۔'' حمید نے رضیہ کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''اتنی زبردست فاقہ کشی کے بعد لمبے دسترخوان ہی کی سوجھے گی۔''

''بکومت...... سنجیدگی سے سنو...... وہ لڑکی جس کا تذکرہ تم نے کیا تھا بہت ذہین معلوم ہوتی ہے لہٰذا تمہیں ایک مرد کٹر کا بھی انتظام کرنا ہے۔ لیکن وہ قاسم نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کل کوئی مرد کٹر بھی ملازمت کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچے۔ اس بار مت چوکنا۔ پہلے ہی تمہیں ایک مرد کٹر ضرور رکھنا چاہئے تھا۔ خیر......! البتہ قاسم کے ماڈل بنائے جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس پر تمہاری شخصیت ہرگز نہ ظاہر ہونی چاہئے۔''

''میں سمجھتا ہوں...... لیکن کیا آپ اس ذہین لڑکی کو مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا آج اُسے چھٹی دے دوں گا۔''

''ایسا ہرگز مت کرنا کیونکہ اس پیشے میں تم قطعی نئے ہو۔''

''آپ کی اطلاع کے لئے...... وہ لڑکی بھی ماہر نفسیات ہے۔''

''تب تو ہر قسم کی بخیہ گری کرے گی۔ بہر حال اُسے رہنا ہے۔ قاسم سارے گھر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اس کے لئے کوئی انتظام کرو۔''

''میں تو سونے جارہا ہوں۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا اور حمید نے لمبی تانی۔

دوسری صبح وہ قاسم کو سوتا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔ لیکن اس کے نام ایک پرچہ چھوڑ جانے میں غفلت نہیں کی تھی۔ اُس نے اُسے ہدایت دی تھی کہ وہ زنانہ لباس میں ٹھیک دس بجے ٹپ

ٹاپ ٹیلرز کی دوکان پر پہنچ جائے۔ ساتھ ہی فریدی سے کہتا گیا تھا کہ میک اپ وہی کردے تو بہتر ہے اور پلاسٹک میک اپ ہی اس کے خاردار گالوں کی اصلیت چھپا سکے گا۔''

گھر سے جلد بھاگنے کے باوجود بھی دوکان پر کسی قدر دیر سے پہنچا۔ لڑکیاں دوکان کے سامنے منتظر تھیں۔ رضیہ چہک کر بولی۔ ''بہت دیر سے تشریف لائے ہیں آپ۔ دوکان کی کنجی میرے پاس بھی ہونی چاہئے۔''

''صرف دس منٹ دیر سے آیا ہوں۔''

''دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔''

''پیشہ آبا سپہ گری رہا ہے۔ سمجھیں...... کسی پشت میں کوئی خیاط نہیں ہوا۔ یہ تو مقدر کی بات ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ٹیلرنگ شاپ کی منیجری حصے میں آئی ہے۔''

''ایک نفسیاتی کمزوری...... آپ اس پیشے کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ احساس برتری کا شکار یہ مرض آدمی کو پاگل پن تک لے جاسکتا ہے۔''

''دوکان کھولنے دو گی یا......!'' حمید جھلاہٹ میں اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

''چچ چچ...... یہ غصہ آپ کو لے ڈوبے گا......!''

''اب خاموش رہو۔''

حمید نے دوکان کھولی۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئیں۔ لیکن رضیہ حمید کے پاس آبیٹھی۔

''کیوں......؟'' حمید نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''کام ہوگا تو مشین پر جا بیٹھوں گی۔''

''اور کام نہ ہونے پر اس کی اورر ہالنگ کروگی۔'' حمید نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''یہ بھی ضروری ہے...... ورنہ آپ پورے کاروبار کو غرق کردیں گے۔''

''باس کو مجھ پر اطمینان ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

"لیفٹیننٹ کرنل صاحب یہ میدان جنگ نہیں ہے۔ درزی کی دوکان ہے، مشینیں کاشن پر نہیں کرتیں انہیں چلانا پڑتا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تم زبان کے علاوہ اور کچھ نہیں چلا سکتیں۔"

"کبھی کبھی ہاتھ بھی چلتے ہیں۔"

"بدتمیزی برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"لیکن قیافہ کہتا ہے کہ آپ عورتوں کے سلسلے میں سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔"

"صرف عورتوں کے سلسلے میں۔ نفسیات کی کتابوں کی الماری میری دانست میں سوختنی ہے۔"

"اتنی گاڑھی اردو نہ بولئے۔ میں نے نفسیات انگریزی میں پڑھی تھی۔"

"جہنم میں گئی نفسیات......!" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تم ہٹو یہاں سے۔"

ہاتھ اتنے زور سے مارا تھا میز پر کہ وہ بے ساختہ اچھل پڑی تھی۔ پھر تشویش کن انداز میں اپنی نبض دیکھ کر بولی تھی۔ "دوران خون تیز ہوگیا۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے اعصابی نظام......!"

حمید اتنی دیر میں دوکان چھوڑ کر فٹ پاتھ پر اُتر آیا تھا۔



فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے اس سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"آپ کون ہیں......؟" فریدی نے پوچھا۔

"طارق......کرنل صاحب سے بس اتنا کہہ دیجئے۔"

"طارق......اُوہ......یہ میں ہی ہوں۔"

"کرنل صاحب......ابھی وہ پھر آئی تھی۔ لیکن گاڑی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ یہ وہی وین تھی جس میں ہم نے پچھلی رات سفر کیا تھا۔ نمبر پلیٹ بھی بدل دی گئی ہے۔ نمبر نوٹ فرمایئے۔ کے اے ایف ایک تین چار چھ۔"

"ایک سیکنڈ ٹھہرو......!" فریدی نے کہہ کر پنسل اٹھائی اور سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر نمبر تحریر کئے اور پھر بولا۔ "گاڑی کا رنگ کیسا ہے۔"

"چھت سرمئی اور بقیہ حصہ گہرا سیاہ۔"

"اس وقت کیوں آئی تھی اور گاڑی اس طرح غائب ہوجانے کا کیا جواز پیش کیا تھا۔"

"اس کا ایک ہم وطن یاد آ گیا تھا جو شہر ہی میں مقیم ہے۔ اس کی تلاش میں چلی گئی تھی۔ وہ مل گیا۔ اُس کے ڈرائیور کو میرا پتہ بتا کر بھیجا......گاڑی کے نمبر بھی بتائے تھے۔ وہ بے وقوف مجھ سے ملے بغیر باہر ہی سے گاڑی لے کر چلا گیا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں جناب......!"

"پھر وہ اس وقت کس لئے آئی تھی۔"

"یہی معلوم کرنے کے لئے کہ پرس ملا یا نہیں۔ قفل توڑنے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے کہا پرس تو نہیں ملا۔ قفل بھی آسانی سے ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن خود میرا ایک کام نکل گیا۔ اگر میں اتفاقاً اس سڑک سے نہ گزرتا تو میرے ایک عزیز کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ انہیں اطراف میں شکار کھیلنے گئے تھے۔ انکی جیپ خراب ہوگئی تھی۔ جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ مستزاد یہ کہ بارش بھی ہونے لگی تھی۔ بہرحال میری وجہ سے شہر تک پہنچ سکے۔"

"تم بہت ذہین معلوم ہوتے ہو طارق......تم نے بہت اچھا کیا۔ لیکن تمہیں اس کا خیال کیسے آیا تھا۔"

"اس طرح اچانک گاڑی کے غائب ہوجانے کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ وہ فلیٹ سے چلے جانے کے بعد بھی آس پاس ہی منڈلاتی رہی تھی۔ لہٰذا اُس نے آپ کو میرے ساتھ ضرور دیکھا ہوگا۔"

"بہت اچھے۔"

"سول سروس کے امتحان کے لئے ذہن کو مخصوص قسم کی تربیت دینی پڑتی ہے۔ امیدواروں میں کم از کم اتنی سوجھ بوجھ تو ہونی ہی چاہئے۔"

"یقیناً...... یقیناً...... اچھا تو پھر تمہارے اس جواب پر اس نے کیا کہا۔"

"کچھ نہیں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولی تھی کہ اب اُسے سفارت خا
سے دوبارہ مغز پچی کرنی پڑے گی۔ میں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ مسکرا کر شکریہ ا
تھا۔ میں نے پوچھا تھا کیا وہ پھر ملے گی جواب میں اس نے کہا تھا بشرط فرصت اور چلی گئی
بس مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے جناب...... کہ میں نے اس کا موجودہ پتہ نہ پوچھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ بہر حال تم نے بروقت مجھے اطلاع دی اس کا شکریہ۔ میرے
اچھے معاون ثابت ہوئے ہو۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کسی کے نمبر ڈائیل کئے
طارق کے بتائے ہوئے گاڑی کے نمبر دہراتے ہوئے کہا "وین کی چھت سرمئی ہے اور
حصہ سیاہ۔ خاص طور پر نظر رکھی جائے۔ ریڈیو کارز کو اطلاع دے دو۔"

سلسلہ منقطع کر کے اس نے سگار سلگایا اور سامنے رکھے ہوئے فائیل کی ورق گر
کرنے لگا۔

اس کی دانست میں اس عورت نے طارق پر نہ صرف پچھلی رات والے واقعات کا ر
معلوم کرنا چاہا تھا بلکہ اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد عرفان پ
گذری۔ کیا وہ پولیس تک خود ہی جا پہنچا ہوگا۔

ویسے عرفان کی کہانی تو آج کے اخبارات کا خاص موضوع تھی اور کھلے ہوئے الفاظ
اس کے حراست میں لئے جانے کی تشہیر کی گئی تھی۔

لیکن ساتھ ہی محکمہ سراغ رسانی کے ذمہ دار آفیسروں کا یہ نظریہ بھی بیان کیا گیا تھا
کس قسم کی پیش بندی بھی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں سرے سے کسی لاش کا وجود ہی
ہو۔ ایسی کوئی عورت عرفان سے نہ ٹکرائی۔ فریدی کو اس خبر کی ترتیب پسند آئی تھی۔ اس نے
کی محنت کی داد دینے کے لئے فون پر دوکان کے نمبر ڈائیل کئے۔

"کہو دوکانداری کیسی ہو رہی ہے۔"

"لاجواب......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب کسر اس بات کی رہ گئی ہے کہ میں
بھی ساری لپیٹ کر اس تکا فضیحتی میں شامل ہو جاؤں۔ ارے دماغ چاٹ کر رکھ دیا ہے اس ماہر
نفسیات نے میرا۔ پتہ نہیں یہ کس سنہ عیسوی کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔"

"حوصلہ بلند رکھو...... جیت تمہاری ہوگی۔"

"اگر میں باقی بچا تو۔"

"بہت دل برداشتہ معلوم ہوتے ہو۔"

"ایسا ویسا......؟"

"تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے۔ صاحب اس سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ
مجھے ایک بھینس خرید دیتے اور بین خود خرید لیتا۔"

"عرفان والی کہانی کی سیٹنگ کے سلسلے میں مبارکباد قبول کرو۔"

"پسند آئی۔"

"بہت زیادہ...... اچھا دیکھو تمہیں خصوصیت سے ایک لڑکی کو ذہن میں رکھنا ہے۔
صورت سے غیر ملکی معلوم ہوتی ہے۔ کسی سفید نسل سے متعلق۔ امریکی لہجے میں انگریزی بولتی
ہے اور اردو پر بھی کسی اہل زبان ہی کی طرح قادر ہے۔ بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ تھوڑی
پر بائیں جانب ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل ہے۔ بالوں کی رنگت تبدیل کی جاسکتی ہے اور سرخ
رنگ والا تل بھی سیاہی اختیار کر سکتا ہے۔"

"پھر......!"

"ایک اصول بناؤ...... غیر ملکی عورتوں کے ملبوسات کی پیمائش تم خود ہی کرو گے۔"

"اب آپ میری قبر کی ناپ بھی ملاحظہ فرمائیے...... لمبائی چھ فٹ اور چوڑائی ڈھائی
فٹ......!"

"بکومت سنجیدگی سے سنو...... قریب سے تم اندازہ کر سکو گے کہ تل کی رنگت تبدیل کی گئی ہے۔"

"ارے تو یہی دوکان کس حکیم نے لکھ دی ہے نسخے میں...... ارے خدا غارت کرے تمہیں نفسیات کی بچی۔"

"کیا بک رہے ہو......؟"

"معاف کیجئے گا آپ سے مخاطب نہیں تھا۔ کل تک اکیلے وہی دماغ چاٹتی تھی۔ اب سب مل کر چاٹ رہی ہیں...... اور ہاں سنئے وہ ماڈل پہنچ گیا ہے۔ فٹ پاتھ پر کئی بار بھیڑ لگ چکی ہے...... چالان کا ڈر ہے۔"

"بہت زیادہ مضحکہ خیز بننے کی کوشش مت کرنا...... سمجھے؟"

"مطمئن رہیے...... ہاں تو...... وہ امریکن......!"

"میرا خیال ہے کہ اب اُسے مقامی ملبوسات ہی میں دیکھا جاسکے گا۔ خیر بہرحال آنکھیں کھلی رکھنا۔"

سلسلہ منقطع کر کے وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو......!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"فریدی اسپیکنگ......!"

"اس وقت وہ گاڑی مغرب کی سمت عابد روڈ پر جارہی ہے۔ نمبر وہی ہیں جو ہمیں تھے لیکن باڈی پورا کا پورا سرمئی ہے۔"

"کون ڈرائیو کررہا ہے؟"

"کوئی عورت......!"

"غیر ملکی ہے۔"

"نہیں جناب...... مقامی ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"کس بناء پر مقامی معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ معلوم کرنا پڑے گا۔ ہم نے ایک ریڈیو کار سے رابطہ قائم کررکھا ہے۔"

"میں ہولڈ ان کئے ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

"ہیلو......!"

"ہاں...... کہو......!" فریدی بولا۔

"وہ ساری میں ملبوس ہے۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔ چہرے کی رنگت سفید...... بالوں کا رنگ سیاہ۔"

"اب وہ کدھر جارہی ہے۔"

"عابد روڈ سے تھرٹین اسٹریٹ میں مڑی ہے۔"

"اچھا...... اس ریڈیو کار کو اطلاع دو کہ میں تین منٹ بعد اس سے براہِ راست رابطہ قائم کرلوں گا۔ سوئچ آن رکھے۔"

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ اٹھا اور کمرے سے نکل کر پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔ ایک ریڈیو کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بڑی تیزی سے انجن اسٹارٹ کیا اور ریڈیو کا سوئچ آن کر کے مائیک میں کہا۔

"ہیلو...... ہیلو...... فریدی اسپیکنگ......!"

"یس سر......!"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پریذنٹ پوزیشن......!"

"وہ ے پول ہوٹل میں داخل ہوئی ہے جناب......!"

"سوئچ آن رکھو......!"

"او کے سر......!"

فریدی نے کار بیک کر کے پارکنگ شیڈ سے نکالی اور اُسے پھاٹک سے گزارتا ہوا سڑک پر آ گیا۔

ریڈیو کا سوئچ کھلا ہوا تھا۔

کار کا حادثہ

ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر اتنا کام آ گیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کی دا
میں وقت پر اُن کا پورا ہونا محال ہی تھا۔ رضیہ چہکتی رہتی۔ اس کی بوکھلاہٹوں کا مضحکہ اڑاتی
وہ تاؤ کھاتا۔

قاسم بھی بدستور موجود تھا۔ دوکان کی پبلسٹی کا باعث وہی تو تھا۔ ایک سرخ و سپید لحیم
عورت جو عورتوں کو اس طرح ندیدے پن سے گھورتی کہ وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگ
اور اس کے دانت نکل پڑتے۔

دروازے کے قریب کھڑا ہوتا۔ جسم پر کبھی ساری ہوتی اور کبھی غرارہ سوٹ۔ پبلسٹی کا
اٹھائے کبھی کبھی بسورتا بھی دکھائی دیتا۔ ہاتھ دکھ جاتے لیکن حمید کا حکم تھا کہ ایک گھنٹے کے
ہی سے وہ اپنے ہاتھوں کی پوزیشن بدل سکے گا۔

آج صبح ہی صبح دونوں میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ حمید نے کہا تھا کہ وہ اُس کا
کردے گا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

''یہ قیسے ممکن ہے...... میں تو نہیں...... جاؤں غا...... ار ر...... غی......!''

''بورڈ اُدھر رکھ دو۔'' حمید نے ڈانٹ کر کہا تھا۔

''ابھی تو قچھ ہوا ہی نہیں بورڈ کیسے رکھ دوں۔''

''کیا نہیں ہوا......!''

''مطلب یہ کہ دھندا ابھی چلا کہاں ہے؟''

''بس اتنی ہی پبلسٹی کافی ہے۔''

''قون قہتا ہے......!'' قاسم نے اس طرح کہا تھا جیسے اس سلسلے میں وہ خود بھی کوئی
رکھتا ہو۔

''ارے دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔''

''ختم کیجئے۔'' رضیہ بیچ بچاؤ کی غرض سے بولی تھی۔ ''کچھ دن اور سہی آخر آپ اتنا گھبراتے کیوں ہیں...... نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''نفسیاتی نقطہ نظر کی ایسی کی تیسی۔ تم کیوں دخل اندازی کر رہی ہو۔''

''میں یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ یہ ماڈل کچھ دنوں اور کام کرے اس کے بعد میں خود اس کے لئے کوئی دوسرا کام تلاش کروں گی۔ مجھے ہمدردی ہے اس بیچاری سے......!''

''ہے نا......!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

رضیہ پھر فراکوں کے گلے بنانے لگی تھی۔ وہ صرف گلے ہی بناتی تھی۔ خود کو اس کی اسپیشلسٹ کہتی تھی۔

اس وقت وہ بیکار بیٹھی۔ پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور ہونٹ کسی قدر سکڑے نظر آ رہے تھے۔ دوسری لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں۔ کٹر سامنے پڑے ہوئے کپڑے پر نشانات لگا رہا تھا اور حمید دانتوں میں پائپ دبائے پرتفکر انداز میں قاسم کا جائزہ لے رہا تھا جس نے ابھی ابھی پوزیشن تبدیل کی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم اسے پہچان لے تو اس کا رویہ کیا ہوگا۔

ویسے قاسم کی وجہ سے ایک الجھن بڑھ گئی تھی۔ وہ تھی اس کی ذہنی رو...... جس کے تحت وہ خود کو کبھی مذکر بولتا تھا اور کبھی مؤنث! حمید کا خیال تھا کہ رضیہ اس کے بارے میں مطمئن نہیں۔ پھر زنانہ اور مردانہ آوازوں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ قاسم بھلا اپنی آواز پر قابو کیسے پاسکتا جب کہ ذہن ہی قابو میں نہیں تھا۔

بہرحال حمید کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب قاسم کو چلتا کرے۔ دوکان کی خاصی پبلسٹی ہو چکی تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دوکان کے قیام کا مقصد سچ مچ تجارت ہی ہوگا۔ کسی خاص اسکیم کے تحت ہی ایسا ہوا تھا۔

فریدی کی پرانی عادت تھی کہ تفتیش کے دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر اپنے بعض افعال کی وضاحت نہیں کرتا تھا۔

حمید خیالات کی رو میں بہتا رہا۔

''اے مجھے اس طرح کیا گھور رہی ہو......؟'' اس نے رضیہ کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ قاسم کے دانت نکل پڑے تھے اور وہ اب بھی رضیہ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''اُدھر کیوں دیکھ رہی ہو۔'' حمید نے قاسم کو للکارا۔

''آخیں پھوڑ دو......!'' قاسم جل کر بولا۔ ''قیوں نہ دیکھوں......!''

''پتھر ماروں گی سر پھٹ جائے گا۔'' رضیہ چنچنائی۔

''نفسیاتی پتھر......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''ہاں...... ہاں......نفسیاتی......!'' رضیہ بھنا کر بولی۔ ''اس حرام زادی کی جنس ہل جائے گی۔ دیکھئے گا......!''

''قیا......قیہا......حرام زادی......!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ پھر ہنس پڑا اور بولا۔ ''جو حرامزادی ہو وہ بُرا مانے......!''

''خاموش رہو...... خاموش رہو......!'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''یہ درزی خانہ ہے بھٹیار خانہ نہیں۔''

قاسم ہنستا رہا۔

رضیہ حمید سے بولی۔ ''اب یہاں یا میں رہوں گی یا یہ......!''

''اے واہ بی بی۔'' قاسم نے ناک پر انگلی رکھ کر لچکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی میری تر پھداری کر رہی تھیں اور اب آپے سے باہر ہو گئیں۔ اللہ تیری کدرت۔''

''یہ میرا فیصلہ ہے جناب......!'' رضیہ نے حمید سے کہا۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے......!'' حمید نے کہا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں اور آپ بھی سنجیدگی سے سنئے۔''

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک گاہک دوکان میں داخل ہوئی۔ ادھیڑ عمر کی پر وقار عورت تھی۔ لمبی سی قریبی ماڈل کی ایک گاڑی سے اُتری تھی۔

''میرے کپڑے......!'' اس نے حمید سے کہا۔

''جی ہاں......تیار ہیں......!'' حمید کی بجائے رضیہ نے جواب دیا اور اٹھ کر شوکیس سے ایک جوڑا نکالا۔

عورت کچھ دیر تک جوڑے کا جائزہ لیتی رہی پھر کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''موریاں بنائی ہیں شلوار کی یا مونگ کے پاپڑ بیلے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی محترمہ......!''

''بکرم ہے اس میں......؟'' عورت غرائی۔

''جی ہاں......؟'' رضیہ نے کہا۔

''یہ سراسر بکواس ہے......!'' عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

''وہ کیا جانیں۔'' رضیہ بولی۔ ''موریاں میں نے بنائی تھیں۔''

''تب تو بہتر یہی ہوگا کہ تم نہ بنایا کرو۔''

''کیا میں اُدھیڑ کر دکھاؤں بکرم آپ کو۔'' رضیہ نے بھی کسی قدر تیز ہو کر کہا۔

''نہیں نہیں تم خاموش رہو۔ ممکن ہے یہ خاتون درست کہہ رہی ہوں۔'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''آپ کل لے لیجئے گا محترمہ۔ میں دوسرا بکرم رکھوا دوں گا۔ وہ کیا کہتے ہیں گھوڑے کی دُم کے بالوں والا۔''

''اور ستیاناس کرو گے۔''

''اچھا پھر جیسے آپ فرمائیں۔''

''میں کہتی ہوں اس میں بکرم نہیں ہے۔ یہ لڑکی جھوٹ بولتی ہے۔''

''بہت ہو چکا۔'' رضیہ تیور بدل کر بولی۔ ''بہتر ہے آئندہ آپ کسی اور سے سلوائیں۔''

''ارے ارے...... دماغ تو نہیں چل گیا۔'' حمید بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''معاف فرمائیے گا...... بات دراصل یہ ہے کہ یہ لڑکی نفسیات کا شکار ہے۔ میں ان موریوں کو دوبارہ بنواؤں گا۔''

''میں تو ہرگز نہیں بناؤں گی۔''

''تم پھر بولیں۔'' حمید کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"تم ایسے بدتمیز لوگوں کو رکھتے ہی کیوں ہو۔" عورت نے رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"اے......!" دفعتاً قاسم کی للکار سنائی دی۔ "بدتمیج وتمیج نہ کہنا اچھا......نہیں تو......!"

"تم سب بے ہودہ ہو۔" عورت نے پیر پٹخ کر کہا۔ "اُسے ٹھیک کرو۔ اچھا میں کل اپنے ملازم کو بھیجوں گی......تیار ملے۔"

"جی بہت اچھا محترمہ......!" حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

عورت رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

حمید اس وقت قطعی بھول گیا تھا وہ حقیقتاً کون ہے۔ رضیہ پر اس شدت سے غصہ آیا تھا! اُس میں اور ایک درزی خانے کے بھڑکے ہوئے منتظم میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔

"میں اب تمہیں نہیں برداشت کر سکتا۔" وہ غصہ سے ہانپتا ہوا بولا۔

"ہم دونوں تو رکھنا پڑے گا......!" قاسم باہر سے غرایا۔

"تم چپ رہو۔"

"اے......جبان سنبھال کے......ورنہ اٹھاؤں گا کرسی سے اور توڑ مروڑ کر سڑک پر پھینک دوں گا......غی......غی......غی......!"

"آپ لوگ جھگڑا نہ کریں۔" ایک لڑکی بڑے نرم لہجے میں بولی۔ "بکرم کا کام اب کیا کروں گی۔ میرے کام سے آج تک کسی کو بھی شکایت نہیں ہوئی۔"

اس لڑکی کا نام فرزانہ تھا۔ بہت ہی کم سخن تھی۔ حمید نے تو ابھی تک اُسے قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا تھا۔ بہت زیادہ ہنسی کی بات ہوتی تو بس ہونٹوں میں خفیف سا کھنچاؤ پیدا ہو جاتا جسے مسکراہٹ بھی سمجھا جا سکتا تھا اور دوسرے ہنسنے والوں کی بے عقلی پر ماتم بھی۔

"نہیں......اس گدھی کی بچی کی موریوں میں تو بکرم میں ہی رکھوں گی۔" رضیہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس کے بعد پھر جو چاہے انتظام ہو......پلاسٹک کا بکرم رکھوں گی تاکہ پریس کرتے وقت مزہ آجائے بیگم صاحبہ کو۔"

"کیا میں اُلو کا پٹھا ہوں۔" حمید جھلاہٹ میں سر سے پاؤں تک ہل کر رہ گیا۔

"میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی۔"

"میں بھی نہیں قہہ سکتی۔" قاسم نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیقن اگر مجھے یہاں سے نقالا گیا تو کہنا ہی پڑے گا۔"

"شٹ اپ......!"

رضیہ نے قاسم کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے۔ بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی اور وہ ہونٹ بھینچے ہوئے سڑک کی جانب مڑ گیا۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔

حمید کچھ دیر تک بے حس وحرکت بیٹھا رہا پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ دو تین کش لینے کے بعد اُسے خیال آیا کہ وہ درزی نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک ذمہ دار آفیسر ہے اور چونکہ یہ کسی قسم کا ڈرامہ ہی ہے اس لئے کبھی کبھی اس قسم کا نیچرل ٹچ اُسے ناگوار نہ گذرنا چاہئے۔

اس نے رضیہ کی طرف دیکھا جو مشین کے قریب سر جھکائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

پائپ کے مزید دو تین کش غصے کو بالکل ہی زائل کر دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "اگر تم نفسیاتی نکتہ نظر سے اپنے الفاظ واپس لے لو تو میں......!"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔" رضیہ نے سر اٹھا کر کہا۔

"لاقسم بالکل بہت بے وقوف ہو تم......!" قاسم بے ساختہ بول پڑا۔ "میں تو اپنے الپھاس واپس نہیں لوں گی۔"

حمید اُسے نظر انداز کر کے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ بکرم والا کام تم فرزانہ ہی کے سپرد کر دو۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"ہت تیری کی......!" قاسم نے پبلسٹی بورڈ پھینک کر اپنی رانوں پر دوہتھڑ چلایا اور چند لمحے رضیہ کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ "بہت بجدل ہو......الفاظ بھی واپس لئے اور اب کوئی

اعتراض بھی نہیں ہے۔"

"ارے تم اپنا کام کرو میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں بوا......!"

"اے جبان سنبھال کے...... بوا ہوگی تم......!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے......تم تو باؤ ہو۔" رضیہ ہنس پڑی۔

"یہ تم نے بورڈ کیوں گرا دیا۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"اپھسوس کے مارے......!" قاسم نے سڑا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"اٹھاؤ بورڈ......!"

قاسم نے جھک کر بورڈ اٹھایا۔لیکن بورڈ سمیت دوبارہ سیدھے ہوتے وقت توازن نہ رکھ سکا...... چلا آیا منہ کے بل نیچے۔

آس پاس کے لوگ دوڑ پڑے۔

لڑکیاں بے تحاشہ ہنس رہی تھیں اور قاسم چنگھاڑ رہا تھا۔ "کھبردار جو کسی نے ہاتھ لگا۔ دور ہٹو......دور ہٹو...... میں کھد اُٹھ جاؤں غی......غرے......غرے...... باپ ریغ......!"

بدقت تمام اٹھا اور بورڈ کو ایک کنارے رکھ کر دوکان کے اندر چلا آیا۔

"اب کسی کے منہ سے نہ پھوٹے گا کہ میں بھی جرا سا آرام کرلوں۔" وہ ہانپتا ہوا بولا ایک کرسی پر بیٹھ کر پہلے سے بھی زیادہ ہانپنے لگا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔حمید اٹھ کر اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

"ہیلو......!" ماؤتھ پیس میں پائپ کا دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔

"قاسم کو وہاں سے ہٹا دو۔" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"میرے بس سے باہر ہے۔لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں صبح سے کوشش ہوں کہ اب اس سے نجات مل جائے۔"

"میں ابھی بلوائے لیتا ہوں۔"

"شکریہ......بہت بہت شکریہ۔"

"اور کوئی خاص بات......؟"

"ابھی تک تو ایسی عورت نظر نہیں آئی جس کا تذکرہ کیا تھا آپ نے۔"

"اب اس کی فکر نہ کرو۔ اب وہ میری دسترس میں ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔



اور وہ عورت تو چھلاوہ تھا۔ ادھر آئی اور اُدھر گئی۔ ایک ہفتہ سے فریدی اس کی نگرانی کر رہا تھا لیکن ابھی تک کسی کو بھی موقع نہ مل سکا تھا کہ قریب سے اس کی ٹھوڑی کے تل کا جائزہ لیتا۔ ویسے سیاہ رنگ کا تل دور سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ بالوں میں لگا ہوا خضاب بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے بالوں کی اصل رنگت سیاہ نہ ہوگی۔

اب وہ اُس وین میں بھی نہیں دیکھی جاتی تھی جس کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ عرفان آرٹسٹ کی ہوسکتی ہے۔ آج کل اس کے پاس سرخ رنگ کی چھوٹی سی اسپورٹ کار تھی۔

اس وقت بھی وہ سرخ رنگ کی گاڑی تارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ وہ تارجام جائے گی۔

پچھلے دن اس کی نگرانی کرنے والوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ ایک آدمی سے ملنے کے لئے تارجام جائے گی۔ اطلاع دینے والے نے بہت قریب سے وہ گفتگو سنی تھی جس کے مطابق دونوں تارجام میں ملنے والے تھے۔

فریدی کو اس کی قیام گاہ کا علم بھی تھا۔ اس ایک ہفتے کے دوران میں اس لڑکی کے سلسلے میں بہت کچھ ہوا تھا۔ محکمہ سراغ رسانی کے ایک فوٹوگرافر نے اسپائی کیمرے سے اس کی تصویر لی تھی۔ یہ تصویر عرفان کو دکھائی گئی۔ عرفان نے بتایا کہ وہ اس واردات والی لڑکی سے کسی قدر مشابہت رکھتی ہے۔ بالوں کی رنگت اور تل کے بارے میں فریدی کو عرفان ہی نے بتایا تھا اور

طارق نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ لیکن اسپائی کیمرہ تصویر میں تل کو واضح نہ کر سکا۔ فریدی کا خیال تھا کہ کسی قدر مشابہت والی بات کیمرے کے غلط زاویئے کی بناء پر تھی۔ اگر زاویہ صحیح ہوتا تو عرفان اسے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

بہر حال اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کرنا کیا چاہتی ہے۔ فی الحال اس کے خلاف عرفان کی شکایت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں تھا۔ وہ لاش بھی تو برآمد نہیں ہو سکی تھی۔

فریدی اس وقت ایک ایسی ریڈیو کار میں سفر کر رہا تھا جو بظاہر ریڈیو کار نہیں معلوم ہوتی تھی۔ دوسری ریڈیو کار اس سے ایک میل پیچھے تھی جس میں امر سنگھ تھا۔ وہی اُسے ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔

اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پچھلے دو ماہ سے فریدی اپنی نگہداشت کے لئے کچھ ماتحتوں کو اپنے آس پاس ہی رکھتا رہا تھا۔ لیکن کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی۔ حمید کو تو شائد اس کا بھی علم نہیں تھا کہ فریدی نے اس قسم کا کوئی انتظام کیا ہے؟

لڑکی کے بارے میں فریدی نے محسوس کیا تھا کہ وہ سچ مچ خائف ہے ورنہ وہ اس نگرانی کو طول نہ دیتا۔

دفعتاً ایک تیز رفتار گاڑی قریب سے آگے نکل گئی۔ اس کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ آگے جانے والی اسپورٹ کار کو بھی پیچھے ہی چھوڑ جائے گی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اسپورٹ کار کے برابر پہنچی اور اسپورٹ کار بے تحاشہ سڑک کے کنارے اترتی چلی گئی۔ فریدی نے اسے الٹتے دیکھا۔ ساتھ ہی وہ مائیک میں چیخا۔ ''امر سنگھ...... ہیلو...... امر سنگھ...... اسپورٹ کار پر فائر ہوئے ہیں۔ وہ بائیں جانب کچے میں الٹ گئی ہے۔ اسے دیکھو۔ میں فائر کرنے والوں کا تعاقب کر رہا ہوں۔''

مائیک کو ہاتھ سے رکھتے ہوئے اس نے گیئر بدل کر ایکسلریٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ کار آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتی رہی۔

اور پھر وہ گاڑی نظر آ ہی گئی جس سے فائر ہوئے تھے۔ اب دونوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ

سے زیادہ ڈیڑھ سو گز رہا ہوگا۔ فریدی نے یہی رفتار قائم رکھی۔



ایک بڑی خوش لباس اور خوبصورت لڑکی قاسم سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ قاسم کافی نیچے جھک کر اپنا بایاں کان اس کے منہ کے قریب لایا تھا۔ سرگوشیوں کے دوران میں وہ کبھی الوؤں کی طرح دیدے نچانے لگتا اور کبھی بے ساختہ اس کے دانت نکل پڑتے اور کسی بات کے اعتراف میں سر تو مستقل طور پر ہلے جا رہا تھا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور کام کرنیوالی لڑکیاں بھی کچھ کم متحیر نہیں تھیں۔

دفعتاً قاسم سے سرگوشیاں کرنے والی لڑکی پیچھے ہٹی اور قاسم سیدھا ہوتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر تنفر آمیز کھنچاؤ صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ لڑکی اب فٹ پاتھ پر دکھائی دی۔

قاسم چند لمحے حمید کو اسی طرح گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور اُس کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''قردو حساب...... ٹھینگے سے......؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ کون تھی......؟'' حمید نے سنی ان سنی کر کے سوال کیا۔

''میری والدہ تھی...... تم سے مطلب۔ کردو میرا حساب...... میں جارغا رغی ہوں۔''

''کہاں جا رہی ہو۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''دوسری جگہ...... تمہارا بھی انتظام کر دوں گی۔ یہ سالے اس کابل نہیں ہیں کہ کوئی شریف عورت ان کے یہاں قام کرے۔''

''کیا بکتی ہو......؟'' حمید غرایا۔

''اب کھاؤ قسم کہ تم سارا دن ان گریبوں کو نہیں گھورتے رہتے۔''

''کیوں بکواس کر رہی ہو۔''

''جبان سنبھالو منیجر صاحب...... ورنہ چٹنی بنا کر رکھ دوں گا...... گی...... !''

''کر بھی دیجئے حساب......!'' فرزانہ بول پڑی جو بہت کم سخن تھی اور کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔

حمید نے سوچا خس کم جہاں پاک اور اس کا حساب کر کے جتنی رقم بنتی تھی حوالے کی۔

قاسم نے جاتے جاتے ساری لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''دیکھو...... اس آدمی سے ہوشیار رہنا...... ڈاڑھی بڑھا کر شکار کھیلتا ہے سالا......!''

''نکل جاؤ......!'' حمید پیر پٹخ کر دہاڑا۔

قاسم ہنستا ہوا سیڑھیوں سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔

''پتہ نہیں یہ کون تھی...... اور کیا کہہ گئی کہ یک بیک دماغ ہی الٹ گیا بیچاری کا......'' ایک لڑکی بولی۔

رضیہ حمید کی طرف دیکھ رہی تھی اور اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

''کیوں جناب...... کیا آپ اس کے خیال سے متفق نہیں۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''ہاں...... نفسیاتی نکتہ نظر سے۔'' حمید کا جواب تھا۔ لیکن خود اُسے سخت الجھن تھی کہ آخر یک بیک یہ ہوا کیسے۔ وہ لڑکی کون تھی...... اور اس سے کیا کہتی رہی تھی۔

''سخت بدتمیز عورت تھی۔'' رضیہ ہنس کر بولی۔ ''بصیغہ جمع ہی اس کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا یا پھر عورت کے بجائے غورت کہلائی جاسکتی ہے۔''

دفعتاً حمید کو یاد آیا۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ قاسم کو بلوالے گا۔ تو پھر وہ لڑکی...... ہا...... ایسے ایسے چاند کے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے ہیں اس تارک لذات کی جھولی میں۔ ''خدایا میری تقصیر کیا تھی؟''



اگلی گاڑی والوں کو شائد احساس ہو گیا تھا کہ پیچھے نظر آنے والی گاڑی ان کے تعاقب میں آئی ہے۔ لہٰذا اس گاڑی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ فریدی سوچ رہا تھا چلو کہاں تک جاؤ گے۔ خود اس کی گاڑی کی ٹنکی لبریز تھی اور کئی گیلن پٹرول ڈکے میں بھی موجود تھا۔

اس نے ایکسلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا۔ اتنے میں ریڈیو سے آواز آئی۔ ''ہیلو...... کرنل سر ہیلو...... ہیلو......!''

فریدی نے بائیں ہاتھ سے مائیک اٹھا کر کہا۔ ''یس اٹ از......!''

''اُسے گولی نہیں لگی۔ کہیں کوئی زخم بھی نہیں ہے۔ بے ہوش ہے۔ گاڑی کے باڈی میں متعدد سوراخ ہیں۔ شائد انہوں نے ٹامی گن سے گولیاں برسائی تھیں۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔''

''اسے طبی امداد پہنچانے کی کوشش کرو...... سختی سے نگرانی رہے...... اور مجھ سے بھی رابطہ قائم رکھو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

فریدی نے مائیک رکھ دیا۔ اب اس کا بایاں ہاتھ بھی اسٹیئرنگ پر تھا۔

یک بیک اگلی گاڑی ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ فریدی نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبایا۔ اس کے قریب ہی ایک خانہ ظاہر ہوا۔ فریدی اس میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ ساتھ ہی گاڑی بھی کچے راستے پر موڑ دی۔

اگلی گاڑی کی رفتار اب کسی قدر کم ہو گئی۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ اب بمشکل تمام پچاس گز رہا ہوگا۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے فریدی کا بایاں ہاتھ چار سو دس بور کی ایک چھوٹی سی بندوق سمیت باہر آیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اُسے سیدھی کر پاتا اگلی گاڑی یکلخت بائیں جانب مڑی اور اس کی ایک کھڑکی سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اگر فریدی نے بھی پھرتی سے اپنی گاڑی کا رخ نہ بدل دیا ہوتا تو ونڈ اسکرین کے پرخچے اڑ گئے ہوتے اور پھر اس کا جو حشر ہوتا ظاہر ہے۔

اس کی گاڑی نے رخ بدل کر ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی کہ وہ ایک پل کے لئے محفوظ ہو گیا۔ لیکن اس نے فائر کرنے والے کی بجائے اس کی گاڑی کے ٹائروں پر فائر کئے اور پھرتی

سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

حملہ آور کی گاڑی کے دونوں ٹائر بیکار ہو گئے تھے۔

اپنی گاڑی کی اوٹ لے کر فریدی نے بغلی ہولسٹر سے اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور ......بندوق گاڑی ہی میں رہ گئی تھی۔

دوسری گاڑی سے فائروں کی بوچھاڑ رک گئی۔

اب فریدی کی گاڑی سے اس کا فاصلہ بمشکل بیس بائیس گز رہا ہوگا۔ دفعتاً اس نے د کہ دو آدمیوں نے اس گاڑی سے چھلانگ لگائی اور مخالف سمت میں دوڑنے لگے۔

اس کا انجام

فریدی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر انکی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ ریوالور کی رینج سے باہر تھے۔

"ٹھہر جاؤ......ٹھہرو......ورنہ فائر کردوں گا۔" فریدی نے انہیں آواز دی۔

لیکن وہ بدستور دوڑتے رہے۔ فریدی ملک الموت کی طرح ان کے پیچھے تھا اور پھر ج ہی اس کے اندازے کے مطابق وہ ریوالور کی رینج میں آئے ٹریگر پر ٹھہری ہوئی انگلی نے دو جنبش کی۔

وہ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے دو چار قدم دوڑے اور پھر ڈھیر ہو گئے۔

فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ ایک تڑپ رہا ہے اور دوسرا بالکل بے حس حرکت ہے۔ تڑپنے والے کی ران میں گولی لگی تھی اور دوسرا اوندھا پڑا تھا۔

فریدی جھک کر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ اس گردن پر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گردن پوری طرح ان ہاتھوں کی گرفت میں آ گئی۔

فریدی اپنے ریوالور کو پہلے ہی ہولسٹر میں رکھ چکا تھا۔ بے دھیانی میں توازن برقرار

رکھ سکا۔ جھٹکے کے ساتھ گرتے ہوئے آدمی پر آ پڑا۔

گردن پر اس کی گرفت بتدریج مضبوط ہوتی جارہی تھی۔ ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری تھی کہ وہ فریدی کو نیچے گرا دے۔

یک بیک فریدی نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا لیکن گردن کے مسلز کو بدستور اکڑائے رہا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے مقابل زمین پر پڑے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ اسے نیچے گرا دینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ خود فریدی ہی نے جسم ڈھیلا چھوڑ کر اس کے لئے موقع فراہم کیا تھا۔

یک بیک اس کے حلق سے کریہہ سی آواز نکلی اور بتدریج فریدی کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کی ناک پر تھا۔

فریدی کی گردن چھوڑ کر وہ مچلا اور اٹھ کھڑا ہوا......ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

لیکن وہ پھر جھپٹ پڑا۔ پھر اس بار بھی اس کی ناک ہی پر قیامت ٹوٹی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے ناک دبائے ہوئے گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔

ناک کے علاوہ کوئی عضو زخمی نہیں تھا۔ اس کے تو سرے سے گولی لگی ہی نہیں تھی۔ غالباً اس کا اندازہ ہو جانے کے بعد کہ تعاقب کرنے والا تنہا ہے اس نے فریدی سے نپٹ لینے کی سوچی تھی۔

گولی سے زخمی ہونے والا اب بے ہوش ہو چکا تھا۔

"تم دونوں زیر حراست ہو۔" فریدی نے اپنے شکار کو مخاطب کیا۔ جواب بھی چت پڑا اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف گہرا اندھیرا ہو۔

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں ہاتھ اب بھی ناک ہی پر جمے ہوئے تھے۔



عین دروازے کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور حمید نے دیکھا کہ قاسم دروازہ کھول کر باہر آ رہا ہے۔

وہ خاموش بیٹھا رہا۔

قاسم مسکین سی صورت بنائے ہوئے دوکان میں داخل ہوا۔ لڑکیاں خاموشی سے اُسے دیکھتی رہیں۔

''میں اب اپنا حساب دینا چاہتی ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ میں پھر یہیں نوقری قروں غی۔''

''بھاگ جاؤ۔''

''الاقسم.....رحم قرو.....میرے حال پر.....وہ سالی چونا لگا گئی۔''

''کیوں کیا ہوا.....؟'' رضیہ نے حیرت ظاہر کی۔

''ارے.....وہ حرامزادی جو آئی تھی نا.....مسقرا مسقرا کر باتیں کر رہی تھی۔ قہنے لگی میرے ساتھ چلو.....میرے قارخانے میں قام قرو.....میرے ہی ساتھ رہنا بھی۔ میں اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہوں۔ بس میں نگوڑ ماری چلی گئی۔''

''نگوڑ ماری۔'' اس نے ایسے انداز میں کہا تھا کہ حمید کو ہنسی آ گئی۔

''تو پھر ہوا کیا.....؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''پتہ بتایا تھا حرافہ نے لیکن وہ غلط نقلا.....نہ کارخانہ ملا.....اور فلیٹ میں ایک مولبی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ قہنے لگے یہاں کوئی دردانہ بیگم نہیں رہتی۔ میں نے قہا رہتی ہیں۔ بولے اچھی زبردستی ہے۔ پھر آس پاس والوں نے بتایا کہ مولبی صاحب وہاں تنہا رہتے ہیں۔''

''کان نہ کھاؤ.....جاؤ یہاں سے۔'' حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''پھر رکھ لیجئے منیجر صاحب۔'' قاسم گھگھیا کر بولا۔

''نہیں جاؤ۔''

''اچھا اگر میں مرد ہو جاؤں تو.....کپڑے کاٹنا بھی آتا ہے مجھے.....!''

''مرد ہو جاؤ.....کیا مطلب.....؟'' حمید نے بے انتہا حیرت ظاہر کی۔

''اور آپ کیا سمجھتے ہیں جناب کہ یہ عورت ہے۔'' رضیہ نے حقارت سے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید اس کی طرف مڑا۔

''سچ کہتی ہوں بڑے بھولے ہیں آپ۔ کسی دیہاتی دوشیزہ کی طرح.....کاش آپ کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہوتی۔''

''یہ کیا مذاق ہے۔'' حمید جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''خفا ہونے کی بات نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ عورت نہیں ہے اور اب اس نے خود ہی مرد بن جانے کا سوال اٹھایا ہے۔''

''کیوں.....!'' حمید قاسم کی طرف دیکھ کر غرایا۔

قاسم پہلے تو ''ہی ہی ہی ہی'' کرتا رہا پھر شرما کر بولا۔ ''الاقسم میں عورت نہیں ہوں۔ یہاں نوقری کرنے کے لئے.....ہی ہی ہی ہی.....!''

''ہوں.....اچھا.....میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔ تم لوگ دیکھتی رہو بھاگ کر جانے نہ پائے۔''

''ارے.....یعنی.....ارے باپ رے.....امے سنو تو سہی.....الاقسم.....ہو ہو ہو۔''

حمید دوسرے کمرے کی طرف جھپٹا اور قاسم بدحواسی میں دوکان سے اتر کر سڑک کی طرف دوڑنے لگا۔

لڑکیاں ہکا بکا کھڑی تھیں۔ قاسم نے شائد ٹیکسی چھوڑی نہیں تھی۔

پتہ نہیں کس طرح ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اس میں ''ٹھنس'' گیا۔ انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کے لئے لفظ ''ٹھنسا'' ہی مناسب ہوگا۔

ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں حمید ٹیلی فون کے قریب دم بخود کھڑا تھا۔ اُسے علم تھا کہ قا بھاگا ہے۔ مقصد بھی یہی تھا۔

"اب آپ اپنی ڈاڑھی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔" پشت سے رضیہ کی آوا جو اتنی بلند نہیں تھی کہ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں تک بھی پہنچ سکتی۔

"کیا مطلب......؟" حمید جھلا کر پلٹا۔

"مطلب کا ہوکا لگا ہے آپ کو شائد...... آدھے گھنٹے میں تقریباً ڈیڑھ ہزار بار آپ لفظ مطلب دہرایا ہوگا؟"

"میں اس بے تکلفی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"ڈاڑھی اگر مصنوعی نہ ہو تب سوال پیدا ہوتا ہے توہین کا...... بہرحال اس وا نفسیاتی تجزیہ۔"

"نفسیاتی تجزیہ۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر غرایا۔ "اب میرے نفسیاتی کفن دفن کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

"میں اصلی والی عورت ہوں سمجھے جناب۔"

"میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہیں آپ...... اگر میں اتنی دلکش نہ ہوتی تو آپ مجھے ملازمت نہ دیتے۔"

"دلکش......!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لاحول ولا قوۃ...... پھٹکار برس رہی چہرے پر۔"

وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگ ہوئے ایک بار پھر اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔

دوسری طرف سے فریدی کہہ رہا تھا۔ "فوراً سول ہسپتال پہنچ جاؤ۔ امر سنگھ نے ایک

لڑکی کو وہاں داخل کرایا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ اس عورت کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لہٰذا اب اُسے زہر بھی دیا جاسکتا ہے۔"

"اور پھر...... یہاں کا کیا ہوگا......؟"

"رضیہ کو اپنے بعد ذمہ دار بنا کر چلے جاؤ۔"

"کیا آپ اُس سے مل چکے ہیں۔"

"بکواس مت کرو...... جو کہہ رہا ہوں کرو۔ وہیٹس آل......!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"کون ڈانٹ رہا تھا......!" رضیہ نے پوچھا۔

"کیا...... مم......!" حمید صرف آنکھیں نکال کر رہ گیا۔ لفظ "مطلب" زبان سے نہ نکل سکا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے...... ذرا آپ کے چہرے پر......!"

"خاموش رہو۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں یہاں کی ساری ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

"زہے نصیب...... جناب نے اس قابل سمجھا۔"

"میں کہتا ہوں زیادہ باتیں مت کیا کرو۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے۔"

"شٹ اپ......!"



سول ہسپتال میں اُسے جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ اسی خیال کے تحت ہوا ہو کہ وہاں محفوظ رہے گی۔

ڈاکٹر نے حمید کو بتایا وہ کئی بار ہوش میں آ کر غافل ہو چکی ہے۔ اس وقت بھی جاگ رہی تھی۔

امر سنگھ وہیں موجود تھا۔

"کیا چکر ہے......؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پتہ نہیں...... میں حسب ہدایت اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا کہ کرنل صاحب نے اطلاع دی کہ ایک اسپورٹ کار آگے الٹ گئی ہے اُسے دیکھو......!"

"کہاں ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔"

"نگرانی......!"

"کس کی نگرانی......!"

"کرنل صاحب کی۔"

"کیا...... مم...... مطلب......!" حمید کو رضیہ یاد آئی اور زبان لڑکھڑا گئی۔

"آپ نہیں جانتے۔"

"کیا نہیں جانتا۔"

"پچھلے دو ماہ سے کوئی نہ کوئی کرنل صاحب کے آس پاس موجود ہوتا ہے جب بھی وہ نکلتے ہیں۔"

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ حقیقتاً اُسے اس کا علم نہیں تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ عرفان آرٹسٹ سے اس کا کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"اُوہ......!"

"اُسے بلوایا گیا ہے...... اوہ...... وہ آ ہی گیا۔"

راہداری کے سرے پر عرفان دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک سادہ لباس والا بھی تھا۔

عرفان نے ہاتھ اٹھا کر حمید کو سلام کیا۔ امر سنگھ نے زخمی لڑکی تک اس کی رہنمائی کی۔

"وہی ہے...... خدا کی قسم وہی ہے۔" عرفان بے ساختہ بولا۔ لیکن پھر کسی قدر اضمحلال کے ساتھ کہا۔ "مگر بال...... اس کے بال اخروٹ کی رنگت کے تھے۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" امر سنگھ نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو......!"

"لیکن مجھے کب تک اس حال میں رہنا ہوگا۔" عرفان بڑبڑایا۔

"اس کے ہوش میں آنے تک۔" حمید بولا۔ "بس اب جاؤ۔"

عرفان سادہ لباس والے کے ساتھ چلا گیا۔ امر سنگھ اور حمید بے ہوش لڑکی کے بستر کے قریب ہی ٹھہرے رہے۔

"اب آپ اسے دیکھئے گا۔" امر سنگھ مسکرا کر بولا۔ "میرا کام عرفان سے اس کی شناخت کرا دینے کے بعد ختم ہو گیا۔"

حمید نے لاپرواہی سے سر کو جنبش دی اور امر سنگھ باہر چلا گیا۔

لڑکی کے خدوخال دلکش تھے۔ ہر چند کے بالوں اور بھنوؤں کی سیاہ رنگت خضاب کی مرہون منت تھی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ ہی سے اس کی عادی نہیں رہی ہے۔

حمید نے اخروٹ کی رنگت کے بالوں کا تصور کیا۔ اس سے نہ صرف دلکشی میں اضافہ ہو گیا بلکہ یہ بھی محسوس ہوا کہ بالوں کی اصلی رنگت میں یہ چہرہ کچھ اور کمسن نظر آتا ہوگا۔

بستر کے قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا اگر وہ سچ مچ قاتلہ ہے تو اُسے افسوس ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے کراہتے ہوئے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس کے چہرے پر نظر تو جمائے ہوئے ہے لیکن شائد واضح طور پر دیکھ نہیں سکتی۔

"کیا تمہیں کچھ چاہئے۔" حمید نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"مورفیا کا انجکشن...... میں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف محسوس کر رہی ہوں۔" لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ زبان اردو ہی تھی اور لہجہ بالکل دیسیوں ہی جیسا تھا۔

حمید نے وارڈ کے سرے پر کھڑی ہوئی نرس کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

”اوہ......نہیں......!“ لڑکی پھر بولی۔ ”ہرگز نہیں۔ میں انجکشن نہیں لوں گی۔ کوئی دوا نہیں پیئوں گی۔“

حمید نے اس کی طرف پُرتشویش نظروں سے دیکھتے ہوئے نرس سے کہا۔ ”ڈاکٹر کو بلاؤ......یہ ہوش میں آ گئی ہے۔“

”پولیس کیس......؟“ نرس نے پوچھا۔

”کیا تم مجھ سے بحث کرو گی۔“

”وہ......دراصل ڈاکٹر......!“

”جاؤ......!“

نرس نے بُرا سا منہ بنایا اور وہاں سے چلی گئی۔

لڑکی آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورتی رہی۔

”یہ نرس ابھی کیا کہہ رہی تھی۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔ ”کیسا پولیس کیس......؟“

”بکواس کر رہی تھی۔ تم اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔“

”تم کون ہو......؟“

”ایک ہمدرد......!“

”میں کہاں تھی......؟“

”ایک اسپورٹ کار کے نیچے جوالٹ گئی تھی۔“

”ہاں......مجھے یاد ہے......اچانک بریک فیل ہو گئے تھے۔“

حمید کو پورے واقعات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہا۔ لڑکی کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

”یہ اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف بتاتی ہیں۔“ حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

”نہیں......نہیں......وہ میرا وہم تھا۔“ لڑکی جلدی سے بولی۔ ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”لیکن چہرے پر یہ کرب کے آثار......؟“ حمید نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

”سر میں درد ہے۔“

”میں ابھی ایک ٹیبلٹ اور مکسچر بھجواتا ہوں۔“ ڈاکٹر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں شکریہ......میں کچھ کھاؤں پیئوں گی نہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میں دواؤں کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔“

”حفظ ماتقدم کے طور پر......بعض اوقات اندرونی چوٹیں کئی دن بعد گل کھلاتی ہیں۔“

”جب کچھ ہوگا......دیکھا جائے گا۔“

”ذہن پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

”ممکن ہے۔!“ ڈاکٹر نے پُرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

”اوہ......تو کیا اب تم لوگ میرے ذہنی توازن کے بگڑ جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہو۔ ارے میں صحیح الدماغ ہوں۔“

”بالکل......بالکل......!“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”خیر میں دیکھوں گا......!“ ڈاکٹر نے حمید سے کہا اور وارڈ سے چلا گیا۔

نرس پھر وارڈ کے سرے پر جا ٹھہری۔

لڑکی حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پلکیں جھپکاتی رہی۔



”آخر یہ چکر کیا ہے۔“ حمید نے جھلا کر پوچھا۔

جواب میں فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''کم از کم مجھے اس لڑکی کے بارے میں تو معلوم ہونا ہی چاہئے جو میرے چارج مِ گئی ہے۔''

''تمہارے چارج میں جو لڑکی دی گئی ہے وہ ایک لڑکی ہے......!''

''میں اُسے کریم کیک تو سمجھتا نہیں......!''

''یہ لڑکی ایک اسپورٹ کار میں سفر کر رہی تھی۔ دوسری گاڑی سے اس پر گولیا بوچھاڑ ہوئی۔ بچ کر نکل جانے کی کوشش میں کار قابو سے باہر ہوگئی اور کچے میں جا کر الٹ گ

''لیکن وہ تو کہتی ہے بریک فیل ہوگئے تھے۔ سامنے سے آنے والی کسی گاڑی کو بچ کے لئے اس نے اسٹیئرنگ بائیں جانب گھما دیا تھا۔''

''حالانکہ سامنے سڑک بالکل سنسان تھی۔''

''اور یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں عرفان آرٹسٹ نے بتایا تھا۔''

''مجھے یہی اطلاع ملی ہے کہ عرفان نے اُسے شناخت کر لیا ہے۔''

''تو یہ وہی قاتلہ ہے......؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا۔ ''تمہیں یقین ہے کہ نے تمہاری باتوں پر یقین کر لیا ہے؟''

''یقین نہ کرتی تو میرے ساتھ چلی کیوں آتی۔''

''تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟''

''اینگل بیچ والے ہٹ میں۔''

''اور تم یہاں بیٹھے ہو۔''

''وہ مجھے ڈوج دے کر نہیں جا سکتی۔'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''آخر یہ اطمینان کس بناء پر۔''

''میں ماہر ''لڑکیات'' ہوں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

''اسی لئے ایک ماہر نفسیات تمہیں خودکشی کی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔''

''اوہ......وہ...... خدا کی قسم ایسی لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کھوپڑی چاٹ گئی۔''

''حالانکہ جناب نے ہی اس کا انتخاب فرمایا تھا۔''

''ان لڑکیوں میں اس سے زیادہ...... مطلب کہ...... کارآمد...... یعنی کہ کارگزار......!''

''جی میں سمجھ گیا...... مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''سوال یہ ہے کہ آپ نے اُس پر اس حد تک اعتماد کیسے کر لیا۔''

''کس حد تک۔''

''یعنی کہ دوکان ہی اُسے سونپ دی۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ بھلا اس دوکان کی اہمیت ہی کیا ہے۔''

''بالکل خراب ہوگیا ہے۔ جب اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو...... یہ کھڑاگ...... میرے خدا......'' کہہ کر اُس نے برآمدے سے جو دوڑ لگائی تو ٹھیک اسی جگہ آ کر رکا جہاں گاڑی کھڑی کی تھی۔

جھپٹ کر گاڑی میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی اور پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

اور پھر گاڑی کا رخ دوسری طرف مڑ ہی رہا تھا کہ فریدی کی آواز آئی۔

''ٹھہرو......!''

اتنی دیر میں وہ بھی پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔

''اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو......'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس لڑکی پر ٹامی گن سے فائرنگ ہوئی تھی اور میں نے تمہیں اسی خدشے کے تحت سول ہسپتال بھیجا تھا کہ کہیں اسے زہر نہ دے دیا جائے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' حمید نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور اسکی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

لیکن یہ مسئلہ ابھی تک ذہن میں صاف نہیں ہوا تھا کہ اگر اس لڑکی کے لئے اتنی ہی

احتیاط کی ضرورت تھی تو وہ اس طرح اس کے حوالے کیوں کردی گئی تھی۔

جب یہ یقین ہوگیا تھا کہ لڑکی کی حالت مخدوش نہیں ہے تو فریدی نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کہیں لے جائے لیکن اپنی اصلیت اس پر ظاہر نہ ہونے دے۔ لہٰذا وہ اُسے ایگل بیچ والے ہٹ میں لے گیا تھا اور وہاں سے فریدی کو بذریعہ فون اس کی اطلاع دینی چاہی تھی۔ لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ فون کی لائن ہی ناکارہ ثابت ہوئی تھی۔

• اس نے سوچا تھا کیوں نہ خود ہی جاکر اطلاع دے آئے۔ بعض مسائل پر فریدی سے الجھنا بھی تو تھا اور اب مزید الجھنیں لے کر دوبارہ ایگل بیچ کی طرف واپس جارہا تھا۔

درزی خانہ بُری طرح ذہن پر سوار تھا۔ اگر یہ کسی تفتیش ہی کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا تو اصل معاملہ کیا ہوگا

یہی سب کچھ سوچتا اور بور ہوتا ہوا وہ ایگل بیچ تک جا پہنچا۔

ہٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور اتر کر برآمدے میں آرکا۔

صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ کال بیل کا بٹن دبایا۔ گھنٹی کی گونج اندر سنائی دی۔

اس نے پھر گھنٹی بجائی اور ساتھ ہی آواز بھی دی۔ ''ارے میں ہوں۔ ساجد۔''

''کون ساجد......؟'' اندر سے لڑکی کی آواز......

''وہی ساجد یعنی کہ وہ ساجد جو تمہیں یہاں لایا تھا۔''

''اوہ......اچھا......کیا بات ہے؟''

''ارے تو کیا دروازہ نہیں کھولوگی۔''

''میں تمہاری آواز نہیں پہچانتی۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے شکل بھی نہیں دیکھ سکتی۔''

''دروازہ کھول کر میری شکل دیکھی جاسکتی ہے۔''

''اگر تم ہو تو واپسی کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیا مطلب......؟''

''مجھ پر احسان جتانے آئے ہو۔''

''نہیں......اس ہٹ کے مالکانہ حقوق تمہارے نام منتقل کرنے کے لئے آنا ہی پڑا۔''

''مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہٹ کا کرایہ جس شرح سے چاہو مقرر کرسکتے ہو۔''

''بڑے مزے کی باتیں کررہی ہو تم تو......!''

''تم کیا چاہتے ہو......؟''

''ایک ہفتے بعد بتاسکوں گا۔''

''کیوں پریشان کررہے ہو مجھے۔''

''تمہارے لئے ایک بھیانک اطلاع ہے۔''

''میرے لئے......؟ کوئی بھیانک اطلاع ہے......میں نہیں سمجھی۔''

''پولیس کو میری بھی تلاش ہے اور تمہاری بھی۔ تم نے تو بریک فیل ہونے کی کہانی سنا کر جان چھڑائی تھی۔ لیکن میں کیا جواب دوں گا۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو......!'' لڑکی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

حمید کمرے میں داخل ہوا۔ لڑکی نے دروازہ بند کرکے پھر چٹخنی چڑھادی۔

''بولو......جلدی بتاؤ......کیا بات ہے۔''

''پولیس کا خیال ہے کہ تم نے اصل واقعہ نہیں بتایا۔''

''پولیس جھک مارتی ہے۔''

''تمہاری گاڑی کے بریک فیل ہوگئے۔ تم نے سامنے سے آنے والی ایک گاڑی کو بچانے کے لئے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی۔ تمہاری گاڑی الٹ گئی۔ لیکن الٹ جانے کے بعد بھی اس کا انجن چلتا رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم سڑک کے نیچے اترتے ہی انجن کا سوئچ آف کردیتیں۔''

''ہاں......ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ لیکن میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ اتنی نروس ہوگئی تھی کہ ہینڈ بریک کو بھی نہ آزماسکی۔''

''چلو یہ بھی سہی......لیکن پولیس کو تو اس پر تشویش ہے کہ گاڑی کا باڈی ٹامی گن کی

گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ گیا ہے۔"

لڑکی کے چہرے پر پہلے تو شکست خوردگی کے آثار نظر آئے پھر وہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"پولیس کی غلط فہمی پر ہنسی آرہی ہے۔ گولیوں کے وہ نشانات کئی ماہ پرانے ہیں۔ میرے بھائی نے اس پر نشانہ بازی کی مشق کی تھی اور وہ گولیاں فورٹی فائیو کیلیبر کے ریوالور کی تھیں، ٹامی گن کی نہیں۔ میرا بھائی فوجی ہے۔ اکثر بہت زیادہ پی جانے کے بعد ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے......لیکن کیا تم اس کی وضاحت کرنے کے لئے کوتوالی تک چل سکو گی۔"

"میں کیوں جاؤں۔ میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"پھر میری گردن پھنسے گی۔ کیونکہ میں نے اپنا بالکل صحیح نام اور پتہ لکھوایا تھا۔"

"تم تو بڑے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ جوابدہی کر لینا۔ ذہانت اور خوبصورتی مشکل سے یکجا ہوتی ہیں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"خدایا......رحم......!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں! قدر دانی کا شکریہ۔ زندگی میں پہلی بار کسی خاتون کی زبانی اپنے لئے ایسے الفاظ سنے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے کفن دفن کا انتظام خود کروں یا اس کی ذمہ داری محلے والوں پر ڈال دوں۔"

"سچ کہتی ہوں......مذاق نہیں......بڑے پیارے لگتے ہو۔"

"محترمہ میں اتنا زبردست اُلو نہیں جتنا صورت سے معلوم ہوتا ہوں۔"

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔"

"پولیس کو کئی دن سے ایک ایسی لڑکی کی بھی تلاش ہے جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ ٹھوڑی پر سرخ رنگ کا ایک اُبھرا ہوا تل ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں......!" لڑکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے سر کے پچھلے حصے کے تھوڑے سے بالوں کی اصلی رنگت نکل آئی ہے اور تم نے آئینہ کب سے نہیں دیکھا۔ تل پر جو تم نے سیاہی چڑھائی تھی وہ بھی اُتر چکی ہے۔"

"نہیں......!" لڑکی تھوڑی پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"اور......ذرا اس لٹ کو بھی ملاحظہ کرو۔" حمید نے اس کے سر کے پچھلے حصے کی لٹ آگے کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ "اخروٹ کی رنگت۔"

"یہ......یہ......اررر......تمہیں بھی......غلط فہمی ہوئی ہے......اور پپ......پولیس کو بھی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا اور ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"کئی دن ہوئے میں نے اخبار میں کسی آرٹسٹ کی کہانی بھی دیکھی تھی اور اس کہانی کی ہیروئن کا حلیہ تیسرے دن کے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔"

"میں نے کوئی کہانی نہیں پڑھی۔"

"بہرحال تم مجھے بتاؤ کہ پھر تم کیا بلا ہو......ظاہر ہے کہ آسمان سے تو ٹپکی نہ ہو گی۔ نہ زمین پھاڑ کر برآمد ہوئی ہو گی۔ بتاؤ کچھ اپنا اتا پتا۔"

"مم......میرا نام سارہ رحمان ہے۔ نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلاتی ہوں۔"

"انڈسٹریل ہوم......!" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں......سلائی وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے اور تجارتی پیمانے پر بھی سلائی ہوتی ہے۔"

"یعنی کہ......یعنی کہ......درزی خانہ۔"

"ہاں......درزی خانہ......لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ درزی خانہ کے نام پر تم کچھ نروس سے ہو گئے ہو۔"

"نن......نہیں تو......میں تو خاندانی درزی ہوں۔"

"کیا مطلب......؟"

"اپنے یہاں بھی کچھ اسی قسم کا کام ہوتا ہے۔ گارمنٹ فیکٹری۔"

"تھانوں کا کام ہے یا کٹ پیس کا......!"

"ہم صرف ملٹری کے ٹھیکے لیتے ہیں۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

پھر وہ خاموش ہو گئے۔

سارہ رحمان سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی اور حمید اُسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "یہ سارہ رحمان کیسا نام ہے۔"

"میرے ماں انگریز تھی......اور باپ دیسی...... میں یوریشین ہوں۔"

"تب تو تمہیں حق حاصل ہے جب چاہو انگریز بن جاؤ اور جب چاہو اس حد تک دیسی بن جاؤ کہ بال بھی رنگ ڈالنا پڑیں۔"

"میں ایسی تبدیلیوں کی شائق ہوں۔"

"عرفان آرٹسٹ والی کہانی کے بارے میں کیا کہتی ہو۔"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کیا بلا ہے۔"

"لیکن حلیہ...... جو پولیس کی طرف سے جاری کیا گیا ہے؟"

"تصویر تو نہیں شائع ہوئی کہ تم اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہو۔"

"مگر یہ سرخ رنگ کا تل اور اخروٹ کی رنگت کے بال......!"

"اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"چلو بال تم نے خضاب سے رنگ لئے...... لیکن میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی خاتون نے اپنے تلوں کی رنگت میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"لحظہ بہ لحظہ تبدیلیاں مجھے زیادہ خوش رکھتی ہیں۔"

"بس تو اب اپنے کان اکھاڑ کر ناک کی جگہ چپکاؤ اور ناک مجھے دے دو۔ میں اُسے خشک کر کے کسی شاعر کے مقبرے پر رکھ آؤں گا۔"

"اگر تم نے میری کسی طرح مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرا مضحکہ بھی اڑاؤ

"میں بتاؤں...... میری ایک تجویز ہے...... میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا اور تم بھی اپنی پوزیشن صاف کر سکو گی۔"

"میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی۔"

"لیکن میری پوزیشن......!"

"تمہارے لئے اس میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ ہسپتال میں میرا نام اور پتہ بھی لکھ لیا گیا تھا۔ جب تمہاری الٹی ہوئی گاڑی میں گولیوں کے بنائے ہوئے سوراخ دیکھے گئے تو پولیس میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں تمہیں اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں لے گیا تھا۔ اس ہٹ کے وجود کا علم کسی کو بھی اس طرح نہیں کہ یہ میرے نام سے منسوب کیا جا سکے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار اچانک مٹ گئے ہیں اور ان کی جگہ بشاشت نے لے لی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اس نے جو کچھ کہا اس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بات اس کے لئے کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں۔

حمید اُسے بغور دیکھتا رہا۔ دفعتاً دونوں کی نظریں ملیں اور وہ ہنس پڑی۔

"بہت مسرور نظر آ رہی ہو۔"

"اب میں کچھ دن اسی ہٹ میں گذاروں گی۔"

"شوق سے...... لیکن مجھے شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا جانا پڑے گا۔"

"کیوں......؟"

"ارے تو کیا پولیس سے اپنی جان نچواؤں گا۔"

"تم بھی یہیں رہو...... شہر کی طرف جاؤ ہی مت۔"

"لاپتہ ہو جاؤں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "اور میرے بھائی بند مجھے مردہ سمجھ کر میرے کاروبار پر قبضہ کر لیں۔"

وہ اس پر کچھ کہنے کی بجائے گنگنانے لگی۔

"آؤ ٹوئیسٹ کریں۔"

ٹھیک اُسی وقت اندر کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت نوجوان اس کمرے میں داخل ہوا۔

جیسے ہی سارہ کی نظر اُس پر پڑی بوکھلا کر اسٹول سے اٹھ گئی۔

"تت...... تم......!"

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور اجنبی کے سینے کا نشانہ لے رہا تھا۔

اجنبی جہاں تھا وہیں ٹھٹھک گیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ" حمید غرایا۔

اجنبی نے جس کے چہرے پر ذہنی پراگندگی ظاہر ہو رہی تھی چپ چاپ ہاتھ اٹھا دیئے اور مڑ مڑ کر اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے داخل ہوا تھا۔

"تم نے بغیر اجازت اندر آنے کی جرأت کیسے کی۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

لیکن وہ صرف اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"کیا پچھلا دروازہ تم نے کھولا تھا" حمید نے سارہ سے پوچھا۔

"نہیں...... نہیں تو......!"

"کیا تم نے قفل توڑا ہے۔" وہ پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ کون ہے......؟" حمید نے سارہ کو مخاطب کیا۔

"مم...... میں......!"

"نہیں...... تم اس سے انکار نہیں کرسکو گی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کی آمد پر تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے تھے جن میں حیرت بھی تھی اور شناسائی کا اعتراف بھی۔"

"یہ ایک فراڈ لڑکی ہے جناب۔" اجنبی نے کہا۔ "اس وقت یہ فراک اور شلوار میں

رہی ہے بڑی اچھی اردو بول رہی ہے۔ لیکن پچھلے ہفتے اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک امریکن ورسٹ ہے۔ بال اس نے رنگ ڈالے ہیں ورنہ یہ اخروٹی رنگ کے تھے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"اور اس نے مجھے ایک طوفانی رات میں ایک خاص مہم پر بھیجا تھا۔ ایک ویران مکان میں...... گھنے جنگل کے درمیان...... اس کے لئے۔"

اجنبی نے جیب سے ایک چرمی پرس نکالتے ہوئے کہا۔ جس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی۔ سارہ بے ساختہ اس پر جھپٹ پڑی۔ پرس چھین لیا اور اُسے اپنے جمپر کے گریبان میں ٹھونستی ہوئی پیچھے ہٹ آئی۔

دفعتاً حمید کو پھر اُسی دروازے کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا جس سے اجنبی آیا تھا۔

عرفان آرٹسٹ...... یہ عرفان آرٹسٹ تھا۔

حمید سارہ کی طرف مڑا جس کا چہرہ بے حد زرد ہو چکا تھا۔

"یہی ہے...... وہ قاتلہ......!" عرفان ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف جھپٹی ہی تھی کہ حمید نے چھلانگ لگائی اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

"بھاگو......!" اُس نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ "اُن کے پیچھے پولیس بھی ہوگی۔"

"پیچھے ہٹو......!" حمید نے اُسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"کیا کر رہے ہو تم۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "تم بھی پھنسو گے۔"

"پھنس جانا میری ہابی ہے...... اور پھر جب......!" حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"یہ مذاق نہیں ہے۔" وہ بپھر گئی اور پھر دروازے کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور وہ وحشیانہ انداز میں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے اوپر گرنے لگی۔ لیکن کلائیوں پر حمید کی گرفت مضبوط تھی۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں احمق۔" حمید نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"پپ...... پولیس......!"

اس کے ہاتھ یکلخت ڈھیلے پڑگئے اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ توازن کی حر ہو۔ کمر میں ہاتھ دے کر سنبھال نہ لیتا تو یقینی طور پر اُس کے ساتھ ہی خود بھی گرا ہوتا۔

سارہ کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔

حمید نے عرفان سے کہا۔ "وہ اسٹریچر بچھادو۔"

اُسے اسٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ بے ہوش ہوگئی تھی۔

دانت اتنی سختی سے ایک دوسرے پر جمے تھے کہ جبڑوں کی وریدیں اُبھر آئی تھیں۔



ہٹ کے باہر تھوڑے فاصلے پر محکمہ سراغ رسانی کے بہترین نشانہ باز موجود تھے۔ اس طرح پھیلایا گیا تھا کہ مشکل ہی سے ان کے بارے میں کسی کو کسی قسم کا شبہ ہوسکتا۔

اور فریدی ہٹ کے عقبی دروازے میں کھڑا دور دور تک کا جائزہ لے رہا تھا۔ گ دوربین لٹک رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ دوربین آنکھوں کی قریب لاتے ہوئے اس کا رخ طرف پھیر دیتا۔

کچھ دیر بعد پشت پر قدموں کی چاپ سن کر مڑا۔

"اوہ...... طارق...... کیا بات ہے؟"

"وہ بے ہوش ہوگئی ہے جناب۔" لمبے آدمی نے جواب دیا۔

"میرے اسسٹنٹ نے کیا برتاؤ کیا تمہارے ساتھ......؟"

"ارے صاحب انہوں نے تو ریوالور نکال لیا تھا۔"

"ہوں تو...... وہ بے ہوش ہوگئی۔ پرس کہاں ہے۔"

"اس نے دیکھتے ہی جھپٹ لیا تھا۔ اس وقت اسکے جمپر کے گریبان میں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے...... اب تم جاسکتے ہو۔"

"جب بھی کوئی ضرورت ہو آپ اسی فون نمبر پر یاد فرماسکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" فریدی نے کہا اور طارق باہر چلا گیا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتحتوں کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور پیچھے ہٹ کر دروازہ مقفل کرتے ہوئے اس طرح ساکت و سامت ہوگیا جیسے اچانک کوئی خاص بات یاد آئی ہو۔

سیدھا ہوکر چند لمحے قفل کے سوراخ کو گھورتا رہا پھر اندر جانے کے لئے مڑا۔

حمید سارہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا اور عرفان اسٹریچر کے قریب کچھ ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے خود اُس سے کوئی بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہو۔

"وہ کھڑکی کھول دو......!" فریدی نے بائیں جانب والی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید سے پہلے عرفان کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے کسی قدر ہوش کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن اب پھر غافل ہوگئی ہے۔"

"جی......!" فریدی سارہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ لہجہ طنزیہ تھا۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بے ہوشی خطرناک صورت اختیار کرچکی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا قینچی تو لاؤ۔"

"قینچی......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں سر کے سارے بال اتارنے پڑیں گے۔ ورنہ خدشہ ہے کہ کہیں یہ بے ہوشی پاگل پن کی شکل میں نہ ختم ہو۔"

"اچھا...... اچھا......!" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

سارہ کے جسم کو جنبش ہوئی پھر ہلکی سی کراہ نکلی۔ آہستہ آہستہ آنکھیں کھلیں اور بالآخر پھیل کر رہ گئیں۔

چت پڑی چھت کو تاک رہی تھی۔ پھر دیدوں نے دائیں بائیں جنبش کی اور وہ جھٹکے کے ساتھ اُٹھ بیٹھی۔ فریدی سامنے کھڑا تھا۔ اس سے نظریں ملیں اور سارہ کا جسم اس طرح ہل کر رہ گیا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔

اب وہ بغلیں جھانک رہی تھی۔ اتنے میں حمید قینچی لئے ہوئے واپس آیا۔

''اوہ......گڈ......!'' وہ چٹکی بجا کر بولا۔ ''لیکن اطمینان کر لیجئے...... کہیں بیہوشی پن ہی پر ختم نہ ہوئی ہو۔''

''نہیں...... میں بالکل صحیح الدماغ ہوں۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''یقین نہ کیجئے گا...... ہر پاگل یہی کہتا ہے۔'' حمید بول پڑا۔

فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر سارہ کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ فضا پر بوجھل خاموشی طاری تھی۔ عرفان بھی ایک ٹک سارہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً سارہ بولی۔ ''میں...... میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اُسے قتل کر دیا تھا۔''

''کسے قتل کر دیا تھا۔'' فریدی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

''نصیر آباد کے مشہور بدمعاش رزم خان کو......!''

''اوہ......لیکن کہاں قتل کیا تھا......؟''

''اس شریف آدمی کے مکان میں جو نئی سڑک کے کنارے جنگل کے درمیان واقع ہے۔''

''تو ان کا بیان صحیح تھا......؟''

''ہاں...... بالکل......!''

''لیکن ہمیں تو وہاں کوئی لاش نہیں ملی۔''

''لاش کے بارے میں بھی یہی بتا سکیں گے۔ وہ سو رہا تھا۔ کوٹ اتار کر کرسی پر ڈال دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کوٹ کی جیب میں ریوالور ضرور ہوگا۔ میں نے ریوالور نکال کر دل کی جگہ سینے پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے فائر کی آواز نہیں ہوئی تھی ورنہ میں اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتی۔''

''لیکن وہ تمہیں کیوں مار ڈالنا چاہتا تھا۔''

''بتا بھی دوں تو اس سے کیا فائدہ......؟''

''تم ایک ذمہ دار آفیسر کو بیان دے رہی ہو۔'' حمید ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''آفیسر......ہونہہ......!'' وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''ہونہہ کا کیا مطلب......!'' حمید گرجا۔

''میں موت کے منہ سے بہت قریب ہوں۔'' سارہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اس لئے سنو۔ تم سب ناکارہ اور غیر ذمہ دار ہو۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑی سے بڑی غیر قانونی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یا تم مجرموں سے خائف ہوتے ہو یا لمبی رشوتیں لے کر چشم پوشی کرتے ہو یا اس لئے پہلو تہی کرتے ہو کہ تم سے بھی بڑے کسی آفیسر کی سفارش تمہارے ہاتھ روک دے گی۔''

''یہ تو تم سچ کہہ رہی ہو۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

سارا اور زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگی۔

''گولڈن ایرو تنظیم کے لئے تم نے کیا کیا...... مجھے بتاؤ کیا وہ تنظیم پوری قوم کو تباہی کی طرف نہیں لے جا رہی۔ ملک کا کون سا ایسا شہر ہے جہاں اس کا کاروبار نہ چل رہا ہو۔''

''گولڈن ایرو...... مگر وہ تو محض کہانی ہے۔'' فریدی نے کسی قدر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''اخاہ......تو عوام کی طرح پولیس بھی اس کے بارے میں یہی نظریہ رکھتی ہے۔''

''ہاں آں...... عام طور پر یہی خیال پایا جاتا ہے کہ ملک کے کسی شہر میں چند آدمیوں نے اسی نام سے یہ کاروبار چلایا تھا۔ وہ پکڑے گئے۔ دوسروں کو موقع ہاتھ آیا انہوں نے بھی یہی نام اختیار کر کے اسی قسم کے کاروبار چلائے۔ پھر یہ وبا تیزی سے پورے ملک میں پھیل گئی۔ انفرادی کاروبار کرنے والوں نے بھی اسی نام کی آڑ لی۔ پکڑے گئے تو گولڈن ایرو تنظیم کا نام لے دیا......؟''

"افسوس کہ آپ لوگ ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

"خوب.....!" فریدی مسکرایا۔ لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اس طفلانہ خیال کی تضحیک کرنا مقصود ہو

سارہ اور زیادہ تیز ہو کر بولی۔ "میں خود اسی تنظیم کی ماری ہوئی ہوں۔ میں جو اسی تنظیم

ایک رکن بھی ہوں۔"

"ہوں.....ہوں.....ہوگا.....؟" فریدی نے اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

"تنظیم کے سربراہ کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں اس سے واقف ہوں۔ اس لئے وہ مجھے

کرادینا چاہتا ہے۔ رزم خان اور اس کے تین گرگے میرے پیچھے تھے۔ رزم خان کو تو میں

ہی موت کی نیند سلادیا اور گرگوں کے بارے میں نہیں جانتی کہ ان کا کیا حشر ہوا۔"

وہ خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "ہاں میری کار کی باڈی

گولیوں سے چھلنی ہوگئی..... کسی نے دوسری گاڑی سے مجھ پر فائرنگ کی تھی۔ لہٰذا جب میں

جان بچا کر نکل جانا چاہتی تھی الٹ جانے کے بعد گاڑی کا انجن کیسے بند ملتا۔"

"کیا تم بتا سکو گی کہ رزم خان کی لاش کیوں نہ برآمد ہو سکی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں یہ سب کچھ محکمہ پولیس کو صرف ایک آفیسر کو بتا سکتی ہوں۔ میں اس سے ملنا چاہتی

ہوں۔ اُسی سے ملنے کے لئے تارجام جارہی تھی کہ مجھ پر حملہ ہوا۔"

"ہوں.....کیا نام ہے اس کا۔"

"کرنل فریدی.....!" سارہ نے جواب دیا۔

"تارجام میں ملنا چاہتی تھیں.....؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"میرے ایک شناسا نے کرنل سے میرے لئے وقت لیا تھا اور ملاقات تارجام میں ٹھہرائی

تھی۔"

"اور وہی آدمی پھر تمہارے لئے موت کا فرشتہ بن گیا تھا۔"

"اس بے چارے کا کیا قصور..... وہ بھی گولڈن ایرو تنظیم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔"

"خیر..... فی الحال وہ حراست میں ہے اور وہ دونوں بھی جنہوں نے تمہاری گاڑی

نگ کی تھی۔"

"اس بے چارے کو کس بناء پر حراست میں لیا گیا ہے۔"

"اس لئے کہ تم پر گولیاں برسانے والے اُسے کے آدمی تھے۔"

"نہیں.....؟"

"اور وہ تمہیں مجھ سے ملانے کے لئے تارجام لے جارہا تھا۔ حالانکہ مجھے اس اپائنٹمنٹ کا

کوئی علم نہیں۔"

"آپ سے.....!" وہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں۔"

وہ آنکھیں پھاڑے خلاء میں گھورتی رہی پھر یک بیک دوبارہ اسٹریچر پر جاگری۔

اب وہ کسی ننھی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

حمید بے بسی سے ہاتھ ملتا ہوا فریدی سے بولا۔ "اب.....قف.....فرمایئے۔"

فریدی نے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کو کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اب آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے عرفان آرٹسٹ سے کچھ دیر بعد کہا۔

"میں بے حد شکر گزار ہوں جناب۔ حوالات میں مجھے کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

یسے جب بھی آپ یاد فرمائیں گے حاضر ہو جاؤں گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے کہتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

عرفان دروازے سے نکل کر بائیں جانب مڑا۔ پھر فریدی دروازہ بند ہی کر رہا تھا کہ کوئی

چیز سنسناتی ہوئی دروازے سے گذر کر کمرے میں داخل ہوئی۔ ساتھ ہی ایک تیز قسم کی چیخ سے

کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

یہ بے ہوش سارہ کی چیخ تھی اور ایک تیر اس کے پہلو میں پیوست تھا۔

سامنے والے ہٹ کی کھڑکی زوردار آواز کے ساتھ بند ہوئی۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی باہر تھا۔ پے در پے دو فائر اس نے کھڑکی پر کئے تھے۔

اس کے وہ ماتحت جو مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے اسے اس عالم میں دیکھ پڑے۔ ہٹ کو گھیرے میں لے لیا گیا۔

کھڑکی کے شیشوں میں دو سوراخ تھے اور دوسری طرف کمرے میں ایک لاش پڑی تھی۔ فریدی کی ایک گولی نے اس کی پیشانی میں سوراخ کیا تھا اور دوسری سینے پر بیٹھ قریب ہی ایک کمان پڑی نظر آئی۔ کھڑکی کے نیچے والی چھوٹی میز پر دو تیر رکھے ہوئے

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے ہٹ میں واپس آیا۔ یہاں سارہ دم توڑ چکی تھی۔

حمید برآمدے ہی میں کھڑا ملا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ساری احتیاطی تدابیر خاک میں مل گئیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس وقت اس کی آ زخمی شیر کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔''

''کیا وہ نکل گیا......؟''

''ہاں...... بالکل اسی طرح ہاتھ سے نکل گیا کہ اب میرے کسی سوال کا جواب نہ سکے گا۔''

''مر گیا......؟''

''دونوں گولیاں کارگر ہوئی تھیں۔ اوہ...... وہ پرس......!''

''میرے پاس ہے۔'' حمید نے کوٹ کی جیب پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''میں اس کے بار میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن جس انداز سے وہ اس پر جھپٹی تھی مجھے اس کی اہمیت کا احساس دلا کے لئے کافی تھا۔''

''اس نے اسی پرس کیلئے طارق کو وہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ مکان کی پشت پر بھی گیا تھا اور اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس پر چڑھ کر وہ صحن میں کودی تھی۔''

''مجھے یاد ہے۔ محض اس لئے یاد ہے کہ آپ نے میرے ساتھ ایک زیادتی کی تھی۔ ٹارچ کی روشنی اس طرح میرے چہرے پر ڈالی تھی کہ میں جھنجھلا اٹھا تھا۔''

''اور اسی وقت میں نے وہ پرس زمین سے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر تم لوگوں کی روانگی کے بعد جب پرس کا جائزہ لیا تو مجھے وہاں رکنا ہی پڑا۔ پرس کی سادہ سطح پر ایک نشان موجود ہے اور یہی نشان میری دلچسپی کا باعث بنا تھا۔''

حمید نے پرس کو جیب سے نکالا۔ اس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی اور دوسری طرف کی سطح سادہ۔ لیکن اس طرف تیر اور کمان کا نشان تھا اور تیر کا پھل نوکیلا ہونے کی بجائے گول تھا۔

''گولڈن ایرو تنظیم سے تعلق رکھنے والے یہی نشان استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خیر۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ پرس میں کوئی ایسی بڑی رقم موجود نہیں تھی جس کے لئے وہ اس قسم کا خطرہ مول لیتی۔''

''لیکن یہ گولڈن ایرو کا نشان۔''

''تم جانتے ہو کہ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ عوام تک جانتے ہیں کہ وہ نشان گولڈن ایرو تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی اور تنظیم سے تعلق رکھنے والے اس کی زندگی کے گاہک کیوں بن گئے تھے۔ لاؤ یہ پرس مجھے دے دو۔''

فریدی نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور جیب میں ڈال لیا۔

''اب کیا کیجئے گا۔''

''ہمارے محکمے کے سارے ذمہ دار آفیسروں کا یہی خیال ہے کہ گولڈن ایرو ایک ایسا خیالی ہوا ہے جو مجرموں کا پشت پناہ بن جاتا ہے۔ حقیقتاً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ کوئی منظم گروہ نہیں بلکہ مختلف لوگ اسی نام کی آڑ لے کر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ میں اُن آفیسروں سے کبھی متفق نہیں رہا۔ عرصہ سے اس تنظیم کے سربراہ کو منظر عام پر کھینچ لانے کی سعی کرتا رہا ہوں۔''

''اوہ...... تو کیا...... گروہ کے وہ لوگ جو پکڑے جاتے ہیں اس کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔''

''انہوں نے اس کی شکل نہیں دیکھی کیونکہ وہ سرتا پا سیاہ پوش ہوتا ہے اور چہرہ نقاب میں چھپا ہوتا ہے۔ احکامات فون پر ملتے ہیں اور وہ آدمی بھی اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا

جس نے لڑکی کو مجھ سے ملانے کا فریب دے کر تارجام کا سفر کرنے کی ہدایت دی تھی۔''

''وہ غریب اسے اپنا ہمدرد سمجھتی رہی تھی۔''

''ہوں......اُوں......!'' فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

اُس کے ماتحت لاشوں کو وہاں سے ہٹانے کے لئے انتظامات کرتے رہے۔

کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ''اب ہمیں نصیر آباد جانا پڑے گا۔ رزم خان اور اس لڑکی کے بارے میں وہیں سے معلومات حاصل ہوسکیں گی۔ رزم خان کی لاش عرفان کے گھر سے ہٹا کر غائب کردی گئی تھی۔ ممکن ہے رزم خان سرگروہ سے واقف رہا ہو۔ بڑے دل گردے کا آدمی تھا۔''

''کیا میں خود کو درزی خانے سے سبکدوش تصور کروں۔''

''ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ثابت ہوا ہے۔''

''اوہ......ٹھیک یاد آیا۔ لڑکی نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلا رہی تھی۔ کاروباری حیثیت سے اس میں درزی خانہ شامل تھا۔''

''یہ اطلاع اس سلسلے میں سودمند بھی ہوسکتی ہے۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 97

قاتل کا ہاتھ

(دوسرا حصہ)

پیش رس

"قاتل کا ہاتھ" حاضر ہے۔ کسی قدر تاخیر ہوئی۔ اُمید ہے کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں گے، ویسے بھی توقع ہے کہ آپ نے خود ہی خیال نہ فرمایا ہوگا کیونکہ آپ میں سے زیادہ افراد "امتحانات" کے چکر میں رہے ہوں گے لہٰذا تفریحی کتب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ سمجھا ہوگا۔ ہونا بھی یہی چاہئے۔ تفریحی کتب اسی لئے ہوتی ہیں کہ ان سے صرف ذہنی تھکن دور کرلی جائے۔ انہیں اوڑھنا اور بچھونا بنا لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کئی بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ توقع ہے کہ آپ نے بھی اس پر عمل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

ادھر پیشرس میں "تبصرے" کے شوق میں پڑھنے والوں نے عجیب قسم کے خطوط کی بھرمار کر رکھی ہے۔ یہ اتنے عجیب ہیں کہ اگر فرداً فرداً تبصرہ کرنے بیٹھوں تو ایک ضخیم کتاب الگ سے تیار ہو جائے۔

ان میں سے بہتیرے حضرات نے میری "ذاتیات" سے متعلق بھی بے تکے قسم کے سوالات کئے ہیں، میں کہتا ہوں کہ آخر اس سے پڑھنے والوں کو کیا سروکار کہ مجھے کریلے پسند ہیں یا

نہیں یا صرف نیم چڑھے کریلے پسند آتے ہیں۔ "میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا تھو" کی عادت میں تو مبتلا نہیں۔ میرے کتنے بچے ہیں؟ دوسری شادی کی ضرورت پیش آئی تو پہلی بیوی تحریری اجازت نامہ دینے سے انکار تو نہیں کرے گی۔ اگر انکار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ کونسی پیتے ہیں؟ نہیں پیتے تو وجہ لکھئے۔ کتابوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عشق و محبت کے قائل نہیں؟ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا کبھی کوئی گہری چوٹ کھائی تھی؟

"بہت بڑی چوٹ کھائی تھی یارو...... کہ پیدا ہو گیا تھا اور اب آپ جیسوں سے نپٹ رہا ہوں۔"

ڈبویا مجھ کو ہونے نے' نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ایک بار ایک عجیب حرکت اور بھی ہوئی ہے کسی صاحبزادے نے کتابوں کی پشت پر چھپنے والی میری حالیہ تصویر میں بڑی خوبصورت ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کر کے "برائے فوری توجہ" مجھے بھجوائی ہے۔ لہٰذا ان کی تشفی کے لئے میں نے اس بار تصویر کا پوز بدل دیا ہے۔ ممکن ہے انہیں یکسانیت گراں گذری ہو۔ ہر معاملے میں مجھ سے نئے پن کے متوقع رہتے ہیں یار لوگ۔

اس ناول میں زیادہ تر پڑھنے والوں کی ایک خواہش پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سچ پوچھئے تو اسی خواہش کے احترام میں اس کہانی کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ بہرحال جنہوں نے اس خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا وہ بھی کم از کم یہ تو کہہ ہی سکیں گے کہ ایسا ہونا چاہئے تھا۔

ابن صفی

لڑکی اور دھماکہ

دور کی پہاڑیوں پر برف چمک رہی تھی اور غروب ہوتے ہوئے سورج نے ڈھیروں رنگ بکھیر دیا تھا۔ چمکدار نارنجی رنگ جس کی چھوٹ میلوں گہری وادی میں پڑ رہی تھی۔ موسم سرما کا چل چلاؤ تھا۔ خودرو جھاڑیوں میں رنگا رنگ کلیاں پھوٹنے لگی تھیں اور سارا دن چھوٹے چھوٹے پرندے منڈلایا کرتے۔

رام گڈھ میں سیاحوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ہوٹل آباد ہونے لگے تھے۔ ... والوں میں اندرون ملک کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ غیر ملکی سیاح خال خال نظر آتے دیتے۔ ویسے اس وقت تو ان کی بہتات ہوتی ہے جب میدانوں میں گرم ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔

بہر حال دور کی پہاڑیوں میں برف چمک رہی تھی اور کیپٹن حمید فزارو کی بالکنی میں سوچ رہا تھا کہ آخر وہ برف کب پگھلے گی جو خود اس کی کھوپڑی میں جمی ہوئی ہے۔ برف ... شاید سمجھ میں آسکے کہ وہ یہاں کیوں پایا جاتا ہے۔

چند راتیں گذریں وہ اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔

کر پہلے کان دبائے جب اس سے بھی مقصد حاصل نہ ہوا تو تکیہ سر کے نیچے سے اوپر آ گیا لیکن گھنٹی کی آواز کہاں پیچھا چھوڑنے والی تھی۔ بالآخر جھلا کر اٹھ بیٹھا تھا اور ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں اس طرح دھاڑا تھا کہ اس کی دانست میں دوسری طرف والے کے کان کا پردہ خطرے میں پڑ گیا ہوگا۔

لیکن دوسری طرف کی ٹھنڈی سی آواز نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا دی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ”فوراً لیبارٹری میں آجاؤ۔“ بے اختیار حمید کی نظر ٹائم پیس پر پڑی۔ تین بجے تھے۔ وہ دانت پیس کر رہ گیا۔

”کیا پھر سو گئے۔“ دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

”نہیں...... اعمال نامہ اٹھائے میدان حشر کی طرف دوڑ لگا رہا ہوں۔“

”دس منٹ کے اندر اندر پہنچو۔“ دوسری طرف سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور پھر جب وہ لیبارٹری میں پہنچا تو...... پہنچ تو گیا تھا کسی نہ کسی طرح...... اونگھتے ہوئے زینے طے کئے تھے لیکن لیبارٹری سے واپسی پر ایک بار پھر آئینہ دیکھا تھا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور جھلا کر کہا تھا ”معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

فریدی نے پلاسٹک کے ٹکڑے چپکا چپکا کر اس کی شکل اس حد تک تبدیل کر دی تھی کہ اُسے اپنی آنکھوں میں اجنبیت نظر آنے لگی تھی۔

نہ صرف صورت بدلی تھی بلکہ نام تک بدل گیا تھا۔ اب وہ کیپٹن ساجد حمید کی بجائے میجر سعید تھا اور اس کی جیب میں دو گھنٹے بعد والی فلائٹ کا ٹکٹ بھی موجود تھا۔ فریدی نے بتایا تھا کہ رام گڈھ کے ہوٹل فزارو میں اس کے لئے اسی نام پر کمرہ کل سے بک ہے۔ بس اُسے وہاں پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع دینی پڑے گی۔ ظاہر ہے اس نے مقصد معلوم کرنے کی کوشش ضرور کی ہوگی لیکن وہ اب بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

اسے عافیت اسی پر نظر آئی تھی کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے چپ چاپ اس پر عمل کرے۔ وہ فریدی تھا۔ اُسے گوشت کی کسی دوکان پر بٹھا کر قیمے کی مشین کا ہینڈل گھمانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

آخر کچھ دنوں پہلے تک وہ ایک لیڈیز ٹیلرنگ شاپ کی منیجری کرتا ہی رہا تھا۔ اس کا ہوئے بغیر کہ اس کا مقصد کیا ہے درزیوں اور درزنوں کے ساتھ سر کھپاتا رہا تھا۔ پھر اچانک ایک دن درزی خانے میں تالا پڑ گیا تھا اور حمید کو پھر یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس میں کام کر والوں اور والیوں کو زمین ہڑپ کر گئی تھی یا وہ عالم بالا کی طرف پرواز کر گئے تھے۔ ماہر نفسیات لڑکی رضیہ اکثر یاد آتی جس سے وہ خار بھی کھاتا تھا اور کسی قدر لگاؤ بھی محسوس کرتا تھا۔ پھر نے کتنا ہی سر مارا تھا کہ اس حماقت کے آغاز و انجام کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ فریدی اس کی بات صاف اڑا جاتا۔ بہرحال درزی خانے سے رام گڑھ کے ہوٹل تک پہنچنے کا وقفہ دو ماہ سے زیادہ نہیں تھا۔

ابھی فزارو کے سارے کمرے آباد نہیں ہوئے تھے، پھر بھی خاصی چہل پہل تھی۔

فزارو میں قدم رکھتے ہی اُسے اچانک ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس ذہنی جھٹکے کا سبب لڑکی تھی جسے رضیہ کے نام سے وہ پہلے ہی سے جانتا تھا۔ وہی ٹیلرنگ شاپ والی رضیہ جو 'نفسیات' پر بور کیا کرتی تھی۔

لیکن وہ رضیہ یہاں فزارو کے ڈائننگ ہال میں اور ہی دھج میں نظر آئی تھی۔ جدید ترین مغربی لباس میں تھی۔ سرخی پاؤڈر پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا۔ حالانکہ درزی خانے میں حمید نے اس کے چہرے پر کبھی پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ بھی نہیں دیکھی تھی۔ لپ اسٹک تو سرے استعمال ہی نہیں کرتی تھی لیکن اب خدا کی پناہ..... ہونٹ تھے یا خون کبوتر۔ آرائش گیسو کا اسٹائل بھی بدلا ہوا تھا۔ بہرحال حمید اس کو رضیہ باور کر لینے سے ہچکچایا بھی تھا۔

ویٹروں سے وہ انگریزی میں گفتگو کرتی تھی لہجہ ایرانیوں کا سا تھا۔ حمید کو تو خیر وہ یوں بھی نہ پہچان سکتی کیونکہ درزی خانے میں بھی وہ میک اپ ہی میں رہا تھا۔ وہ اسے بار بار آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا۔ کبھی سوچتا رضیہ ہی ہے کبھی خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ دو افراد میں اس قدر مشابہت بھی ممکن ہے کہ کارخانہ قدرت میں کوئی بات بھی انہونی نہیں۔

لیکن پھر اس کی ایک کمزوری بھی یکلخت مشاہدے میں آئی۔ رضیہ کچھ سوچتے وقت اپ

یں کان کو چٹکی میں دبائے آہستہ آہستہ مسلتے رہنے کی عادی تھی۔ لہٰذا یہ حرکت اب بھی جاری رہی۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنا یہ شغل دہراتی رہتی۔

بہرحال یہاں اس کی موجودگی پر حمید کو سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ٹیلرنگ شاپ میں وہ دن بھر اس سے الجھتی رہتی تھی۔ اکثر گاہکوں سے بھی لڑ بیٹھتی۔ حمید کو وہ پروقار عورت یاد تھی جس سے اس کا جھگڑا شلوار کی موریوں پر ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ موریوں میں بکرم نہیں رکھا گیا۔ رضیہ بضد تھی کہ عورت غلط کہہ رہی ہے۔

آخر کار دوسری لڑکی فرزانہ نے اس دن سے بکرم کا کام خود سنبھال لیا تھا اور پھر مستقل طور پر وہی اس فرض کو انجام دیتی رہتی تھی اور یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ اس کے بعد سے بکرم کے سلسلے میں کوئی شکایت نہیں آئی تھی۔

حمید کو خیال تھا کہ یہاں اس کی اجنبیت اس کے لئے سوہان روح بن جائے گی۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس کی شکل دیکھتے ہی کوئی نفسیاتی بکھیڑا کر بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن وہ تو اس کی طرف متوجہ تک نہیں ہوئی تھی۔

ہال تو اس وقت حمید فزارو کی دوسری منزل کی بالکنی پر کھڑا ڈوبتے ہوئے سورج کی رنگ افشانیوں میں کھویا ہوا تھا۔ بڑی خوبصورت شام تھی۔ پوری گھاٹی پر افق سے ابھرنے والے نارنجی رنگ کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔

دفعتاً اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس طوفان رنگ و نور کا کوئی حصہ اپنے سلسلے سے کٹ کر متحرک ہو گیا ہو۔ نارنجی رنگ کا وہ حصہ تیزی سے فزارو ہی کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ حمید نے گردن سے لٹکی ہوئی دوربین سنبھالی اور اُسے آنکھوں تک لایا۔

"اوہ...... واہ.....!" بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

وہ تو ایک دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ نارنجی رنگ کے کوٹ میں ملبوس..... اور جب دوربین کے شیشے پوری طرح ایڈجسٹ ہو گئے تو وہ گڑیا سی لڑکی بڑی دلکش نظر آئی۔ بہت ہی دلکش۔ اتنی دلکش کہ بے اختیار زبان سے "حق ہے" کا نعرہ سرزد ہو گیا۔

وہ فزارو کی حدود میں داخل ہوگئی تھی۔ لیکن یہ کیا..... کوئی اور بھی تو تھا جیسے وہ نا والی لڑکی کی بے خبری میں اس کے پیچھے لگ گئی ہو۔ کیونکہ نارنجی کوٹ والی لڑکی دفعتاً رک کر پیچھے مڑی تھی اور تعاقب کرنے والی اس طرح زمین پر جھک گئی تھی جیسے کوئی گر چیز اٹھا رہی ہو۔

نارنجی کوٹ والی لڑکی پھر تیزی سے عمارت کی طرف چل پڑی۔

تعاقب کرنے والی اب سیدھی کھڑی تھی۔ حمید نے دوبارہ شیشے ایڈجسٹ کئے ا پڑا۔ تعاقب کرنے والی وہی لڑکی رضیہ تھی۔ ایسی مشابہت ابھی تک تو اس کے تجربے آئی تھی کہ عادات واطوار تک ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہوں۔

یہ نارنجی کوٹ والی لڑکی جس کا تعاقب کررہی تھی ابھی تک فزارو میں نہیں دکھائی د ہوسکتا تھا کہ اس کے دوران قیام سے قبل وہاں آتی رہی ہو۔

اس نے اپنے کمرے میں واپس آکر دوربین رکھی اور نیچے جانے کی تیاری کرنے اس دبلی سی لڑکی کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ ڈائننگ ہال کی ایک میز پر نظر آئی۔ سامنے چائے دانی رکھی تھی۔ لڑکی کا چہرہ تھا۔ ایسا نہیں لگتا تھا کہ اُسے اس تعاقب کا علم رہا ہو۔

ڈائننگ ہال میں رضیہ کہیں نہ دکھائی دی اس وقت پورے ہال میں حمید سمیت صرف افراد تھے۔

حمید نے لڑکی کو چائے انڈیلتے دیکھا۔ کچھ عجیب سا چہرہ تھا اس کا جو کسی زاویئے بے حد معصوم نظر آتا تھا اور کسی زاویئے سے اس میں جہاندیدگی کی جھلکیاں بھی دکھائی د ہونٹوں میں رہ رہ کر ہلکی ہلکی جنبش ہوتی اور بالکل ایسا ہی لگتا جیسے ذہن میں چکرانے وال بات کو ہونٹوں تک آنے سے روک دینے کی کوشش کررہی ہو۔

حمید نے اپنے لئے اس کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی تھی اور اسے اچھی طرح سکتا تھا۔ چائے کی پہلی چسکی لے کر اس نے بُرا سا منہ بنایا اور شکر دان سے شکر نکالنے لگی۔

شکر ڈالنا بھول گئی تھی۔

خفیف سی مسکراہٹ اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھوں نے اس کے چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر پیدا کردیا تھا۔

وہ اُسے چائے پیتے دیکھتا رہا۔ کیا وہ کہیں باہر سے آئی ہے؟ اس نے سوچا لیکن باہر سے آئی ہوتی تو پیدل نہ ہوتی۔ اسٹیشن سے یہاں تک مسافت رکشے کے بغیر طے کرنا مشکل ہی تھا۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے میں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ اچھل پڑی۔ پیالی ہاتھ سے چھوٹ کر اس کے اوپر الٹ گئی تھی۔

اور دوسرے ہی لمحے میں بھلا حمید اس کے قریب کیوں نہ نظر آتا۔

"ٹھہریئے ٹھہریئے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "یونہی بیٹھی رہیئے، ورنہ یہ نامعقول چائے۔" پھر رومال جیب سے نکال کر اس کی طرف جھکا ہی تھا کہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شکریہ میں ٹھیک ہوں۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "یہ دھماکہ کیسا تھا۔"

"دھماکہ۔" حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کیسا دھماکہ۔"

"یہ بھی ہوا تھا۔"

"میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"دھماکے ہی کی بناء پر تو۔"

"اچھی بات ہے۔ ٹھہریئے۔ میں دیکھتا ہوں۔"

اتنی دیر میں کاؤنٹر کلرک اپنی جگہ سے غائب ہوچکا تھا۔ بقیہ تین آدمی بھی آواز کی طرف دوڑے گئے تھے۔

ہال میں اب ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

دفعتاً وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "ٹھہریئے..... میں تنہا رہ جاؤں گی۔"

"جی ہاں..... واقعی..... کیسی بھول ہونے والی تھی مجھ سے۔"

"وہ لوگ جو گئے ہیں معلوم ہی کرلیں گے۔"

"جی ہاں..... یہ بات تو ہے۔"

"کیا میں آپ کو خوفزدہ معلوم ہوتی ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ ایک باہمت لڑکی معلوم ہوتی ہیں۔"

"شکریہ۔ اب یہیں بیٹھ جائیے۔" نارنجی کوٹ والی نے کہا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ حمید رومال اس کے ہاتھ میں تھا جسے وہ اپنے کوٹ کے دامن پر پھیرے جارہی تھی اور وہ سوچ کہ لڑکیوں کے معاملے میں واقعی اس کے ستارے بے حد شاندار ہیں۔ لیکن وہ دھماکہ دھماکہ کیسا تھا۔ عمارت کے کسی قریبی ہی حصے سے آواز آئی تھی۔

ذرا ہی سی دیر بعد کاؤنٹر کلرک نے کاؤنٹر کے قریب کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا "پریشانی کی بات نہیں جناب۔ کچن میں ایک آئیل اسٹوو پھٹ گیا تھا۔ کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا

"اوہ.....!" لڑکی نے ایک طویل سانس لی اور خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

"دیکھا آپ نے۔" حمید نے اس سے کہا۔ "اسی لئے میں نے اس کی طرف توجہ د کا حق محفوظ رکھا تھا۔"

وہ پھر ہنس دی اور بولی۔ "میں نسلاً چنگیزی ہوں۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ کچھ دیر پہلے میں بہت خوفزدہ تھا۔"

"کیوں.....؟"

"آپ کو دیکھ کر ہیبت سی چھا گئی تھی مجھ پر۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل کے بغداد تاتاریوں نے ہلہ بول دیا ہو۔"

اس کی بے آواز ہنسی بڑی دلکش تھی۔

"یہ اسٹوو کیسے پھٹ جاتے ہیں؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا بوائیلر.....!"

"اسٹوو میں بوائیلر کا کیا کام.....!"

"نہیں ہوتا.....؟" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"قطعی نہیں۔"

"تب تو شاید میں جانتا ہی نہیں کہ اسٹوو کیا چیز ہے۔ پھر آپ کو کس طرح بتاؤں کہ کیسے پھٹ جاتا ہے۔"

"مجھے غصہ بہت جلد آجاتا ہے۔"

"اب تاوقتیکہ مجھے غصے کی صحیح تعریف نہ معلوم ہوجائے اپنی زبان بند ہی رکھوں گا۔"

"ارے.....!" وہ یک بیک چونک کر بولی۔ "آپ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کررہے ہیں..... کیوں؟ اپنی میز پر جائیے؟"

"بہت بہتر۔" حمید نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اپنی میز پر واپس آ گیا۔ وہ دوسری طرف دیکھتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔ نہ صرف مسکرائی بلکہ اٹھ کر سیدھی اسی کی میز پر چلی آئی۔

"اب آپ مجھے بھگا دیجئے۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "بدلہ ہوجائے گا۔"

"میں چنگیزی نہیں ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اوہو..... آپ تو سچ مچ بُرا مان گئے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"چہرے سے تو پریشانی نہیں ظاہر ہوتی۔"

"بس میں ہر وقت خود کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔"

"چیف پورٹ سے۔"

"شکاری ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کیا میں صورت سے شکاری لگتا ہوں۔"

"نہیں صورت سے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" وہ ہنس پڑی۔

"میں ایک بہت بڑے شکاری کا سیکریٹری ہوں۔"

"شکاری بھی سیکریٹری رکھتے ہیں۔"

"شکاری ہی تو سیکریٹری رکھتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"آپ یہیں مقیم ہیں۔" حمید نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں.....!"

"میں نے تو آج ہی دیکھا ہے۔"

"زیادہ تر اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہوں۔"

"آپ بھی باہر ہی سے آئی ہیں۔"

"جی ہاں.....نصیر آباد سے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میرے ڈیڈی جھکی ہیں۔ ورنہ اس میں یہاں کیوں آتے۔ رام گڈھ کی سردیاں تو رہ رہ کر پلٹتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لومڑیوں کے شکاری ابھی تک یہاں مقیم ہیں۔"

"شکاری ہیں۔"

"ارے نہیں۔ وہ بے چارے تو نصیر آباد کے نیشنل کالج میں کیمسٹری پڑھاتے ہیں۔"

"خوب.....!"

"آپ کو یقین نہیں آیا۔"

"بالکل آ گیا۔ نہ آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ کی آنکھوں میں بے اعتباری دیکھ رہی ہوں۔"

"آنکھوں پر نہ جائیے۔ یہ عموماً دھوکا ہی دیتی ہیں۔"

"میں لوگوں کی آنکھوں سے پہچان لیتی ہوں کہ وہ کیسے ہیں۔"

"اور اگر کسی بیچارے کی ایک ہی آنکھ ہو تو.....!"

"اوہ تو کیا میں سارے زمانے کی آنکھیں دیکھتی پھرتی ہوں۔"

"میری آنکھوں میں کیا نظر آیا آپ کو۔"

"آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ایک آنکھ پتھر کی ہے۔ واضح رہے۔"

"نہیں.....نہیں تو۔" وہ ہنس پڑی۔

"غور سے دیکھئے۔"

وہ آگے جھک آئی اور حمید نے بوکھلا کر کہا۔ "کہیں آپ کے ڈیڈی نہ آ جائیں۔ سیدھی بیٹھئے۔"

"ڈیڈی یہاں نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں ہیں۔"

"کیمسٹری کے سلسلے میں کوئی نیا تجربہ کر رہے ہیں۔ اس کے لئے فضا میں ایک مخصوص درجہ حرارت چاہئے اور وہ اس درجہ حرارت کی تلاش میں سطح سمندر سے کچھ اور اوپر چلے گئے ہیں۔ ان پہاڑوں پر جہاں اب بھی برف دکھائی دیتی ہے کیا سمجھے۔"

وہ مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہنسنے لگی۔

"آپ کو یہاں تنہا چھوڑ گئے ہیں۔"

"میں تنہا کب ہوں۔ اتنے لوگ اور موجود ہیں۔"

"میں نے یہاں ایک غیر ملکی لڑکی بھی دیکھی ہے۔" حمید نے کہا۔ "غالباً ایرانی ہی ہو سکتی ہے۔"

"اونہہ.....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"کیوں؟ کیا آپ کو اس کا تذکرہ بھی ناگوار گذرا ہے۔"

"بالکل۔ مجھے نک چڑھے لوگ پسند نہیں۔ وہ بہت مغرور معلوم ہوتی ہے۔"

"مغرور..... یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ۔"

"میں نے ایک آدھ بار اُسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا رویہ توہین آمیز ہو گیا تھا۔"

"اوہ.....تو کیا اس نے آپ سے گفتگو کرنا پسند نہیں کیا تھا۔"

"بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔"

''ممکن ہے اُسے اردو نہ آتی ہو۔''

''تو کیا آپ نے اُسے اردو میں مخاطب کیا تھا۔''

''انگریزی آتی ہے آپ کو۔'' حمید نے چڑانے کے لئے حیرت ظاہر کی۔

''اب آپ میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''آپ غلط سمجھیں۔ دراصل آپ صورت سے یعنی کہ..... کہنے کا مطلب یہ کہ آ
شکل بالکل مولویوں جیسی ہے اس لئے میں نے سوچا۔''

''یہ مولویوں جیسی شکل کیسی ہوتی ہے۔'' اس نے قدرے ترش لہجے میں پوچھا۔

''مولویوں جیسی..... یعنی کہ بس..... مولویوں جیسی۔''

اس اجمال کی تفصیل حمید کے بس سے باہر تھی۔ اس لئے ہکلانا ہی پڑا۔ اس پر لڑ
کئی ایسے مولویوں کے نام گنوائے جنہیں انگریزی آتی تھی۔ لہٰذا حمید نے تسلیم کر لیا کہ ا
شکل مولویوں جیسی نہیں تھی۔

''مجھے ایسے لوگ پسند نہیں جو مولویوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔'' لڑکی نے جھلائے ہ
لہجے میں کہا۔

حمید نے یہ سوچ کر بات اڑا دینی چاہی کہ بعض لوگ مذہب کے معاملے میں ب
جذباتی ہوتے ہیں۔

''نہیں آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ غلط راستے پر ہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''بھلا آپ کو میرے راستے کا علم کیونکر ہوا۔''

''آپ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتے ہیں جو مولویوں کی جہالت کا ماتم کرتے ہ
اپنی لاشوں پر سے بھی گذر جاتے ہیں۔''

''بھئی یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ویسے یہ ڈائیلاگ تھا کچھ فلمی انداز کا۔''

''کیا آپ فلمیں بہت دیکھتی ہیں۔''

''یقیناً دیکھتی ہوں۔ پھر.....!''

''آپ غلط رستے پر ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''مولویوں سے پوچھئے۔''

وہ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر ہنس کر بولی۔ ''دراصل میں بہت باتونی ہوں کئی دنوں سے کوئی ملا نہیں تھا۔''

وہ خواہ مخواہ ہنستی رہی۔

''اچھا تو اب ہم اس ایرانی لڑکی کے بارے میں باتیں کریں گے۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''کیوں..... کیوں.....!''

''وہ یہاں کب سے مقیم ہے۔''

''میں کیا جانوں۔ جب میں آئی تھی تو اُسے یہیں دیکھا تھا۔''

''اسی دن یا دوسرے دن۔''

مجھے یاد نہیں۔ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''میری نظروں میں اس کی کیا اہمیت ہے کہ اس طرح یاد رکھتی۔''

''کیا خیال ہے۔ وہ تنہا ہی ہے یا اور کوئی بھی اس کے ساتھ ہے۔''

''ارے تو کیا میں اس کی ٹوہ میں رہتی ہوں۔''

''قدرتی بات ہے محترمہ۔ اس کا سلوک آپ سے اہانت آمیز تھا۔''

''میں جوتے کی نوک پر مارتی ہوں ایسوں کو۔ میں کیوں رہنے لگی ٹوہ میں۔''

''خیر..... خیر..... گولی ماریئے۔''

''میں شکاری نہیں ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''اچھا اگر وہ آپ کی ٹوہ میں رہتی ہو تو پھر.....!''

''میں کہتی ہوں اس کا قصہ ختم کیجئے۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔''

''ختم..... ختم..... بالکل ختم.....!''

"میں نے بھی آپ کو آج سے پہلے یہاں نہیں دیکھا۔ آپ کب سے مقیم ہیں۔" ا(س) نے پوچھا۔

"کئی دن سے۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے ڈ(یڈی) نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی تھی کہ اپنے کمرے ہی تک محدود رہوں۔"

"تو میرے ہی ڈیڈی نے کب دی ہے؟" وہ پھر جھنجھلا گئی۔

"درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ خدا آپ کو بھی سطح سمندر سے کافی اونچائی پر پہنچائے۔"

"میں اب قطعی نہ بولوں گی۔"

"پھر آپ کس قسم کی باتونی ہیں۔"

وہ سچ مچ کچھ نہ بولی۔ چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔

"اب میں شدت سے بور ہو رہا ہوں۔" حمید کچھ دیر بعد بولا۔

"کیوں.....؟"

"کس سے باتیں کروں۔"

وہ ہنس پڑی۔ حمید کو عجیب سی لگی وہ لڑکی۔ موڈ تبدیل ہونے میں دیر ہی نہیں لگتی تھ(ی)۔ ابھی شکن ہے ماتھے پر اور ابھی آنکھیں کنول کی طرح کھل گئیں ان میں مسرت ناچنے لگی۔

"دفعتاً وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔"

"ڈیڈی.....!" وہ اس کی چیخ ہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

اجنبی

صدر دروازے میں ایک عجیب الخلقت آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس کا قد پونے پانچ فٹ (سے) زیادہ نہ رہا ہوگا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ نحیف الجثہ بھی تھا۔

لیکن سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ اس کا پورا چہرہ ڈاڑھی سمیت خون سے تر تھا۔

دو آدمی سہارا دیئے ہوئے اس کو ڈائننگ ہال میں لا رہے تھے۔

"ڈیڈی..... یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہوا" وہ پھر چیخی۔

"ادھر ہٹئے۔" حمید نے اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "آپ دیکھ نہیں ہیں کہ وہ خود سے چل بھی نہیں سکتے۔ کمرے کی طرف چلئے۔"

حمید محسوس کر رہا تھا کہ بوڑھے پر نیم بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہے۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کچھ بجھائی نہ دے رہا ہو۔ ان کا کمرہ بھی دوسری ہی منزل پر تھا اس لئے بوڑھے کو ہاتھوں پر اٹھا کر زینے طے کئے گئے۔

کمرے میں پہنچ کر لڑکی نے بڑی تیزی سے بستر درست کیا۔ فزارو کا منیجر بھی ان کے ساتھ یہاں تک آیا تھا اور بوڑھے کو گہری تشویش کے ساتھ دیکھتا رہا تھا۔

"یہ ہوا کیسے.....؟" اس نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا جو پروفیسر کے ساتھ آئے تھے۔

"یہ ہمیں بھرتو نالے کے قریب پڑے ملے تھے۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہوش میں تھے انہوں نے خود ہی ہمیں یہاں کا پتہ دیا تھا۔"

حمید نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ اب بستر پر چت پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ حمید نے منیجر سے کہا۔ "ڈاکٹر کو فون کیجئے۔"

"میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"کیا کہا..... کیا مطلب.....!"

"ارے صاحب آپ اپنا کام کیجئے۔ آپ سے کیا سروکار.....!"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"بالکل ہوش میں ہوں اور آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی مت کیجئے۔"

حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ ویسے منیجر کا لہجہ اُسے اتنا گراں گزرا تھا کہ شاید اُسے مار

بیٹھتا لیکن اس بے تکی سچویشن کو سمجھنا بھی تو تھا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" لڑکی بولی۔

"کیا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"یہ ڈیڈی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"آپ لوگ براہِ کرم میرے ساتھ آیئے۔" منیجر نے دروازے کی طرف بڑھتے کہا۔ اشارہ ان دونوں کی طرف بھی تھا جو بوڑھے کو یہاں تک لائے تھے۔ حمید نے مناسب سمجھا کہ فی الحال اسی کے مشورے پر عمل کیا جائے، معاملات کو سمجھنا بھی تو تھا۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ لڑکی یہ نہیں چاہتی۔ کم از کم وہاں اس کی موجودگی کی متمنی نہ... نے لاپروائی سے شانے جھٹکائے اور منیجر کے پیچھے چل پڑا۔

پھر وہ تینوں منیجر کے آفس میں داخل ہوئے۔ لیکن حمید کے قدم ٹھٹکے تھے۔ رضیہ موجود تھی۔ ایک آرام کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔

"اوہ آپ یہاں ہیں۔" منیجر نے انگریزی میں حیرت ظاہر کی۔

"ہاں آں.....!" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "ادھر نکلی آئی تھی۔ تم نہیں... کتاب اٹھالی اور دیکھنے لگی۔ کیا یہاں میری موجودگی غیر ضروری ہے۔"

"نہیں..... نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں آپ بیٹھئے۔" منیجر جلدی سے بولا۔

رضیہ..... رضیہ..... حمید ایک بار پھر الجھن میں پڑ گیا۔ یہ سو فیصدی رضیہ کی آواز... صرف لہجہ بدلا ہوا تھا وہ پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔

منیجر نے ان دونوں سے پوچھا۔ "آپکی دانست میں اسکا معاوضہ کم سے کم کتنا ہونا چا..."

"ہمارے بیس روپے خرچ ہوئے ہیں یہاں تک لانے میں۔"

منیجر نے میز کی دراز سے دس دس کے تین نوٹ نکالے اور ان کی طرف بڑھاتا ہوا...

"تیس لے جایئے شکریہ۔"

ایک نے ہاتھ بڑھا کر روپے لئے اور انہیں جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "میرا پتہ لکھ لیجئے۔ گر پولیس وغیرہ کا کوئی چکر ہو تو ہمیں بلوا لیجئے گا۔"

"وہ سب ٹھیک ہے۔" منیجر نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ دونوں چلے گئے اور حمید نے محسوس کیا کہ منیجر اسے اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"اب آپ فرمایئے جناب۔" بالآخر اس نے اُس سے پوچھا۔

"میں آپ سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔" حمید کا جواب تھا۔

"کیا سننا چاہتے ہیں۔"

"یہ سب کیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔"

"تین دن سے۔"

"ان لوگوں کو کب سے جانتے ہیں۔"

"آپ کو اس سے کیا سروکار۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"پس ثابت ہوا کہ آپ ان لوگوں کو صرف تین دن سے جانتے ہیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"میں تین سال سے جانتا ہوں۔" منیجر میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

"اے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔"

"کیا تم لوگ جھگڑا کر رہے ہو۔" رضیہ نے چونک کر انگریزی میں پوچھا۔ اس کے ...ے پر پراسیمگی کے آثار تھے۔

"جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" منیجر نے دانت نکال دیئے۔

"آپ مجھ سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے اُسے پھر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"آپ سے کیا گفتگو کروں۔ جایئے آرام کیجئے۔"

"ابھی میرے آرام کا وقت بہت دور ہے۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں کہتا ہوں آخر آپ.....!''

''بس.....!'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہاں پتہ نہیں ڈرامہ ہو رہا ہے۔ کیا یہ آپ کا فرض نہیں ہے کہ آپ اس حادثہ کی اطلاع پولیس کو دیں۔

''آپ سے مطلب.....!'' منیجر نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''اچھا تو اب میں خود ہی.....!''

''جی.....جی.....تو پھر آپ خود ہی.....کیا.....؟''

حمید نے محسوس کیا کہ وہ ایک نروس قسم کا آدمی ہے۔ اس کی دونوں ہاتھ کانپ اور مضطربانہ انداز میں میز پر رکھی ہوئی چیزوں کی جگہیں تبدیل کر رہا تھا۔

''میں خود ہی اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دے دوں گا۔'' حمید نے پرسکون لہجے

''پھر آپ جائیے۔ جب تک وہ زخمی آدمی خود ہی اپنی کیفیت بتانے کے قابل نہ ہو آپ کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''مجھے کون روکے گا۔''

''میں کہتا ہوں آپ کو اس سے کیا۔ سب سے زیادہ فکر اس کی لڑکی کو ہونی چاہئے

''لڑکیاں فکر کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوئیں۔ انہیں بے غم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر اسی سے جا کر پوچھئے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں اُسی سے پوچھوں گا۔''

''ہرگز نہیں۔ آپ میرے کسی بھی گاہک کے آرام میں خلل نہیں ڈال سکتے۔''

''کون روکے گا مجھے۔''

''دیکھئے.....دیکھئے حضرت میں نہیں جانتا آپ کون ہیں۔ لیکن یہ نہ بھولئے کہ بہت ہی خطرناک قسم کے شکاری بھی مقیم ہیں جن سے میں دوستانہ تعلقات رکھتا ہوں۔''

''بہت خوب.....میں ان کی زیارت سے بھی محروم نہ رہوں گا۔'' حمید نے طنزیہ

کہا۔ وہ یہاں کے شکار اور شکاریوں سے بخوبی واقف تھا۔ سردیوں بھر یہاں بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار ہوتا ہے۔ ملک کی تجارتی فرموں کے ملازم پیشہ ور شکاری اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں مخالفتیں بھی ہوتی ہیں۔ پھر رائفلوں کا رخ لومڑیوں کی طرف سے آدمیوں کی طرف پھر جاتا ہے۔ شکاریوں کی تعداد کم ہوتی رہتی ہے لیکن لاشیں تو اسی وقت ملتی ہیں جب برف پگھلتی ہے۔

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پھر بولا۔ ''اب یہیں بیٹھ کر کسی شکاری کا انتظار کروں گا۔ ویسے جب میں شکار کھیلتا ہوں تو یہ نہیں دیکھتا کہ شکار ہونے والا منیجر ہے یا باورچی۔''

''آپ میری توہین کر رہے ہیں۔'' منیجر غرایا۔

لیکن حمید کچھ کہے بغیر رضیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بدستور کتاب میں مستغرق تھی۔ چہرے سے ہرگز مترشح نہیں ہوتا تھا کہ وہ ان کی گفتگو سنتی اور سمجھتی رہی ہے۔ لہٰذا ایک بار پھر حمید کو سوچنا پڑا کہ کہیں وہ اس کے بارے میں غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں۔

''آپ کی تعریف.....!'' دفعتاً حمید نے کنکھیوں سے رضیہ کی طرف اشارہ کر کے منیجر سے پوچھا اور منیجر متحیرانہ انداز میں منہ کھول کر رہ گیا۔ پھر حمید کسی قدر مسکرایا اور بائیں آنکھ بھی دبائی بس پھر کیا تھا۔ منیجر کی حیرت جھلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

''صاحب آپ کس قماش کے آدمی ہیں۔'' اس نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا موضوع کی تبدیلی پسند نہیں آئی آپ کو۔'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''خدا کے لئے تشریف لے جائیے ورنہ.....!''

''ورنہ کیا.....؟''

''ورنہ یہ کہ ہم اپنے بزنس کے حقوق محفوظ رکھتے ہیں۔ کسی لمحہ بھی آپ کو ہوٹل چھوڑ دینے کا نوٹس مل سکتا ہے۔''

''کون نوٹس لیتا ہے ایسی باتوں کا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھورتا رہا۔

"تعارف ہو جائے تو کیسی رہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"یہ عیاشی کا اڈا نہیں ہے۔ تشریف لے جایئے۔" اس بار اس نے بہت زیادہ غ
مظاہرہ کیا۔

"اے جناب۔ خود کو قابو میں رکھیئے کیا میں کوئی عیاش آدمی ہوں۔"

"دی مین از اے سوشل اینمل..... دوسروں سے جان پہچان پیدا کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا

"میں کہتا ہوں تشریف لے جایئے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"میں آپ دونوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کیا مطلب.....؟" وہ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

"پلیز.....!" رضیہ کی ہم شکل اچھل پڑی۔ "میں اختلاج قلب کی مریضہ ہوں۔"

"میں خمیرہ مروارید لاؤں۔" حمید نے چہک کر پوچھا۔ لیکن وہ بُرا سا منہ بنائے ہ
پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔ سچ مچ بے حد مغرور معلوم ہوتی تھی۔

"اب آپ چلے ہی جایئے۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ اس کے ہاتھ اب
زیادہ کانپنے لگے تھے۔

حمید نے سوچا بات نہ بڑھانی چاہئے۔ پتہ نہیں فادر ہارڈ اسٹون نے اسے یہاں
مقصد کے تحت بھیجا ہو۔

جب وہ دروازے سے گزر رہا تھا منیجر نے پھر اُسے بلند آواز میں مخاطب کیا۔
وارننگ ہے کہ اس وقت انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دروازے سے گزر گیا۔

بہر حال بات الجھن پیدا کرنے والی تھی۔ نہ تو اس نے خود ہی زخمی کے لئے طبی
فراہم کی تھی اور نہ یہی چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اس معاملے میں دخل اندازی کرے۔

حمید پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا۔ اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہال کی ز
میزیں آباد ہو چکی تھیں۔

وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کاؤنٹر کلرک اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے جا رہا تھا۔
ید نے اپنے تمباکو کی پاؤچ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کبھی پرنس ہنری بھی ٹرائی کیجئے۔"

"شکریہ جناب..... اچھا ہاں۔ تعریف سنی ہے اس برانڈ کی...... بہت بہت شکریہ۔"

وہ پاؤچ سے تمباکو نکال کر اپنی ناک کے قریب لے گیا اور پھر اُسے پائپ میں بھرتا ہوا
بولا۔ "عمدہ چیز ہے۔ یہاں تو ملتی ہی نہیں۔"

"کیوں صاحب! اگر یہ اپنا دیسی تمباکو پائپ میں جلایا جائے تو کیسی رہے۔ لیکن وہ تو
ایک ہی کش میں بھک سے اڑ جائے گا۔ پتہ نہیں پائپ کے تمباکو میں نمی کیسے پیدا کرتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا اور کاؤنٹر کلرک خاموش ہو کر پائپ سلگانے لگا۔ کچھ دیر بعد حمید نے
پوچھا۔ "یہ آئیل اسٹوو کیسے پھٹ گیا تھا۔"

"پتہ نہیں جناب۔"

"اوہ..... خوب یاد آ گیا۔ وہ کون صاحب تھے۔ زخمی تھے پتہ نہیں اب کیا حال ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ شائد آپ بھی ان کے ساتھ اوپری منزل پر گئے تھے۔"

"ہاں آں..... گیا تھا۔ اس سے قبل اس لڑکی ہی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن میں ان
لوگوں کو جانتا نہیں۔ اُنکے ناموں سے بھی واقف نہیں۔ لڑکی سے کچھ دیر پہلے ہی ملاقات ہوئی تھی۔"

"بڑی شریف لڑکی ہے۔" کاؤنٹر کلرک بولا۔

"پتہ نہیں بھلا اتنی جلدی کیسے رائے قائم کی جا سکتی ہے۔" حمید نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں تو جانتا ہوں۔ یہ لوگ ہر سال سردیوں میں آتے ہیں۔"

"شکاری ہیں۔"

"نہیں جناب۔ اسی پر تو مجھے حیرت ہے۔ وہ زخمی جسے آپ نے دیکھا تھا یعنی لڑکی کا
باپ نصیر آباد کے کسی کالج میں پروفیسر ہے۔ پروفیسر ندیم چنگیزی..... عالم آدمی ہے۔ بھلا اسے
لومڑیوں کے شکار سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن سردیاں گذارتا ہے یہاں۔"

"جی ہاں.....ابھی تک تو یہی دیکھنے میں آیا ہے۔"

"لڑکی بھی ساتھ ہوتی ہے؟"

"جی ہاں.....وہ بھی ہوتی ہے۔لیکن آج تک میں نے اُسے رنگ رلیوں میں نہیں دیکھا۔"

"اس کا بھی کوئی ایسا ہی نام ہوگا۔تبسم چنگیزی۔مجسم چنگیزی وغیرہ۔"

"پتہ نہیں۔ویسے بوڑھا اُسے مونی کہہ کر پکارتا ہے۔"

"ممکن ہے اصل نام معینہ ہو۔"

"معینہ تو خوبصورت نام نہیں کہلایا جاسکتا۔" کلرک نے بجھے ہوئے پائپ کو ... ہوئے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔"بڑی حیرت کی بات ہے کہ ابھی تک زخمی کے ... میڈیکل ایڈ نہیں آئی۔"

"لیکن اس کے باوجود وہ صبح کو بالکل تروتازہ نظر آئے گا۔"

"کیا پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔"

"پچھلے سال کم از کم پندرہ بار ایسی ہی غیر معمولی حالتوں میں باہر سے واپس آیا تھا۔"

"اچھا تب تو اس نے خود ہی منیجر کو اس سے متعلق کچھ مخصوص ہدایات دے رکھی ہوں گی۔"

"کیسی مخصوص ہدایات۔"

"یہی کہ اگر وہ خراب حالت میں واپس آئے تو اُسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔میڈیکل ایڈ وغیرہ کی فکر قطعی نہ کی جائے۔"

"ہوسکتا ہے جناب۔میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں۔مجھے غیر ضروری باتوں کی فکر قطعی نہیں ہوتی۔اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔آپ ایک بااصول آدمی ہیں۔"

"اصول کی تو بات ہی نہ کیجیے۔اب یہی دیکھ لیجیے پورے بیس سال سے معمول ہے کہ صبح اٹھ کر پہلے گرم پانی سے غرارے کرتا ہوں اور پھر سرسوں کے تیل سے دانت مانجھتا ہوں۔آج تک دانتوں میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔"

"سرسوں کے تیل کا کیا کہنا۔میرا خیال ہے کہ یہاں کسی سے ان کی شناسائی بھی نہ ہوگی۔"

"کس کی شناسائی۔"

"پروفیسر اور اس کی لڑکی کی بات کررہا تھا۔"

"میں نے اس پر غور نہیں کیا۔لیکن ٹھہریئے۔" وہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔"اکثر اجنبیوں سے میں نے بوڑھے کو گفتگو کرتے دیکھا ہے۔"

"اجنبی.....اجنبیوں سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"یہی کہ وہ قیام کرنے والوں میں سے نہیں ہوتے۔"

"اچھا.....اچھا.....سمجھ گیا۔"

کچھ دیر کے لئے وہ پھر خاموش ہوگئے۔حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"آپ تو غالباً شکاری بھی نہیں ہیں۔" کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

"نہیں میں ایک شکاری کا دوست ہوں۔شکاری صاحب ابھی یہاں نہیں پہنچے۔"

"لیکن اب تو سیزن ختم ہورہا ہے۔"

"دراصل اگلے سال یہاں شکار کھیلے گا۔فی الحال امکانات کا جائزہ لے گا۔"

"شکار ہی شکار ہے جناب یہاں۔امکانات کا کیا سوال۔میں آپ کے دوست کو ایک پرانے اور مقامی شکاری سے ملوادوں گا۔"

حمید نے اپنے سر کو جنبش دے کر اظہار تشکر کیا اور نہایت پرتفکر لہجے میں بولا۔"میں اس بوڑھے پروفیسر کے لئے پریشان ہوں۔پتہ نہیں کس حال میں ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے جناب! آپ کے ساتھ منیجر صاحب بھی تھے اور مجھ سے یا آپ سے زیادہ اس سلسلے میں انہیں تشویش ہونی چاہیے۔"

"اسی بات کا تو غم ہے کہ انہیں بھی تشویش نہیں۔"

"بس تو پھر آپ بھی بے فکر ہو جایئے۔"

حمید نے طویل سانس لی اور غمناک انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سر جھکا

"صاحب آپ واقعی بہت رحم دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تو کوئی شکاری
میں ایسی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔ خون بہتا ہی رہتا ہے۔ لاشیں گرتی ہی رہتی ہیں۔"

"میرے دوست نے ان اطراف میں کبھی شکار نہیں کھیلا۔"

"تب پھر وہ کھیل بھی نہ سکیں گے۔ یہاں سے لے کر ٹیکم گڈھ تک یہی کچھ ہ
اس سیزن میں نہ کوئی چیخوں پر چونکتا ہے اور نہ خون بہتے دیکھ کر کسی کے کان پر جوں رینگتی

"بھئی کس مصیبت میں آ پھنسا۔" حمید نے اکتاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لئے یہیں کافی منگوا دیجئے۔ کھانا اپنے کمرے میں کھاؤں گا۔ آہا..... اور وہ

"کونسی لڑکی جناب۔ اچھا سمجھ گیا۔ آپ کا اشارہ شاید اُن ایرانی خاتون کی طرف

"ایرانی.....؟ لاحول ولا قوۃ..... میں ترک سمجھا تھا۔"

"جی نہیں..... ایران سے آئی ہیں۔ مصنفہ ہیں۔ بھلا سا نام ہے۔"

"ٹھہریئے..... رجسٹر میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کلرک رجسٹر کی ورق گردانی کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "نا
اتنا ہی حسین ہے یاسمین قزلباش۔"

"حسین ہے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا نہیں ہے؟" کلرک آہستہ آہستہ بے تکلف ہوتا جا رہا تھا۔

"ہٹاؤ یار..... مجھے تو یاسمین کے نام پر ہمیشہ نفتھلین کی گولیاں یاد آ جاتی ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" کلرک نے بڑے خلوص سے تشویش ظاہر کی۔

دفعتاً پروفیسر کی لڑکی مونی دکھائی دی جو تیزی سے اُسی طرف آ رہی تھی۔ نہ صرف
نے بلکہ کاؤنٹر کلرک نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ وہ ان کے قریب پہنچ کر رکی اور باری

دونوں کی طرف دیکھا۔

"پروفیسر اب کیسے ہیں..... کچھ بولے۔" حمید نے پوچھا۔

"پہلے سے بہتر ہیں۔ لیکن خاموش۔ میرے کمرے میں خوب گرم کافی بھجوایئے اور فون
کرایئے۔ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے خواہ مخواہ دوڑ کر نیچے آنا پڑا۔"

"یہ تو بہت بُری بات ہے۔" حمید نے کاؤنٹر کلرک کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آپ بے فکر رہیں۔ کافی بھی بھجواتا ہوں۔"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بے تکلفی سے فرمایئے۔" حمید نے مونی سے کہا۔

"شکریہ۔ فی الحال کچھ نہیں۔ آپ کا کمرہ بھی تو غالباً اسی لائن میں ہے۔ اگر ضرورت
پڑی تو ضرور تکلیف دوں گی۔"

حمید نے اس واقعے کے متعلق فوری طور پر پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چلی گئی۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد حمید اپنے کمرے میں پہنچا تھا۔

دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی ضرور آئے گی۔

تھوڑی ہی دیر بعد باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی کمرے کے سامنے ہی رُکا۔

دروازے میں پردہ لٹک رہا تھا اس لئے حمید اُسے دیکھ نہ سکا۔

"آ جاؤ..... میں موجود ہوں۔" اس نے اونچی آواز میں کہا۔

پردہ ہٹا۔ لیکن ساتھ ہی حمید کو بھی اچھل کر کھڑا ہو جانا پڑا..... وہ مونی نہیں تھی۔ ایک قد
آور مرد تھا خونخوار آنکھوں والا۔ پردہ ہٹا کر بڑے اطمینان سے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا مطلب.....؟" حمید اسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔

"تمہاری اجازت سے آیا ہوں..... اس لئے کسی جھگڑے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا
تم کسی کے منتظر تھے۔"

"لیکن اس کرم فرمائی کا مطلب۔ ظاہر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔"

"بس اتنا کہنے آیا تھا کہ لڑکی سے دور ہی رہنا۔"

"کس لڑکی کی بات کر رہے ہو۔"

"مونا چنگیزی..... پروفیسر ندیم چنگیزی کی لڑکی۔"

"میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔"

"حالانکہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تم کاؤنٹر کے قریب اس سے گفتگو کرتے رہے
شائد تم نے یہ شام بھی اسی کے ساتھ گزاری تھی۔"

"اچھا وہ..... تمہارا بہت شکریہ۔" حمید خوش ہو کر بولا۔ "بڑا پیارا نام ہے۔ اس
اپنا نام نہیں بتایا تھا۔"

آنے والے نے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "سنجیدگی اختیار کرو
تمہاری لاش تک کا پتہ نہ چلے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس طرح تو کفن کے پیسے بھی بچیں گے اور میں اُن
پرائز بانڈ خرید لوں گا۔" حمید نے زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا
آنے والے نے دل ہی دل میں فوری طور پر کوئی فیصلہ کیا ہے۔

پھر وہ اس کی چھلانگ کی زد پر کیسے آجاتا۔ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا تھا اور حملہ
منہ کے بل فرش پر جا گرا تھا اور دوبارہ اٹھنے ہی والا تھا کہ خود حمید نے اس پر چھلانگ لگائی۔
آور کی پیشانی فرش سے ٹکرائی۔ اس ٹکراؤ سے پیدا ہونے والی آواز نے کمرے کی محدود فضا
اچھی خاصی گونج پیدا کی تھی۔

"میجر سعید۔ مجھے لوگ میجر سعید کہتے ہیں۔" حمید اُسے فرش پر رگڑتا ہوا بولا۔ اس کی گر
میں قینچی ڈال دی تھی اور مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا۔ حملہ آور کی پیشانی فرش ہی سے لگی رہی۔

مرنے والا

پھر فرش سے ٹکرانے کا عمل جاری ہی تھا کہ حمید نے مونا کی آواز سنی۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔"

"یقیناً.....!" حمید نے اس بار زیادہ قوت صرف کی تھی۔ مغلوب کی قوت مدافعت
ختم ہوگئی۔ ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

"یہ..... یہ..... کک..... کیا ہو رہا ہے؟" مونا کی آواز اس بار قریب سے آئی تھی۔

حمید اپنے شکار کو چھوڑ کر ہٹ گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ لیکن حمید کا خیال تھا کہ اُس
نے مصلحتاً ہاتھ پیر ڈال دیئے ہیں۔

مونا حیرت اور خوف کے زیرِ اثر کھڑی کانپتی رہی۔

"تم..... تم.....!" اس کی زبان سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

"فکر نہ کرو۔" حمید نے جھک کر بے ہوش آدمی کو چت کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ لڑکھڑاتی ہوئی کئی قدم پیچھے ہٹ
گئی۔ خوفزدہ آنکھوں میں اعتراف شناسائی کی جھلکیاں بھی موجود تھیں۔

"یہ کون ہے؟" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"م..... یہ..... مل..... لیکن..... یہ یہاں کیوں آیا تھا.....؟"

"دھمکی دینے کہ اگر اب میں نے تم سے ملنے کی کوشش کی تو میرا سر توڑ دے گا۔"

"اوہ.....!"

"لہٰذا مجھے اس کے جغرافیے سے واقف ہونا چاہئے۔"

"خدا کے لئے تم چپ چاپ یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... میری بات مانو۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ یہاں کئی آدمی ایسے ہیں جو اس
کے لئے جہنم کا دہانہ کھول دیں گے۔"

"خوب.....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"میں کہتی ہوں ہوش میں آؤ۔ فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔"

"مناسب یہ ہے کہ اس کے ہوش میں آنے سے قبل تم ہی یہاں سے چلی جاؤ اور میری

فکر نہ کرو۔"

"میرے خدا..... میں کیا کروں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں تھپتھپا

"کیا تم ہماری ہلاکت کا باعث بننا چاہتے ہو۔"

"مونا..... پلیز..... گٹ آؤٹ۔" حمید نے دروازے کی جانب ہاتھ ہلا کر کہا۔

"دیکھو..... خدا کے لئے۔"

"جاؤ۔" وہ غصیلے لہجے میں کہہ کر اُس کی طرف جھپٹا۔ مونا بوکھلا کر دروازے کی مڑ گئی۔

پھر اُس کے باہر نکل جانے پر حمید نے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔

ویسے یہ احساس اب بھی ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھا کہ وہ راہداری م دروازے کے سامنے ہی رک گئی ہے۔

اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بیہوش آدمی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جامہ تلاشی کے نتیجے میں ایک بھرا ہوا ریوالور اور ایک پرس اُس کے پاس سے برآ تھا۔ پرس میں معمولی رقم اور کچھ کاغذات تھے۔

حمید اس کے دوبارہ ہوش میں آنے کا منتظر تھا۔

ریوالور گود میں رکھے بیٹھا سوچ رہا تھا کوئی خطرناک کھیل معلوم ہوتا ہے۔ آخر یہ ل کیوں نہیں چاہتے کہ بوڑھے کو طبی امداد مل سکے۔ پہلے منیجر نے دھمکیاں دی تھیں پھر کا کلرک اسی مسئلے پر بڑی لاپروائی سے گفتگو کرتا رہا تھا اور اب یہ۔

بیہوش آدمی نے کراہ کر کروٹ بدلی تھی۔ حمید نے ریوالور سنبھال لیا۔ جس کا رخ اُ طرف تھا۔

اجنبی کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں۔

یک بیک وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

حمید ریوالور کی نال کلائی پر رکھے اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"میں تمہیں اُس کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی سکتا ہوں۔" اُس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ اجنبی چپ چاپ اٹھا اور میز کے قریب والی کرسی پر جا بیٹھا۔

حمید نے کہنا شروع کیا۔ "میں قطعی نہیں جانتا کہ وہ لڑکی کون ہے یہ بھی نہیں جانتا کہ تم سے اُس کا کیا تعلق ہے۔ سرِ شام میں نے ایک زخمی آدمی کو دیکھا تھا جسے دو آدمی سہارا دے کر یہاں لائے تھے۔ لڑکی اُس وقت میری ہی میز پر تھی۔ اُس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس کا باپ تھا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ اجنبی بھی خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔ کبھی کبھی اُس کی آنکھیں حمید کے چہرے سے ہٹ کر ریوالور کی نال پر جا ٹھہرتیں۔

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" حمید تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ "یہاں کے لوگ یہ کیوں نہیں چاہتے کہ بوڑھے کو میڈیکل ایڈ ملے۔"

"میرے لئے یہ ایک بالکل ہی نئی اطلاع ہے۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا تمہیں منیجر نے میرے خلاف نہیں اکسایا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اُسے اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ اس ہوٹل کا منیجر ہے۔"

"پھر تم مجھ پر کیوں چڑھ دوڑے۔"

"میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مرد مونا سے قریب ہونے کی کوشش کرے۔"

"اور اس کے لئے تم اس حد تک بھی جا سکتے ہو۔"

"یقیناً.....!"

"لیکن اگر اس کا باپ مر رہا ہو تو اس کیلئے طبی امداد تک فراہم کرنے کے روادار نہیں۔"

"مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔ میں نے صرف اتنا سنا تھا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔"

"کہاں سے واپس آ گیا ہے؟"

"پتہ نہیں۔ تین دن پہلے کہیں باہر گیا تھا۔"

"کیا وہ تمہیں جانتا ہے۔"

"نہیں.....وہ مجھے نہیں جانتا۔"

"تو تم اُسے مرجانے دو گے۔"

"میں کچھ بھی نہیں جانتا اس بارے میں۔ اگر میں اس کے لئے کچھ کرنا بھی چاہوں تو مونا اس پر تیار نہیں ہوگی۔ وہ مجھ سے بے اندازنفرت کرتی ہے۔"

"یہ کیوں.....؟"

"یہی دستور ہے دنیا کا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "جنہیں اپنانا چاہو وہ بھاگتے ہیں جن کی پرواہ نہ کرو وہ سائے کی طرح ساتھ لگے رہتے ہیں۔"

"ہوں.....اُوں.....!" حمید نے سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"میں اُس وقت سے اس کے پیچھے ہوں جب وہ صرف دس سال کی تھی۔"

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" حمید بولا۔ "ایسی کیفیت میں زندگی گزارنے والے شہید کہلاتے ہیں۔ اگر اسی کیفیت میں شادی بھی ہوجائے تو جورو کے غلام کہلانے لگتے ہیں۔"

"تم آخر ہو کون.....؟" اجنبی نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"سعید.....میجر سعید کہلاتا ہوں۔ نہ ابھی تک شہادت کے درجے پر فائز ہو سکا ہوں اور نہ ڈومیسٹک کمیشن ہی لیا ہے.....لہٰذا.....!

ویسے تم کوئی شریف ہی آدمی معلوم ہوتے ہو۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بعض مجبوریاں اکثر بُرا بھی بنا دیتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"نصیر آباد کے معزز ترین آدمیوں میں میرا شمار ہے۔ عام طور پر لوگ میرے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں لیکن اس فعل پر میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہیں کرسکتا۔"

"کس فعل پر.....!"

"یہی مونا والا معاملہ.....!"

"پروفیسر سے شادی کی درخواست کرو۔"

"لیکن وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ متنفر ہے مجھ سے۔ اوہ میرے خدا.....تم نے مجھ کو بتایا تھا کہ پروفیسر کو طبی امداد کی ضرورت ہے.....اور کچھ لوگ اس میں حارج ہو رہے ہیں۔"

"یہاں کا منیجر.....!"

"مجھے کچھ کرنا چاہئے۔ لاؤ میرا ریوالور واپس کردو۔ وہ غیر قانونی طور پر نہیں رکھا گیا ہے۔ میرے پاس.....اوہ.....میرا پرس بھی۔"

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ حمید نے پرس اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"گن لو اپنی رقم.....!"

لیکن اُس نے اُسے ہاتھوں پر روک کر جائزہ لئے بغیر جیب میں ڈال لیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ بہت مطمئن نظر آ رہا ہے۔ ہر چند کہ ریوالور کا رخ اب بھی اُسی کی طرف تھا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ریوالور ہال میں پہنچ کر تمہارے حوالے کردوں گا۔"

"میں بہت بُرا ہوں۔ لیکن کینہ توز نہیں.....!" اجنبی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر اس نے ریوالور اُسے واپس دیتے ہوئے کہا۔ "کیا اب تم منیجر کے کمرے میں چلو گے۔"

"نہیں! اُس سے پہلے میں کسی ڈاکٹر کو لاؤں گا۔ منیجر سے بعد میں نپٹوں گا۔"

"اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ کئی خطرناک قسم کے شکاری میری راہ میں حائل ہوں

گے۔اگر میں نے پروفیسر کو ڈسٹرب کرنے کی کوشش کی۔''

''خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔'' اجنبی غرایا۔''آؤ.....میرے ساتھ۔''

پھر وہ تیزی سے منیجر کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

منیجر اپنے کمرے میں تنہا ملا۔ ایرانی مصنفہ یاسمین قزلباش یا حمید کی دانست میں رضیہ وہاں نہیں تھی۔

اجنبی اور منیجر ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر منیجر کی نظر حمید پر پڑی اور اُس نے ک کر پوچھا۔''فرمائیے.....میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

''پروفیسر ندیم چنگیزی کیلئے میڈیکل ایڈ کیوں نہیں فراہم کی گئی۔'' اجنبی نے تیز لہجہ میں کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ.....!''

''شٹ اپ.....میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں۔''

''میں اس کا پابند نہیں ہوں۔ ہوٹل کا انتظام میری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ جناب۔ اگر آپ کو ہمدردی ہے پروفیسر سے تو جائیے اور کیجئے میڈیکل ایڈ کا انتظام۔ اگر کوئی حادثہ پیش بھی آیا ہے تو وہ ہوٹل کی حدود سے باہر.....میرے فرائض کی حدود سے پروفیسر کی لڑکی چاہتی تو خود ہی میڈیکل ایڈ حاصل کرسکتی تھی۔ سب مجھ ہی سے پوچھنے دوڑے آتے ہیں۔ جہنم میں گیا پروفیسر اور اس کے معاملات۔''

''میں نے سنا ہے کہ تم نے انہیں دھمکی دی تھی۔'' اجنبی نے حمید کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''ضرور دی تھی۔ کیونکہ انہوں نے یہاں بیٹھی ہوئی ایک معزز خاتون کے لئے کچھ نا الفاظ استعمال کئے تھے۔''

''برجستہ جھوٹ.....خدا کے غضب سے ڈرو۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''اگر وہ خاتون اردو سمجھ سکتی ہوتیں تو بتاتا۔''

''تم مجھ سے گفتگو کرو۔'' اجنبی پھر غرایا۔

''جناب.....آپ کا لہجہ۔''

''اچھی بات ہے۔ اب پولیس ہی تم سے سب کچھ پوچھ لے گی۔''

''میں کہتا ہوں آخر.....!'' یک بیک منیجر کے چہرے سے احساس بے بسی کا اظہار ہونے لگا۔

''میں جو کچھ بھی کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ ضرور پولیس کی مدد حاصل کیجئے۔ میں کہہ رہا ہوں جاکر پروفیسر کی لڑکی سے بات کیجئے۔ اس کی موجودگی میں مجھے کیا حق حاصل ہے کہ میں کچھ کرسکوں۔''

''اچھی بات ہے۔ میجر سعید۔'' اجنبی نے حمید سے کہا۔''آپ یہیں ٹھہرئیے۔ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔''

''یہاں.....یعنی منیجر کے آفس میں۔''

''جی ہاں.....میں اس معاملے کو سمجھنا چاہتا ہوں۔''

وہ باہر چلا گیا۔ حمید اور منیجر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''میں بری الذمہ ہوں پیارے۔'' حمید کچھ دیر بعد مسکرا کر بولا''اس آدمی کا تو میں نام تک نہیں جانتا۔''

''میں سب سمجھتا ہوں۔''

''کیا سمجھتے ہیں۔''

''آپ سب مل کر میری زندگی کے خواہاں ہوگئے ہیں۔''

''تو آپ ایسا کیوں سمجھتے ہیں۔''

''پتہ نہیں۔ یہ بوڑھا مردود یہیں کیوں آمرتا ہے۔ میں کثیر العیال اور دل کا مریض ہوں۔ خدا رحم کرے میرے حال پر۔''

''جب یہ بات ہے تو اس قسم کی ذمہ داریاں کیوں لیتے ہیں اپنے سر۔'' حمید نے بڑے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ بس اندھیرے میں ایک تیر پھینکا تھا اس توقع پر کہ نتیجہ کارآمد ہی ثابت ہوگا۔

منیجر چند لمحے ہانپتا رہا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔''تین سال پہلے کی بات ہے

یہ بوڑھا پہلی بار یہاں آیا تھا۔ جس رات آیا تھا اُسی رات کو کچھ لوگ زبردستی مجھے کمپاؤنڈ میں اٹھا لے گئے تھے۔ جہاں لے گئے تھے وہاں ایک سیاہ پوش پہلے سے موجو مجھے دیکھتے ہی اُس نے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور کہا کہ میں اس بوڑھے پروفیسر کو اچھی ذہن نشین کرلوں۔ جب بھی وہ فزارو میں قیام کرنا چاہے مجھے اس کے لئے کمرہ مہیا پڑے گا۔ خواہ ہوٹل کے اسٹاف ہی کے کسی آدمی کا کمرہ کیوں نہ خالی کرانا پڑے۔ پھر بڑ دھمکیوں کے ساتھ دوسری ہدایت ملی تھی۔''

منیجر خاموش ہوکر ہانپنے لگا۔ حمید اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ منیجر جھو بول رہا۔

''دوسری ہدایت کیا تھی۔'' اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہی جو میرے لئے پھانسی کا پھندہ بن گئی ہے۔ لیک بوڑھے کو کوئی حادثہ پیش آئے تو حتی الامکان اُسے پولیس سے دور ہی رکھا جائے۔ یا ح میڈیکل ایڈ بھی اُس وقت مہیا کی جائے جب پروفیسر یا اس کی بیٹی خود اس کی خواہش کریں۔ اس سلسلے میں جو بھی اخراجات ہوں ان کا حساب الگ رکھا جائے۔ ادائیگی پائی پا حساب کرکے دی جائے گی اور میں بھگت رہا ہوں۔ بھگت رہا ہوں۔ پتہ نہیں کب تک بھگتنا پڑ

''ایک بار اس نے دھمکایا تھا اور آپ تین سال سے وہی سب کچھ کرتے چلے آرہے ہیں

''جی نہیں۔ بوڑھے کے دوران قیام میں اکثر وہ سامنے آتا رہتا ہے۔ ابھی پچھلی را ہی میری خواب گاہ میں داخل ہوا تھا۔ پتہ نہیں کس طرح دروازے کے قفل تک کھول لیتا ہے

''ہوں.....!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''کیا اُس نے یہ ک کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا نہ جائے۔''

''یقیناً کہا تھا۔ لیکن میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اب میں کہیں رو ہر جاؤں گا۔ میرے خدا کیسی بھیانک زندگی ہے۔ کیسی بھیانک زندگی ہے اور وہ ایرانی عور میں اُس سے بہت زیادہ خائف ہوں۔''

''کیوں.....اُس سے کیوں خائف ہیں۔''

''بے حد پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُسی سیاہ پوش سے کسی قسم کا تعلق ضرور رکھتی ہے۔ یقیناً یہی بات ہے۔ میں کیا کروں.....میں کیا کروں۔''

حمید نے محسوس کیا کہ اب اُسے اپنے اعصاب پر قابو نہیں رہا۔ پورا جسم بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''ہے تو.....لیکن میں کیا کروں؟''

''آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر اُسے معلوم ہوگیا تو وہ کیا کرے گا۔''

''مجھے پھر اُسی طرح اٹھوا لے جائے گا اور اذیتیں دے کر ہلاک کردے گا۔ یہی نہیں بلکہ میرے خاندان والے بھی اُس کے مظالم سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔''

''یہی دھمکی دی تھی اُس نے۔''

''جی ہاں۔''

''تب میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ آرام کیجئے۔ میں ساری رات آپ کے کمرے کی نگرانی کروں گا۔''

''لیکن میرے خاندان کے دوسرے افراد شہر میں رہتے ہیں اُن کا کیا ہوگا۔''

''ارے تو اُسے معلوم ہی کیسے ہوگا کہ آپ یہ سب کچھ مجھے بتا چکے ہیں۔''

''لیکن وہ صاحب تو پروفیسر کے لئے ڈاکٹر لانے گئے ہیں۔ اُس کا کوئی مخبر اُس تک اس کی اطلاع پہنچا دے گا۔''

''خیر اس کے لئے بھی کچھ کرلیا جائے گا۔ ویسے آخر یہ بوڑھا پروفیسر ہے کیا بلا۔''

''خدا اُسے غارت کرے۔ یقین کیجئے آج تک اس سے زیادہ گفتگو کا موقع نہیں ملا۔ ضروری باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔''

''ہمیشہ سردیوں میں آتا ہے۔''

"جی ہاں۔" منیجر نے خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا آہستہ بولئے۔"

"دروازہ بند کردوں.....!" حمید نے پوچھا۔

"نن.....نہیں.....کھلا رہنے دیجئے۔"

"میری موجودگی میں خود کو محفوظ سمجھئے۔ میں بھی ایک ماہر نشانہ باز ہوں۔ فوجی ہوں۔"

"میرے مرنے کے بعد آپ نے دس لاشیں گرا بھی دیں تو کیا۔"

"خیر.....کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ بوڑھا سردیوں میں یہاں کیوں آتا ہے۔"

"میں قطعاً کچھ نہیں جانتا۔ خدا کے لئے اب اس تذکرے کو ختم کر کے مجھے سوچنے دیجئے کہ اب کیا ہوگا۔"

"سوچئے۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

منیجر تھوڑی دیر تک سر پکڑے بیٹھا رہا پھر بولا۔ "آخر میں کیا سوچوں۔ میرے بعد سے کیا ہوگا۔ وہ یقیناً میرے خاندان والوں کو پریشان کرے گا۔ مجھے مار ڈالے گا۔ بے حد خوفناک آدمی ہے۔ آواز ہے اُس کی یا شیر کی دھاڑ۔ خدا کی پناہ۔ وہ جب بھی یاد آتا ہے اس کی آواز کانوں میں ضرور گونجتی ہے۔"

"آپ تو مجھے بھی دہلائے دے رہے ہیں جناب۔" حمید نے کہا۔

منیجر ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی اجنبی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک اور بھی تھا۔ چھوٹا سا بیگ ہاتھ میں لٹکائے ہوئے۔

"میں ڈاکٹر لے آیا ہوں۔" اُس نے حمید سے کہا۔ "لیکن میرا جانا مناسب نہیں۔ تم جاؤ۔ لیکن وہاں ٹھہرو گے نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے کرسی سے اٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور ڈاکٹر سے بولا۔ "میرے ساتھ آئیے جناب۔"

پروفیسر کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔ کسی نے دروازہ کھولا۔ رموتا کا خوفزدہ چہرہ نظر آیا۔

"تم.....!" اُس نے سرگوشی کی۔ "کیوں.....لیکن کیوں؟"

"ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔ اپنے ڈیڈی کو دکھائیے۔" حمید نے کہا اور ڈاکٹر کیلئے راستہ چھوڑتا ہوا بولا۔ "کچھ دیر ضرور ہوگئی لیکن یہی مناسب رہے گا کہ آپ اپنا اطمینان کرلیں۔"

اُس نے لڑکی کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھے۔

"میری موجودگی ضروری نہیں؟" حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔ "میں وہیں منیجر کے آفس میں آپ کا منتظر رہوں گا۔"

پھر لڑکی نے شاید کچھ کہنے ہی کے لئے ہونٹ ہلائے تھے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔

"سب ٹھیک ہے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "شب بخیر۔"

وہ پھر منیجر کے کمرے میں واپس آ گیا۔ اجنبی وہیں موجود تھا۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر کو وہاں چھوڑ آیا ہوں۔" حمید بولا۔

"شکریہ۔" اجنبی نے کہا اور سامنے والی دیوار پر نظر جمائے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ حمید نے منیجر کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ہونٹوں پر پپڑیاں سی نظر آنے لگی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد تھوک نگلنے کی "ٹرچ" صاف سنائی دیتی۔

"اب آپ لوگ بھی آرام فرمائیں۔" اُس نے یک بیک بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آرام.....!" حمید نے حیرت سے کہا اور اجنبی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی منیجر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

"میں ڈاکٹر کی واپسی کا منتظر ہوں۔" اُس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ ضرور آرام کیجئے۔" اجنبی کا لہجہ زہریلا تھا۔ "غالباً آپ ڈاکٹر کی رپورٹ نہیں سننا چاہتے۔"

"میں کیوں نہ سننا چاہوں گا" منیجر کی آواز میں جھلاہٹ بھی تھی اور بے بسی بھی۔

اجنبی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے فی الحال کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس لئے خاموش ہی رہا۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ منیجر کو سچ مچ آرام کی ضرورت ہے۔

''ہم ہال میں بھی ڈاکٹر کا انتظار کرسکتے ہیں۔'' حمید نے اجنبی سے کہا۔

''نہیں.....یہیں کریں گے۔ مجھے یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ آخر یہ سب ہوا کیوں؟''

منیجر نے پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ اس شریف آدمی کو سچ مچ آرام کی ضرورت ہے۔'' حمید نے کہا۔

اجنبی جواب دینے کی بجائے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

''کیوں.....؟'' اجنبی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''حالت مخدوش ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''آپ لوگوں نے بہت دیر کر دی۔ غیر معمولی طور پر خون ضائع ہوا ہے۔ یہاں تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا انہیں آپ سنٹرل ہاسپٹل لے جائیں۔''

''سنا تم نے.....!'' اجنبی منیجر کی طرف مڑ کر دھاڑا۔

اور وہ غریب کرسی سمیت الٹتے الٹتے بچا۔

''جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کیجئے۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''کہئے تو میں یہیں سے ایمبولینس کا کے لئے فون کردوں۔ جلد سے جلد ہاسپٹل لے جایئے۔''

''یقیناً فون کر دیجئے۔'' اجنبی نے منیجر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''اب میں دیکھتا ہوں کہ کس طرح جواب دہی کرتے ہو۔''

منیجر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ جسم کا رعشہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔

ڈاکٹر فون پر نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

حمید محسوس کررہا تھا کہ اب شاید خود منیجر کو بھی طبی امداد کی ضرورت پیش آجائے۔ ہوا

بھی۔ ڈاکٹر ماؤتھ پیس میں ایمبولینس کے لئے کہہ رہا تھا کہ منیجر کا سر کرسی کی پشت گاہ سے ڈھلک گیا۔ دونوں ہاتھ ادھر اُدھر جھول گئے۔

''اب اسے بھی دیکھئے۔'' حمید نے پرسکون لہجے میں ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

''یہ.....یہ کیا مطلب.....!'' ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے ڈاکٹر کا ہاتھ کانپ گیا۔ پھر وہ جھپٹ کر منیجر کے قریب پہنچا۔

''میرے خدا.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ تو.....یہ تو ختم ہوگیا۔''

''کیا.....؟'' اجنبی بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''سڈن ہارٹ فیلیور.....!''

''پ.....پھر کیا ہوگا.....؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا اور باتھ روم کی طرف روانہ ہوگیا۔

اجنبی اور حمید خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ پھر حمید ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہوا۔ قریبی پولیس اسٹیشن کے نمبر اسے یاد تھے۔ رابطہ قائم ہونے میں دیر نہ لگی۔

''بوڑھے کے بارے میں کچھ نہ کہنا۔'' اجنبی جلدی سے بولا۔ ''ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

حمید نے سر کو جنبش دی اور منیجر کے فیلیور کے بارے میں کہتا رہا۔

اجنبی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ حمید ریسیور رکھ کر اس کی طرف مڑا۔

''کیوں.....؟'' اُس نے پوچھا۔ ''بوڑھے کے متعلق بھی بتا دینے میں کیا حرج تھا۔''

''پھر تمہیں یہ بھی بتانا پڑتا کہ بوڑھے کے متعلق اتنی دیر میں کیوں اطلاع دی گئی۔''

''تو تم بوڑھے کو ہسپتال پہنچاؤ گے۔''

''اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے۔''

''ہسپتال والے پولیس کے علم میں لائے بغیر داخل نہ کریں گے کیونکہ وہ زخمی ہے۔''

حمید نے کہا۔ ''اور پھر یہ ڈاکٹر.....!''

''اس ڈاکٹر کو میں دیکھ لوں گا۔''

''جیسا مناسب سمجھو۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور وہ منیجر کی
دیکھنے لگا۔ مرنے کے بعد اُس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے
نے اس کے خاندان والوں کے لئے ہمدردی محسوس کی اور سوچنے لگا کیا یہاں اُس کی
ان واقعات سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ یہ سب کچھ اتفاقاً پیش آیا ہے۔

''آخر یہ اس طرح مر کیوں گیا؟'' اجنبی کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

''اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ پروفیسر کے لئے میڈیکل ایڈ کی مخالفت کرتا
میڈیکل ایڈ آئی تو اس حد تک احتجاج کیا کہ دنیا ہی سے چلا گیا۔''

''مخالفت کی کوئی وجہ بھی بتائی تھی۔''

''کچھ بھی نہیں۔ تمہاری عدم موجودگی میں یہی تو معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔
سب بے سود۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' اجنبی نے سر کو جنبش دے کر کہا۔

لیکن حمید نے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہ دیکھے۔

کشمکش

دوسرے دن گیارہ بجے تک پروفیسر ندیم چنگیزی کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ہسپتال میں اسے
مسلسل آکسیجن دی جارہی تھی۔ اُسے جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور مونا کو وہاں اس کے پاس
رہنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

حمید سے ٹکرانے والا اجنبی ہر وقت ہسپتال ہی کے کسی نہ کسی حصے میں دیکھا جاتا۔ حمید

ہیں تھا۔ لیکن اس نے کوشش کی تھی کہ اجنبی کی نظر اُس پر نہ پڑنے پائے۔

ہوٹل کے منیجر کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے روک لی گئی تھی۔ اُس کے سلسلے میں پولیس نے
ہوٹل میں بہت ہی سخت قسم کی پوچھ گچھ کی تھی۔ یاسمین قزلباش بھی اس سے بچی نہ رہ سکی۔
کسی نے کہہ دیا ہوگا کہ وہ زیادہ تر منیجر کے آفس میں دیکھی جاتی رہی تھی۔

بہرحال پولیس نے سختی سے تاکید کی تھی کہ لاش کا پوسٹ مارٹم ہوجانے سے قبل کوئی بھی
ہوٹل کی رہائش ترک نہ کرے۔

پروفیسر ندیم چنگیزی کے بارے میں ابھی تک کوئی سوال نہیں اٹھا تھا۔ وہ ایک بہت زیادہ
بیمار آدمی کی حیثیت سے ہسپتال میں پہنچایا گیا تھا۔ ویسے حمید کے خیال کے مطابق یہ بھی ممکن تھا
کہ اس پراسرار اجنبی نے اپنی حکمت عملی کی بناء پر کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہونے دیا ہو۔ ڈاکٹر نے تو
پچھلی رات ہی اپنا بیان دیتے وقت پروفیسر یا اس کی علالت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ
یہ اجنبی ہی کے اشارے پر ہوا ہوگا۔ ورنہ ڈاکٹر کی موموجودگی میں بھی منیجر سے اس مسئلے پر بحث
ہوچکی تھی۔

یہ اجنبی کون ہے؟ کیا بلا ہے آخر۔ حمید سوچ رہا تھا۔ دفعتاً ایک نئے شبہے نے ذہن میں
سر ابھارا..... کہیں اجنبی بھی تو وہی مقصد نہیں رکھتا جس کے لئے منیجر کی جان گئی۔ منیجر یہی تو
چاہتا تھا کہ پروفیسر کا معاملہ پولیس تک نہ پہنچ سکے اور اجنبی کی مداخلت کی بناء پر وہ ہسپتال تو
پہنچ گیا تھا لیکن پولیس کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے پائی تھی۔

تو کیا یہ اُسی سیاہ پوش کا کوئی گرگا ہوسکتا ہے۔

اسی نہج پر سوچتے ہوئے حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ اجنبی کے علم میں لا کر مونا سے ملنے کی
کوشش کرے گا۔

اور پھر جنرل وارڈ کے صدر دروازے پر دونوں کا ٹکراؤ ہو ہی گیا۔

''تم کہاں جارہے ہو۔'' اجنبی نے راستہ روکتے ہوئے کہا۔

''اندر.....!'' حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"دیکھو.....مجھ سے نہ الجھو.....ورنہ پچھتاؤ گے۔"

"میں لڑکی ہی سے پروفیسر کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اُسے ابھی ہوش نہیں آیا۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں مونا ہی سے اس کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔"

"کیا پچھلی رات والا تلخ تجربہ یاد نہیں رہا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"پچھلی رات میں کسی قدر نشے میں تھا۔"

"اچھی بات ہے.....اب تم جب تک اپنا میڈیکل سرٹیفکیٹ نہیں لاؤ گے میں تمہیں ماروں گا۔"

"خاموش رہو۔" اجنبی کی بھویں تن گئیں۔

"واہ پیارے۔" حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "ہم کو بعض اوقات غصے پر قطعی پیار نہیں آ

"تو پھر مجھے تمہارا بھی انتظام کرنا ہی پڑے گا۔"

"تم کیا کرسکو گے میرا انتظام۔ منسٹری آف ڈیفنس نے تو یہ کیا تھا میرا انتظام کہ مجھ مستعفی ہو جانے کی درخواست کی تھی۔"

"اوہو.....تو نکالے گئے تھے۔" یک بیک اجنبی کا رویہ بدلتا محسوس ہوا۔

"جناب.....!" حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتا ہوا بولا۔

"کیوں نکالے گئے تھے۔"

"بہتیری چھوٹی چھوٹی وجوہات تھیں۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے اپنے کرنل بیوی سے عشق ہو گیا تھا۔ اور وہ بھی چودھویں کے چاند میں چرخے اور بڑھیا کی بجائے تصویر دیکھنے لگی تھی۔"

"خوب.....!" وہ حمید کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہوا بولا۔ "تو اب ذریعہ معاش کیا؟"

"بدمعاشی۔"

"وضاحت کرو۔"

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" حمید کا موڈ یک لخت بدل گیا۔

"کیا مطلب.....؟"

"میں مونا کے پاس جا رہا ہوں۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

"میں یہاں جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن تمہیں دیکھ لوں گا۔" اجنبی ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

حمید دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اُسے بیڈ نمبر کا علم تھا۔ اس لئے ٹھیک اسی جگہ پہنچ کر رکا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ بوڑھا چت پڑا تھا۔ آکسیجن کے سلنڈر سے ربڑ کی نلکی اس کے چہرے تک آئی تھی اور اس کا سینہ معمول کے مطابق پھول پچک رہا تھا۔

مونا بستر کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے چہرے پر اضمحلال کے علاوہ اور کسی قسم کا تاثر نہیں پایا جاتا تھا۔

حمید کو دیکھ کر وہ چونک پڑی تھی اور پھر حمید کے شانے سے اُس کے عقب میں دیکھا تھا۔ ایسا کرتے وقت دیکھنے کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ آنکھوں میں سہم جانے کی سی کیفیت پائی جاتی تھی۔

حمید پھرتی سے مڑا اور سچ مچ اس کا خون کھولنے لگا۔ وہی اجنبی اُس سے دو یا تین فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

وہ پھر مونا کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں تمہارے لئے بہت دکھی ہوں مونی بتاؤ میں کیا کروں۔"

مونا کچھ نہ بولی لیکن اُس کی آنکھوں سے جھانکنے والے خوف میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"کس وقت ہوش آیا تھا پروفیسر کو۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

مونا نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ زبان سے پھر بھی کچھ نہ کہا.....

"اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے کہو۔" حمید نے کہا۔ اب اُس نے اجنبی کی طرف پشت پھیر لی تھی۔

"کک..... کچھ نہیں۔" وہ ہکلائی۔ اب بھی حمید کے شانے کے اوپر دیکھ رہی تھی

دفعتاً حمید نے پھر اُس کی آنکھوں میں تغیر سا محسوس کیا اور ساتھ ہی کوئی ٹھوس چیز کمر سے آ لگی۔

حمید نے مڑے بغیر انکھیوں سے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔ اجنبی اُس سے لگا کھڑا تھا۔

"دروازے کی طرف۔" اجنبی سرد لہجے میں بولا۔

وہ ٹھوس چیز ریوالور کی نال کے علاوہ اور کیا ہوسکتی تھی۔ ریوالور اجنبی کے کوٹ کی جیب میں تھا اور نال جیب ہی سے چھوئی جارہی تھی۔

حمید بے چون و چرا دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اس کی اور اجنبی کی رفتار میں کوئی فرق نہیں تھا اور ریوالور کی نال بدستور کمر سے لگی ہوئی تھی۔

جنرل وارڈ سے نکل کر انہوں نے طویل برآمدہ طے کیا۔ اسی طرح عمارت سے ہوتے ہوئے سڑک پر نکل آئے۔

حمید خاموش تھا اور اس کے ہونٹ مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد کتھئی رنگ کی ایک چھوٹی سی کار کھڑی نظر آئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھدا سا آدمی بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے سگار پھینک دیا اور تھوک کی پچکاری مارتا ہوا گاڑی سے اُتر آیا۔

پھر اُن کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ اُسی نے کھولا تھا۔ حمید کو اسی طرح گاڑی میں بیٹھنا پڑا اور بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ ریوالور کی نال کا دباؤ اپنے پہلو میں محسوس کرتا رہا۔

"کیا ارادے ہیں۔" حمید نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"کسی ویرانے میں پہنچ کر بات کریں گے۔" اجنبی غرایا۔

"دیکھو دوست۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "میں کہتا ہوں..... خیر جانے دو۔ مجھے دیکھنا ہے کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اپنا مطمع نظر تو میں تم پر پہلے ہی واضح کر چکا ہوں۔"

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

حمید نے پھر ہونٹ بھینچ لئے۔ اب اُسے پوری طرح یقین ہوگیا تھا کہ معاملہ محض رقابت سے تعلق نہیں رکھتا۔ پروفیسر بے ہوش ہے اس سے کچھ پوچھا نہیں جاسکتا۔ مونا ہی کسی قسم کی معلومات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا کسی غیر متعلق آدمی کا اس تک پہنچنا کسی نامعلوم آدمی یا خود اسی اجنبی کو پسند نہیں۔

اس کی نظر عقب نما آئینے پر پڑی۔ پیچھے کئی اور گاڑیاں بھی تھیں۔ سڑک اتنی کشادہ نہیں تھی کہ گاڑیاں برابر سے چل سکتیں۔ لہٰذا جب بھی اس کار کی رفتار کم ہوتی پچھلی گاڑیوں کے ہارن چنگھاڑنے لگتے۔

اچانک ایک دوراہے پر پہنچ کر کار بائیں جانب مڑ گئی۔ کچھ دیر بعد حمید نے یونہی بغیر ارادہ پھر عقب نما آئینے کی طرف دیکھا۔ اب بھی ایک گاڑی پیچھے نظر آرہی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور آنے والے لمحات کے بارے میں سوچنے لگا۔

دفعتاً پچھلی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ یہ سڑک کسی قدر کشادہ تھی۔ اس کار کی رفتار کچھ کم ہوئی اور پچھلی گاڑی کو راستہ دینے کے لئے ایک طرف کرلیا گیا۔

دوسری گاڑی برابر سے گزری چلی گئی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسی کار سے ہارن دینے کی ضرورت پیش آگئی جس میں حمید سفر کررہا تھا۔ ڈرائیور پے درپے ہارن دیتا رہا۔ لیکن اگلی گاڑی نے نہ تو راستہ ہی دیا اور نہ اس کی رفتار ہی تیز ہوئی۔

"پاگل ہوگیا ہے مردود۔" اجنبی غرایا۔

"فائر کردو پچھلے کسی وہیل پر۔" حمید نے مشورہ دیا۔

"شاید یہی کرنا پڑے۔" اجنبی نے کہا۔ پھر یک بیک چونک کر حمید کو گھورنے لگا۔

ڈرائیور نے پھر ہارن دیا لیکن بے سود۔ اگلی گاڑی پہلے ہی کے سے انداز میں چلتی رہی۔

"تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔" حمید بولا۔

"تمہیں یہاں کتنے لوگ جانتے ہیں۔"

"تم جانتے ہو۔ مونا جانتی ہے اور تیسرا تو چل ہی بسا۔"

"اگلی گاڑی میں کون ہے؟"

"غالباً لیڈی ماؤنٹ بیٹن.....!"

"سنجیدگی اختیار کرو۔ ورنہ ٹریگر دب جائے گا۔" اجنبی نے کہا اور حمید بائیں پہلو ریوالور کی چبھن کچھ اور زیادہ محسوس کرنے لگا۔

"میں نہیں جانتا۔ اور سنو..... اگر یہ سب کچھ محض مونا کی وجہ سے ہو رہا ہے تو یقین کہ میں اب اُس سے کبھی نہ ملوں گا۔"

"اب اتنی آسانی سے گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔" اجنبی نے طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"یعنی..... کیا مطلب.....!"

"اب میں یہ دیکھوں گا کہ تم حقیقتاً کون ہو۔"

"اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا..... تمہیں تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔" اجنبی نے کہا۔ پھر جھلائے ہوئے لہجے میں ڈرائیور سے بولا۔ "کھکھیڑ..... کھکھیڑ۔"

حمید اس بے معنی لفظ پر چونکا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ سمجھ بھی سکتا اگلی کار کے داہنی جانب ایک دھماکہ ہوا اور وہ بائیں جانب دبتی چلی گئی۔

اس کار کے ڈرائیور نے ڈیش بورڈ کے خانے سے کوئی چیز نکال کر پھینکی تھی۔ اب دوبارہ وہی کرنے جا رہا تھا۔

پھر دھماکہ ہوا لیکن اس بار اگلی گاڑی بائیں جانب دبنے کی بجائے سڑک پر آڑی ہو کر رک گئی اور ڈرائیور کی سیٹ سے کسی نے چھلانگ لگائی۔

حمید والی گاڑی کے ڈرائیور نے پورا بریک نہ لگایا ہوتا تو وہ اگلی گاڑی سے جا ٹکرائی ہوتی۔ صرف دو فٹ کے فاصلے پر رکی تھی۔

پھر دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ اسکے بائیں پہلو پر اجنبی کے ریوالور کا دباؤ ختم ہو گیا۔

اجنبی کا ریوالور والا ہاتھ اب کھڑکی کے باہر تھا۔ اُس نے اگلی کار کے ڈرائیور کو کور کر رکھا تھا۔

حمید والی گاڑی کا ڈرائیور نیچے اُتر کر اگلی کار کے ڈرائیور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یک بیک حمید کو ہوش آ گیا اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے اجنبی پر ٹوٹ پڑا۔ ریوالور والے ہاتھ پر خاص طور سے دھیان دیا تھا۔ لہٰذا ریوالور سڑک پر جا پڑا۔

ڈرائیور دوسرے ڈرائیور کی طرف جانے کی بجائے تیر کی طرح ریوالور کی طرف جھپٹا تھا۔ لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی وہ ریوالور کو اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا۔ دوسری گاڑی کے ڈرائیور کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ چیختا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔

اور پھر نہ اٹھ سکا۔ دونوں ہاتھوں سے ٹھوڑی دبائے ہوئے پیر پٹختا رہا۔

ادھر حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا حریف بھی کمزور نہیں ہے اور اُس نے اپنے بارے میں غلط نہیں کہا تھا کہ وہ پچھلی رات پئے ہوئے تھا۔

دفعتاً باہر سے آواز آئی۔ "تم لوگ بھی اُتر آؤ۔ ورنہ خون ہو جائے گا ایک آدھ کا۔"

حمید نے محسوس کیا کہ اجنبی ڈھیلا پڑ گیا ہے۔

دوسری گاڑی کا ڈرائیور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں حمید نے اجنبی کا ریوالور بھی دیکھا۔

اُس نے اجنبی کو دھکا دیا اور وہ سڑک پر جا پڑا لیکن پھر فوراً ہی تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

حمید گاڑی میں بیٹھا رہا۔ اُس نے محسوس کیا کہ دوسری گاڑی کے ڈرائیور کی توجہ اس کی طرف تھی بھی نہیں۔ وہ تو صرف اجنبی کو کور کئے کھڑا تھا اور اجنبی کی گاڑی کا ڈرائیور تو اس طرح سر ڈال کر پڑا تھا کہ پھر جنبش ہی نہ کی۔ پتہ نہیں بیہوش ہو گیا تھا یا یونہی بنا پڑا تھا۔

"تم لوگوں نے یہ پٹاخے کیوں پھینکے تھے۔" اگلی کار کا ڈرائیور غرایا۔

یہ ایک قد آور اور توانا جسم کا آدمی تھا۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور ڈرائیوروں والی وردی میں ملبوس تھا۔

"تم ہمیں راستہ کیوں نہیں دے رہے تھے۔" اجنبی نے سخت لہجے میں کہا۔

"اس پر تم نے پٹاخے پھینکے..... کیوں.....؟ اگر گاڑی کھڈ میں جا پڑتی تو۔"

"میں کہتا ہوں اپنی راہ لو..... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" اجنبی دانت پیس کر بولا۔

"اب تنہا تو جاؤں گا نہیں۔ تم بھی جاؤ گے میرے ساتھ۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میجر سعید..... پلیز.....!" ڈرائیور نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا آپ نیچے اس شریف آدمی کے ہاتھ پیر نہیں باندھیں گے۔"

حمید نیچے اُتر آیا۔ وہ اُس ڈرائیور کو پہلے ہی گھورتا رہا تھا۔

"میری گاڑی سے ڈور کا لچھا نکال لیجئے۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ ڈگی میں ہے۔"

"تو یہ سب کچھ.....!" اجنبی نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اُس کی آواز ڈرائیور کی گونجیلی … اپ میں دب کر رہ گئی۔

حمید اگلی کار کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ڈکے اٹھا کر ریشمی ڈور کی لچھی نکالی اور پھر ا… طرف پلٹ آیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لے جاؤ۔" ڈرائیور اجنبی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔ مجھے حلوہ نہ سمجھو۔" اجنبی غرایا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے ڈور کا لچھا پھینک کر اس کی کنپٹی پر ایک زوردار … جڑ دیا۔ اجنبی لڑکھڑایا پھر سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ ٹھیک اُسی جگہ دوسرا ہاتھ پڑا۔

اس بار وہ اس طرح لڑکھڑا کر گرا تھا جیسے توازن کی حس کھو بیٹھا ہو۔

"کافی ہے۔" ڈرائیور ہاتھ ہلا کر بولا۔

کنپٹی کی یہ ضرب کلوروفارم سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہوا کرتی تھی۔

وہ بیہوش ہوگیا۔

"بڑا سدھا ہوا ہاتھ تھا۔" ڈرائیور بولا۔

"مرشد کا فیض ہے۔" حمید نے کہا اور جھک کر اُس کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔ اجنبی

گاڑی کے ڈرائیور کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا۔

"آپ ان دونوں کو میری گاڑی تک پہنچانے میں مدد دیجئے۔" ڈرائیور نے کہا۔

"کیا ہم پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں۔" حمید نے ڈرائیور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"جناب نے پرورش ہی میری گود میں پائی ہے۔" ڈرائیور کا جواب تھا۔

حمید اچھل پڑا۔ سخت غصہ آیا اپنے ڈیوٹ پن پر..... لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ میک اپ میں تو …زیدی کا پورا ڈھانچہ ہی بدل کر رہ جاتا تھا۔ نہ قد کا صحیح سراغ ملتا اور نہ تن و توش کا۔ چلنے کا انداز تک بدل جاتا تھا۔ پھر آواز کیا پہچانی جا سکتی۔

"اوہ.....!" حمید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تو ایک بار پھر میں چارے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہوں۔"

"وقت نہیں ہے۔ جلدی کرو۔ اگر کوئی اور گاڑی ادھر آ نکلی تو زحمت ہوگی۔ لو یہ لفافہ رکھو..... اطمینان سے دیکھنا.....!"

"ان دونوں کو میری گاڑی تک پہنچاؤ اور تمہیں اسی گاڑی سے واپس جانا ہے۔ جہاں …ے اس پر بیٹھے تھے وہیں چھوڑ دینا۔"

پھر بیہوش ڈرائیور کے ہاتھ پیر بھی باندھے گئے اور ان دونوں کو فریدی کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

"آپ یہاں کب سے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جب سے تم ہو.....!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ہم دونوں ایک ہی جہاز سے یہاں پہنچے تھے۔"

"میرے خدا.....!" حمید منہ کھول کر رہ گیا۔

"بس اب جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

مجبوراً حمید کو بھی واپس ہونا پڑا۔ بہتیرے چبھتے ہوئے سوالات گھٹ کر رہ گئے تھے۔ وہ

اس اندھا دھند بھاگ دوڑ کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اچانک وہ لفا
لیکن وہ راستے میں نہیں رکنا چاہتا تھا۔

ہسپتال کے قریب پہنچ کر رفتار کم کر دی۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق گاڑی کو
جگہ چھوڑنا چاہتا تھا جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔

ہسپتال کے لان میں ایک گوشے میں بیٹھ کر اس نے لفافہ چاک کیا۔ اس می
پرچہ ہی نہیں بلکہ تیر کی شکل کی ایک سنہری ٹائی پن بھی تھی۔

وہ چند لمحے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس کے ساتھ والی تحریر دیکھنے لگا۔
فریدی ہی کی تھی لکھا تھا۔

"پروفیسر کی لڑکی سے قریب تر ہونے کی کوشش جاری رکھو۔ وہ سارہ رحمان کو قریب سے جانتی تھی۔ فی الحال ایک نامعلوم آدمی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے نہیں چاہتا کہ کوئی اجنبی اس لڑکی سے کسی قسم کا تعلق رکھے۔ پروفیسر میرے لئے نئی دریافت اسے بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہ ٹائی پن ہر وقت تمہارے استعمال میں رہنا چاہئے۔ اگر غیر حالات سامنے آئیں تو حیرت کا اظہار نہ ہونا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔"

حمید نے پرچے کا پرزہ پرزہ کر کے ایک طرف اچھال دیا اور ٹائی پن کو پھر گھورنے لگا۔

سنہرا تیر..... اوہ..... گولڈن ایرو..... تو اب اُسے اس نشانی سمیت منظر عام پر آنا گا۔ یعنی وہ خود کو اُسی گروہ سے متعلق ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا۔

"سارہ رحمان۔" وہ بڑبڑایا اور ایک طویل سانس لے کر خلاء میں گھورنے لگا۔ آرٹسٹ کا معصوم چہرہ یاد آیا..... وہ قاتلہ یاد آئی جس نے اپنی جان بچانے کے لئے خطرناک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ جسے افسوس تھا کہ اس کی وجہ سے ایک معصوم آدمی کو پولیس جیل میں ڈال رکھا ہے۔ وہ جس نے اپنا گمشدہ پرس حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے آدمی کو آلہ کار بنایا تھا۔ وہ جو فریدی سے ملنا چاہتی تھی اور اسی دھوکے میں اپنے انجام کو کہ وہ فریدی سے ملنے جا رہی تھی۔

اُس کا پرس یاد آیا جو اب بھی فریدی کے پاس تھا۔ لیکن کیا تھا اُس پرس میں۔ ایک معمولی سی رقم جس کی گمشدگی ایک مفلس ترین آدمی کے لئے بھی اتنی باعث تشویش نہ ہوتی کہ وہ اُسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کا خطرہ مول لے بیٹھتا۔

اگر اُس پرس کی اہمیت تیر کے نشان کی وجہ سے تھی تو یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں۔ گولڈن ایرو کا نام اُن دنوں اسی طرح مشہور تھا جیسے عالمی تنظیم مافیا کے بارے میں دنیا کا ہر آدمی کسی قدر معلومات ضرور رکھتا ہے۔

"اونہہ.....!" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

کچھ دیر بعد چونکا۔ ٹائی پن اب بھی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا ٹائی پن ٹائی سے نکال کر جیب میں ڈال لیا اور اس کی جگہ لفافے سے برآمد ہونے والا پن لگاتے ہوئے سوچا اگر مونا اس کی اہمیت سے واقف ہے تو اب وہ اُس سے بھی دور بھاگے گی۔ جیسے اُس اجنبی سے کتراتی رہی تھی۔ کتنی خوفزدہ نظر آتی تھی اُس کی موجودگی میں۔

پائپ کا تمباکو راکھ ہو چکا تھا۔ حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ مونا کی موجودگی میں تیر نما ٹائی پن استعمال نہیں کرے گا۔

پائپ کی راکھ جھاڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ پھر جنرل وارڈ کی طرف جا رہا تھا۔

مونا اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل بھی حمید نے اُسے دیکھا تھا۔ اتنی بُری حالت تو نہیں تھی۔ اب تو ایسا لگتا تھا جیسے برسوں کی بیمار ہو۔

"تت..... تم..... واپس آ گئے۔" وہ بدقت ہکلائی۔

"مظلوموں کی حمایت اور حفاظت کرنا ہمیشہ سے میرا اصول رہا ہے۔"

"مظلوموں..... کیا مطلب.....!" وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"میں نے اس دوران میں بہت کچھ محسوس کیا ہے۔"

"کک..... کیا محسوس کیا ہے۔"

"یہی کہ تم خائف ہو۔ مجھے اس آدمی کے بارے میں بتاؤ جو مجھے یہاں سے لے گیا تھا۔"

"وہ.....وہ کہاں ہے.....وہ.....!"

"تم نے محسوس کیا ہوگا کہ میں نے کسی چوہے کی طرح اُس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔"

"مم.....میں نے محسوس کیا تھا۔"

"وہ مجھے ریوالور کے زور پر یہاں سے لے گیا تھا۔"

"میں نے یہی محسوس کیا تھا۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "پھر کیا ہوا۔"

"تین سوفٹ گہری کھڈ اس کا مقدر بن گئی۔"

"کک.....کیا.....کک.....کیسے.....!"

"اُس نے مجھ پر گولی چلائی تھی.....تین فائر کئے تھے۔ پھر میں نے اُسے اٹھا کر کھڈ میں پھینک دیا۔"

"اب کیا ہوگا..... میرے خدا.....!" اُس نے کہا اور آنکھیں بند کر کے آگے جھولنے لگی۔

"اے.....ہوش میں آؤ" حمید نے اُس کا شانہ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ بالکل اسی طرح چونک پڑی تھی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔

"تت.....تم نے اُسے مار ڈالا.....!"

"ہاں.....میں ہر اس آدمی کو مار ڈالوں گا جو تیر کی شکل کا ٹائی پن استعمال کرتا ہو۔"

"خخ.....خدا کے لئے آہستہ بولو.....!" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی گڑگڑائی۔

حمید نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"تت تم کیوں مار ڈالو گے ہر اس آدمی کو.....!"

"میں اپنی اس معصوم دوست کی موت کو کبھی نہیں بھلا سکتا جس کے پہلو میں ایک ز تیر پیوست ہو گیا تھا۔ میرے خدا وہ کتنی اچھی تھی۔ اس نے ان لوگوں کے جال سے نکلنا اور انہوں نے اُسے مار ڈالا۔"

"تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔" مونا ہانپتی ہوئی بولی۔

نمبر 32

تھی ایک لڑکی..... بہر حال میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے ایک ایسا آدمی ے ہاتھ لگا جو گولڈن ایرو بطور ٹائی پن استعمال کرتا تھا۔"

"مم.....میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"تم سمجھ کر کیا کرو گی۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ لیکن تم اس ے متنفر ہو اور وہ تمہیں اتنا زیادہ چاہتا ہے کہ تمہارے قریب کسی دوسرے مرد کی موجودگی داشت نہیں کر سکتا۔"

"سب بکواس تھی۔" وہ بے ساختہ بولی اور پھر خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"پھر.....!" حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اُسے تم سے کس قسم کا لگاؤ تھا۔"

"میں نہیں جانتی.....میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بولی۔

"تو پھر میں یہ سمجھ لوں کہ تم بھی انہیں لوگوں سے تعلق رکھتی ہو۔"

"نہیں.....نہیں.....ہرگز نہیں۔" وہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتی ہوئی بولی۔

"خیر.....خیر.....تم بہت پریشان ہو۔ میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ لیکن سارہ کے قاتل اب مجھ سے نہیں بچ سکتے۔"

"سارہ.....!" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ "سس.....سارہ رحمان تو نہیں۔"

"کیا.....؟ کیا تم اُسے جانتی تھیں۔" حمید نے حیرت ظاہر کرنے کی بہت شاندار اداکاری کی۔

وہ پھر بیٹھ گئی اور کسی بت کی طرح ویران ویران آنکھوں سے خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔

وہ غار

دوسری صبح حمید الجھن میں تھا کہ فریدی کو اُن واقعات سے کیسے آگاہ کرے جو پچھلے دن

پیش آئے تھے۔

ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے ناشتے کے لئے فون کیا اور کھ
قریب جا کھڑا ہوا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ سردی پچھلے دن سے کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی

کچھ دیر بعد ویٹر ناشتے کی ٹرے رکھ کر چلا گیا۔ اور حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا
قریب آ بیٹھا۔ پچھلے دن کے واقعات اب بھی اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

تمباکو بھر کر پائپ ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے ناشتے کی ٹرے پر نظر ڈالی
بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ لئے۔

چاکلیٹ کا پیکٹ..... اُس سے پہلے تو کبھی ناشتے کے ساتھ چاکلیٹ کا پیکٹ نہیں
اُس نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پُرتفکر انداز میں اُس پر سے کور اتارنے لگا۔ یہ اس
خاص خیال کے تحت نہیں کیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں پیکٹ کی اہمیت اُس پر واضح ہو

کور کی نچلی سطح پر سیاہ روشنائی سے تحریر تھا۔

''ناشتہ کر کے لباس تبدیل کرو۔ پارکنگ شیڈ میں گہرے براؤن رنگ کی ایک ٹو
کا نمبر ایم پی اے سات سو گیارہ ہے تمہارے ہی لئے مہیا کی گئی ہے۔ چابی ڈیش بو
خانے میں ہے۔ بس سیدھے بھرتو نالے کی طرف چلے آؤ اور ہاں وہ ٹائی پن لگانا مت بھ

حمید نے طویل سانس لی اور کور کو پرزے کر کے آتشدان میں ڈال دیا۔ تو جناب
پوری طرح جال بچھا رکھا ہے۔ اُس نے سوچا..... اور ناشتے کی ٹرے کی طرف پھر متوجہ ہو
کافی فلیور نہ جانے کیوں اچھا نہ لگا۔ سینڈوچ اچھے تھے..... جوں توں ناشتہ ختم
لباس تبدیل کیا۔

ٹو سیٹر جس کا تذکرہ پیغام میں تھا پارکنگ شیڈ میں موجود تھی۔ حمید نے اُسے دیکھ
محسوس کیا کہ وہ غیر معمولی ساخت رکھتی ہے۔

ڈیش بورڈ میں گاڑی کی کتاب اور کنجیاں موجود تھیں۔ کتاب کھول کر دیکھی تو بھ
گیا۔ یہ میجر حامد سعید ہی کے نام کی تھی۔ پتہ رام گڈھ زون کے ہل اسٹیشن کا تھا۔

اُس نے کنجی کے لچھے سے اگنیشن کی منتخب کی اور گاڑی کو اسٹارٹ کر کے پارکنگ شیڈ
سے نکال لایا۔

اب وہ بھرتو نالے کی طرف جا رہا تھا۔

نالہ کہلاتا تھا لیکن حقیقتاً تھا ایک انتہائی پُرشور پہاڑی دریا، جو رام گڈھ اور ٹیکم گڈھ کے
درمیان خط تقسیم کا کام بھی دیتا تھا۔

میلوں تک بہاؤ اتنا تیز تھا کہ اسے پار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہی سڑک جس پر حمید سفر کر رہا تھا ایک جگہ پل پر سے گزرتی ہوئی ٹیکم گڈھ کی سرحد میں
داخل ہوتی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کیا اُسے پل تک جانا ہوگا۔ ویسے سڑک تو کئی جگہ بھرتو نالے کے قریب
سے بھی گزرتی تھی۔

''اونہہ.....!'' وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ ''دیکھا جائے گا۔''

لیکن یہ کنجیوں کا لچھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگنیشن اور گاڑی کے دوسرے قفلوں
کے لئے عموماً ایک ہی کنجی ہوتی ہے پھر یہ سات عدد کنجیاں کیسی ہیں جن کی بناوٹوں میں بھی
نمایاں فرق ہے۔

کار تیز رفتاری سے پہاڑی سڑک طے کرتی رہی۔ ابر ہونے کی وجہ سے خنکی بڑھ گئی تھی۔
غنیمت یہی تھا کہ ہوا تیز نہیں تھی۔ ورنہ ڈرائیونگ وبال جان بن جاتی۔ پھر بھی ہاتھوں پر
دستانے تو تھے ہی ورنہ ٹھنڈے اسٹیئرنگ نے ہتھیلیوں کا خون منجمد کر دیا تھا۔

اُسے پھر کنجیوں کا خیال آیا۔ اُس نے سوچا کہ رکنا چاہئے کسی مناسب سے مقام پر اور
دیکھنا چاہئے کہ کہیں ''یہ حجرہ ہائے ہفت بلا'' کی کنجیاں تو نہیں ہیں۔

سات عدد کنجیاں طلسم ہوشربا کے سات حجروں کی کنجیاں بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ان
کا تعلق فادر ہارڈ اسٹون سے ہے۔ فادر ہارڈ اسٹون جو اپنی جسامت اور قد و قامت تک بدل کر
رکھ دیتا ہے۔

خدا کی پناہ..... پچھلے دن آنکھوں نے کیسا دھوکا کھایا تھا۔

اُس نے ایک جگہ سڑک کے کنارے تھوڑا سا مسطح ٹکڑا دیکھ کر گاڑی وہیں روک دُ
ڈیش بورڈ کا جائزہ لینے لگا۔ لیکن وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔

پھر گاڑی کے دوسرے حصوں کی طرف متوجہ ہوا۔

دروازے کچھ غیر معمولی سے لگے اُن کی موٹائی غیر معمولی تھی۔ ویسے بھی جب حمید
اس گاڑی کو پارکنگ شیڈ میں دیکھا تھا تو ذہن کے کسی گوشے میں یہ احساس موجود تھا کہ وہ
ٹوسیٹر گاڑیوں سے مختلف ہے۔

دروازہ کھولنے کے لئے ہینڈل گھمایا ہی تھا کہ ہینڈل کے نیچے ایک مخصوص کٹاؤ والی
نظر آئی۔

''ہوں.....!'' اُس نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس خلاء میں مختلف کنجیاں
کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر ایک لگ ہی گئی اور اسی دروازے کا استر کھل کر سیٹ پر آ
استر کے پیچھے ایک ٹائٹ قسم کا خانہ تھا جس میں ایک ٹامی گن رکھی ہوئی تھی اور اس کے لئے
راؤنڈ بھی تھے۔ حمید نے فوراً ہی استر اس کی جگہ لگا کر اُسے دوبارہ مقفل کر دیا۔

پھر وہ دوسرے دروازوں کو بھی آزمانے ہی جا رہا تھا کہ ایک تیز رفتار گاڑی قریب
گزر گئی۔ پھر چند ثانیوں کے بعد دوسری بھی گزری لیکن اس بار حمید کو الرٹ ہو جانا پڑا۔
گاڑی کو یاسمین قزلباش ڈرائیو کر رہی تھی اور تنہا تھی۔

حمید نے اپنی گاڑی بھی اسٹارٹ کی اور اسی رفتار سے چل پڑا جس رفتار سے یاسمین
گاڑی گزری تھی۔

دونوں گاڑیوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ سو گز رہا ہوگا۔ حمید نے دیدہ و دانستہ یہ فا
برقرار رکھا ورنہ چاہتا تو اُس سے اور بھی قریب رہ سکتا تھا۔

پھر یک بیک ایک موڑ پر اگلی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ بہت ہی خطرناک قسم
موڑ تھا۔ حمید کو رفتار بہت کم کر دینی پڑی۔ ذرا سی بے احتیاطی گاڑی کو سینکڑوں فٹ گہری کھ

لے جاتی۔ لیکن وہ عورت..... یاسمین قزلباش یا تو پاگل تھی یا خود اعتمادی کے معاملے میں
اب نہیں رکھتی تھی۔

موڑ تک پہنچتے پہنچتے حمید کی گاڑی رینگنے لگی تھی۔ بہت احتیاط سے اس نے نصف دائرہ
کیا اور پھر کشادہ سڑک پر پہنچ گیا۔ لیکن حد نظر تک یاسمین کی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔

حمید نے گیئر بدل کر ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

لیکن پھر تو انجن ہی بند کر دینا پڑا تھا۔ بڑی گہری ڈھلان تھی۔ شاید یہ ڈھلان حمید کی
اداشت سے محو ہوگئی تھی۔ ورنہ وہ اُس موڑ سے گزر جانے کے بعد بھی رفتار کا اعتدال قائم رکھتا۔

اس کے بعد پھر چڑھائی تھی۔ سلف لگا کر انجن دوبارہ اسٹارٹ کیا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد کچھ فاصلے پر اُسے دو گاڑیاں نظر آئیں ایک سڑک پر آڑی
کھڑی تھی اور دوسری سیدھی۔ یہ یاسمین ہی کی گاڑی تھی۔ لیکن وہ جو آڑی کھڑی تھی صاف
ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسی کو روکنے کے لئے وہ اُس پوزیشن میں لائی گئی ہو۔

حمید نے بھی قریب ہی پہنچ کر گاڑی روکی۔ یاسمین والی گاڑی خالی تھی۔ لیکن اگلی گاڑی
کے قریب ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔

''معاف فرمائیے گا جناب'' اس آدمی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میں ایک منٹ
میں آپ کیلئے راستہ بناتا ہوں۔ پکنک کیلئے نکلنے والے عموماً اپنے دماغ گھر ہی چھوڑ آتے ہیں۔''

''کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' حمید گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

''شکریہ۔'' دوسرے آدمی نے جواب دیا۔ کافی جگہ ہے صرف گاڑی کی پوزیشن بدلنی
پڑے گی۔

حمید اتنی دیر میں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ دوسرے آدمی کی نظر اُس کی ٹائی پن پر ہے۔ پھر اُس نے حمید کے
چہرے پر سوالیہ نظر ڈالی۔

حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"بائیں جانب.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔"راستہ بنا ہوا ہے۔"

"یہ گاڑی سیدھی کرلو۔خواہ مخواہ.....لوگ شبہات میں مبتلا ہوں گے۔" حمید بڑبڑا
گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا۔

دوسرا آدمی انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کی پوزیشن تبدیل کرنے لگا۔حمید نے اُس
میں تیر نما پن دیکھا۔

بائیں ڈھلان پر ایک پتلی سی اور کسی قدر گہری نالی نظر آئی۔ اُس نے سوچا غا
پگڈنڈی کو اُس نے راستہ کہا تھا اور یقیناً یہ راستہ کسی خاص جگہ تک جاتا ہوگا۔

اس نالی کی گہرائی ایک یا ڈیڑھ بالشت سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ لیکن یہ انسانی ہاتھ
کارنامہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید اُسی نالی کے سہارے ڈھلان میں اترتا رہا۔ ایک جگہ وہ نالی پہاڑی سڑک
طرح گھومی ہوئی نظر آئی اور اُس موڑ سے گزرتے ہوئے اُس نے محسوس کیا کہ شاید تحت
ہی میں اس کا اختتام ہو کیونکہ آگے پھر موڑ تھا۔

ایسے ہی تین موڑ اور ملے اور پھر وہ گہری پگڈنڈی ایک غار میں داخل ہوگئی۔ پگ
داخل ہوگئی ہوگی۔حمید تو دہانے ہی پر ٹھٹک گیا تھا۔

پھر ابھی سنبھلا بھی نہیں تھا کہ ایک گگر کی اوٹ سے ایک ریوالور نکل کر اسکے سینے سے آ

"سامنے آؤ.....!" حمید غرایا۔

ریوالور گگر کی اوٹ سے باہر آ گیا۔ حمید نے پہلے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا ا
اپنے ٹائی پن کی طرف دیکھنے لگا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ گڑبڑا کر بڑبڑایا اور ریوالور کی نالی حمید کے سینے سے ہٹ گئی۔

"راستہ دکھاؤ.....میں دھام نگر سے سیدھا چلا آ رہا ہوں۔" حمید بولا۔

"آئیے..... آئیے..... ایک منٹ یہاں ٹھہریئے تاکہ آنکھیں اندھیرے کی
ہو جائیں۔"

"ساری رات جاگتا رہا ہوں.....!" حمید آہستہ سے بولا۔"ہوسکتا ہے مجھے تمہارے
ے کی بھی ضرورت ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرے قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔ مجھے سہارا دے کر وہاں تک پہنچاؤ۔"

"کیا کوئی نیا حکم ہے۔"

"یقیناً.....ورنہ مجھے بھی کیوں آنا پڑتا اور پھر یہی نہیں یہ حکم بھی حالات کا رخ معلوم
نے کے بعد ہی تم تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ ورنہ میں یونہی واپس جاؤں گا۔"

"بہتر ہے.....آئیے.....!" اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد حمید کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید کا ساتھی بڑبڑا رہا تھا۔"اب کیا حکم ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ بھی سنئے
ہمارے پاس ایک شکار بھی ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"فزارو میں ٹھہری ہوئی ایک ایرانی لڑکی..... جو ہمارا تعاقب کررہی تھی۔"

"خوب..... ہاں..... فزارو میں ہے ایک لڑکی..... میں نام نہیں جانتا۔" حمید سر کھجاتا ہوا
ا۔"میرا قیام بھی وہیں ہے۔"

"اوہ تو آپ.....لیکن آپ ہسپتال میں تو نہیں تھے۔"

"بتایا نا کہ میں پچھلی رات دھام نگر طلب کرلیا گیا تھا.....!" حمید نے کہا اور سوچ میں
گیا کہ آخر اس نے ہسپتال کا حوالہ کیوں دیا؟ انہیں اس کا علم تھا کہ پچھلے دن وہ اجنبی ہسپتال
بیہوش پروفیسر اور اس کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ لیکن شاید یہ آدمی اُس اجنبی کو صورت سے نہیں
پہچانتا ورنہ ہسپتال کا نام نہ لیتا۔

بہرحال حمید اس کے ساتھ چلتا رہا۔ زیادہ دور نہیں چلا تھا لیکن راستہ اتنا دشوار گزار تھا کہ
مسافت کی طوالت کا احساس ہوتا تھا۔

اور پھر ایک جگہ تیز روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ چٹان کے کسی رخنہ سے غالباً لیمپ کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

حمید نے سوچا ممکن ہے وہاں کوئی ایسا مل جائے جو اُس اجنبی کو پہچانتا رہا ہو... جائے گا۔ اس کے زیرِ بغل ہولسٹر میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔

دو عدد پیٹرومیکس لیمپوں سے غار کا یہ حصہ پوری طرح روشن تھا۔

حمید مونا چنگیزی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ دو آدمیوں کے درمیان سہمی کھڑی تھی اور... نے یاسمین قزلباش کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

حمید کی آمد پر وہ سب ہی چونکے تھے۔ لیکن دونوں لڑکیوں کے چہروں کے تاثر... سے مختلف تھے۔ مونا نے متحیرانہ انداز میں منہ کھولا تھا اور پھر بند کرلیا تھا۔ یاسمین کی آ... میں چمک سی لہرائی تھی۔

گہرے سناٹے کو توڑتے ہوئے حمید نے کہا۔ ''آپ لوگ اپنا کام جاری رکھیں۔''

تینوں نے سوالیہ انداز میں اُس آدمی کی طرف دیکھا جو حمید کو یہاں تک لایا تھا۔

''نیا حکم لائے ہیں۔'' اس نے جماہی لے کر کہا۔

''اور وہ حکم حالات کے تحت ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''آپ لوگ اپنا کام جاری رکھ...''

وہ کوشش کررہا تھا کہ مونا سے نظر نہ ملنے پائے۔

''ہم اس سے پوچھ رہے ہیں کہ اُس نے میجر سعید نامی آدمی کو کیا بتایا ہے۔'' ان... سے ایک بولا۔

''ٹھیک ہے۔ اگر اس نے نہ بتایا تو میں تم تک دوسرا حکم پہنچا دوں گا۔'' حمید نے... سے پائپ اور تمباکو کی پاؤچ نکالی۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ یاسمین اُسے عجیب نظروں... گھورے جارہی تھی۔

''اور یہ ہمارا تعاقب کررہی تھی۔'' دوسرے نے یاسمین کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''خاصی ہے۔ اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''تم.....!'' دفعتاً ایک آدمی اس کی طرف مڑا۔ ''تم کون ہو؟''

''کیا یہ سوال ضابطے کے مطابق ہے۔'' حمید غرایا۔

''اور اظہارِ خیال کا یہ انداز کہاں تک درست ہے۔''

''خیر.....خیر..... یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔''

مونا نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا رکھا تھا اور چہرے پر اندرونی کشمکش کے آثار تھے۔

''یہ کچھ نہیں بتاتی۔''

''بتائے گی۔'' حمید نے پائپ اور پاؤچ کو دوبارہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور بغل کے نیچے ہاتھ لے جاکر ریوالور نکال لیا۔

''بتاؤ.....تم نے میجر سعید کو کیا بتایا تھا۔'' حمید نے ریوالور کا رخ مونا کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر فائر بھی کردیا۔

وہ چیخ مار کر لہرائی اور ادھر اُدھر کھڑے ہوئے آدمیوں نے اُسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

''یہ..... یہ..... کیا.....!'' تیسرا آدمی ہکلایا۔

''خاموش رہو.....!'' حمید کا لہجہ اتنا ڈراؤنا تھا کہ پھر کسی کے حلق سے آواز نہ نکلی۔ مونا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ آگے پیچھے جھول رہی تھی۔

گولی کا گزر اُس کے سر سے کئی انچ اونچائی سے ہوا تھا۔

''سیدھی کھڑی کرو..... نشانہ خطا ہوا۔'' حمید زور سے دہاڑا اور مونا نے آنکھیں کھول دیں۔ حمید کہہ رہا تھا۔ ''اس بار دل کا نشانہ لوں گا جو کبھی خطا نہیں کرتا..... بتاؤ..... تم نے میجر سعید کو کیا بتایا تھا۔''

''مم..... میں نے۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''یہی بتایا تھا کہ میرے ڈیڈی سنکی ہیں۔ ہر سال سردیوں میں یہاں آتے ہیں مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر کئی کئی دن غائب رہتے ہیں۔ لیکن مجھے نہیں بتاتے کہ وہ اُن دنوں کہاں غائب رہتے ہیں۔''

''اور کیا بتایا تھا.....؟''

"اور کچھ بھی نہیں.....کچھ بھی تو نہیں.....رحم کرو میرے حال پر۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے ریوالور والا ہاتھ جھکاتے ہوئے کہا اور پھر فاتحانہ انداز میں چاروں کی طرف دیکھ کر بائیں ہاتھ سے جیب میں پڑے ہوئے پائپ کو ٹٹولنے لگا۔

"اس طرح تو ہم بھی.....!" ایک بولا۔

"عقل چاہئے.....کام کرنے کیلئے.....خیر.....اب میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا"

اُن چاروں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ اب حمید یاسمین کی طرف متوجہ نظر آنے لگا۔ نے انگریزی میں مخاطب کیا۔

"میں نے تمہیں فزارو میں دیکھا تھا۔"

"ہاں میں وہیں مقیم ہوں.....!" غصیلی آواز میں جواب ملا۔

"ان لوگوں کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"دماغ خراب ہوگیا ہے تم لوگوں کا۔ میں تعاقب کیوں کرنے لگی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ انہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ تم مصنفہ ہو۔"

"تم نے غلط نہیں سنا۔" نہایت غصے کے عالم میں جواب دیا گیا۔

"ایرانی ادب میں جمود تو نہیں ہوا.....!"

"جمود.....جمود کیوں ہونا ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔ ہمارے یہاں تو بالکل ہوگیا ہے۔ عالم یہ ہے کہ آج بڑے بڑے شاعر اور انشاء پرداز خواتین کے ساتھ بیٹھے آلو چھیلا کرتے ہیں۔"

"تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ مجھے جانے دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ سب اچھا ہی اچھا ہوگا۔ لیکن ایک بات ہے ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کرنا۔ محض اس لئے تمہارے ساتھ یہ رعایت ہے کہ غیر ملکی ہو اور تمہیں ہمارے معاملات سے سروکار نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی مقامی آدمی کو ہم نے سے بھی اس طرح روکا ہوتا تو زندہ واپس نہ جانے دیتے۔"

یاسمین ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"تم نے بھی مجھے فزارو میں دیکھا ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"مجھے دھیان نہیں۔"

"اور آئندہ بھی دیکھو گی۔ لیکن تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔ اس تکلیف دہی کے سلسلے میں ہم تمہاری خدمت میں کوئی بڑا تحفہ پیش کریں گے۔"

"مجھے ضرورت نہیں ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"تت.....تو آپ انہیں لے جائیں گے۔" ایک آدمی نے پوچھا۔ حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک آدمی غار کے دہانے کی طرف سے انکے سامنے آ گرا۔ پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید نے اُسے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے سڑک پر اُسے اس غار کا راستہ بتایا تھا۔

اس کے فوراً بعد ہی ایک گونجیلی آواز سنائی دی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

ایک دراز قد آدمی دہانے کے قریب ٹامی گن سنبھالے کھڑا تھا۔

حمید کے ہاتھ بھی غیر ارادی طور پر اوپر اٹھتے چلے گئے۔ ریوالور تو وہ پہلے ہی ہولسٹر میں رکھ چکا تھا۔

"میجر سعید کے علاوہ اور سب اپنے ہاتھ گرا دیں۔"

حمید نے سوچا شاید یہ بھی اُسے نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔ لہٰذا سب کے ساتھ ہی اُس نے بھی اپنے ہاتھ گرا دیئے۔

"میجر سعید.....!" ٹامی گن والا غرایا۔

حمید اب بھی دوسروں ہی کی طرح انجان بنا کھڑا رہا۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ کیا تم نے سنا نہیں۔" اس بار اُس نے خاص طور پر حمید کی طرف ٹامی گن کی نال گھما دی۔

"گھاس تو نہیں کھا گئے۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔

"میں تم لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ یہ میجر سعید ہے اس کے ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دو۔"

"تم کون ہو۔" اُن میں سے ایک آدمی نے پوچھا۔

"میں تم ہی میں سے ایک ہوں۔"

"لل..... لیکن..... یہ بھی تو..... ٹائی پن.....!"

"سب فراڈ ہے۔ تم اسے باندھ لو۔ کیوں لڑکی۔ بتاؤ یہ کون ہے ورنہ تمہارا جسم چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔" اُس نے مونا کو مخاطب کیا۔

"مم..... میں نہیں جانتی۔"

"تم بکتی ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ میجر سعید ہے۔"

مونا کچھ نہ بولی۔ اب وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ حمید کے فائر پر بھی اس کے چہرے پر اتنی مردنی نہیں چھائی تھی۔

"بتاؤ..... ورنہ ٹریگر پر دباؤ ڈالتا ہوں۔" وہ پھر غرایا۔ اب ٹامی گن کا رخ مونا کی طرف تھا۔

مونا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو.....!" اُس نے دوسروں سے کہا اور وہ حمید پر ٹوٹ پڑے۔

"نہیں..... احتیاط سے..... صرف باندھ لینا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ یہ کون ہے۔ میجر سعید..... ہوش میں آؤ..... ورنہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جاؤ گے۔"

یاسمین کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ لیکن وہ دم بخود کھڑی رہی۔ مونا بُری طرح کانپ رہی تھی۔ ذرا ہی سی دیر میں انہوں نے حمید کے ہاتھ پیر ٹائیوں سے باندھ دیئے۔

"اب تم سب میرے ساتھ چلو گے..... اوہ..... یہ..... دوسری لڑکی کون ہے۔" ٹامی گن والے نے پوچھا۔

"یہ ایک ایرانی سیاح ہے..... فزارو میں ٹھہری ہوئی ہے اس نے ہمارا تعاقب کیا تھا۔"

"کیوں.....؟ تم نے ان کا تعاقب کیا تھا۔"

"پتہ نہیں۔ تم کیا پوچھ رہے ہو۔" یاسمین نے انگریزی میں کہا۔ "میں تمہاری زبان نہیں سمجھتی۔"

"کیا تم نے ان لوگوں کا تعاقب کیا تھا۔" اس بار اس نے انگریزی میں سوال کیا۔

"یہ سراسر بکواس ہے۔ میں یہاں بغرض تفریح آئی ہوں۔ ایک گاڑی کرائے پر حاصل کی ہے اور ادھر اُدھر گھومتی پھرتی ہوں۔ آج اتفاقاً ادھر نکل آئی تھی۔ میرے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوا ہے۔ میں اپنے سفارتخانے سے شکایت کروں گی۔"

"اگر تم مجھے اطمینان دلا سکیں کہ تم سچ مچ غیر ملکی ہو تو ہم تمہیں جانے دیں گے ورنہ پھر سوچنا پڑے گا۔"

"میرا پاسپورٹ گاڑی میں موجود ہے۔"

"اچھی بات ہے یہ بھی دیکھ لیں گے۔" ٹامی گن والے نے کہا پھر دوسروں سے بولا۔ "اسے اٹھا کر گاڑی تک لے چلو۔"

اشارہ حمید کی طرف تھا۔

دس منٹ بعد وہ سڑک پر تھے۔ گاڑیوں میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔ ٹامی گن والے نے ہدایت دی تھی کہ وہ حمید کو اس کی گاڑی میں ڈال دیں۔ پھر اُس نے یاسمین سے پاسپورٹ طلب کیا تھا۔

حمید اُس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا سوچ رہا تھا شاید یہ آخری سفر ثابت ہو۔ مونا کو وہ کہیں لے جا رہا تھا۔ پتہ نہیں اب کن لوگوں سے سابقہ پڑے۔ یہ آدمی اُسے پہچانتا تھا ورنہ ان دونوں کو تو لے ہی نکلا تھا۔

دفعتاً اس نے اسی آدمی کی آواز سنی۔ "لڑکی کو میری گاڑی میں بٹھا دو۔"

پھر اس نے دیکھا کہ مونا اگلی سیٹ پر بیٹھ رہی ہے۔

"تم سب میرے پیچھے آؤ۔" اسی آدمی نے دوسروں سے کہا۔

"لیکن جناب آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ وہ واپس پہنچ کر پولیس کو اطلاع دے گی۔" کسی نے پوچھا۔

"جہنم میں جائے جتنی دیر میں وہ پولیس تک پہنچے گی ہم نہ جانے کہاں ہوں گے۔ چلو

بیٹھو اپنی گاڑی میں.....اور ہاں ایک آدمی میجر سعید کی گاڑی کو سنبھالے گا۔"

پھر حمید نے اُسے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھتے دیکھا۔ انجن اسٹارٹ ہونے کی آ اور گاڑی چل پڑی۔

عقب نما آئینہ ونڈ اسکرین کے اوپر لگا ہوا تھا۔ حمید اس میں پیچھے آنے والی دونوں کو دیکھتا رہا۔ تیسری یاسمین کی گاڑی کہیں نہ دکھائی دی۔

حمید مونا کا چہرہ بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ بار بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھتی تھی۔ آنکھ عجیب سی غم آلود نرمی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی غلطی پر نادم ہو۔

"تم دونوں اگر چاہو تو گفتگو بھی کر سکتے ہو۔" ڈرائیو کرنے والا دفعتاً بولا او کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ سخت غصہ آیا۔ دل چاہا کہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالے فریدی ہی کی آواز تھی۔

حمید کو وہ رگڑے اور گھسے یاد آئے جو ان لوگوں نے اُسے باندھتے وقت دیئے ت

"ارے.....تم کچھ بول نہیں رہے میجر سعید۔ حالانکہ بہت خوش مزاج مشہور ہو۔"

"میجر سعید کی ایسی کی تیسی.....میں نہیں سمجھ سکتا۔" وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔

"خفگی کی وجہ برخوردار.....!"

"کیا میں گدھا ہوں۔" حمید نے حلق پھاڑنے کی کوشش کی لیکن غصے کی زیادتی ک اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔

"گدھے تو ہو لیکن اچھی نسل کے.....!"

"میں مونا کو نکال لاتا.....!" حمید نے بدستور خوشگوار لہجے کو برقرار رکھا۔

"تم صرف مونا کو نکال لاتے.....اور میں ان پانچوں کو بھی اپنے ساتھ لے جارہا عقل استعمال کرنا سیکھو فرزند.....اگر ہم انہیں باندھ لیتے تو کتنی مشقت برداشت کرنی اپنی پشت پر لاد کر اتنی چڑھائی طے کر کے سڑک تک پہنچنا پڑتا۔ پھر ڈرائیو کرنے والے ہوتے اور گاڑیاں تین تھیں۔ ظاہر ہے کہ سڑک پر کوئی گاڑی چھوڑی نہ جا سکتی۔ خواہ تو

بیلی اس سے۔ بہر حال تم خود ہی دیکھ لو کہ وہ اپنے آپ بڑی خوشی سے موت کے منہ میں چلے رہے ہیں۔ تمہیں تھوڑی بہت چوٹیں ضرور کھانی پڑی ہیں.....لیکن یہ آسانی ان چوٹوں سے ہیں زیادہ قیمتی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کھوپڑی ایک بار پھر ناچ گئی تھی۔ بالکل سامنے کی بات تھی لیکن اس کی بھ میں نہ آسکی۔ فادر ہارڈ اسٹون کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ سچ مچ اگر دو ایک کو ہی پیٹھ پر لاد کر چڑھائی چڑھنی پڑتی تو اس وقت وہ بے دم پڑا ہوتا۔

فریدی پھر بولا۔ "میں نے تمہیں اس لئے طلب کیا تھا کہ مونا سے حاصل کی ہوئی علومات مجھ تک پہنچ سکیں۔ جب تمہیں دیر ہوئی تو خود چل پڑا۔ یہاں تمہاری گاڑی نظر آئی۔ ایک آدمی ان گاڑیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُسے مجبور کیا کہ وہ سب کچھ اگل دے۔ اُسے راستہ دکھانے کے لئے ساتھ لے جانا پڑا۔ لیکن وہاں اُن کی تعداد دیکھ کر اسکیم ہی بدل دینی پڑی۔ خیر ہاں تو تمہیں زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔"

"کھلنے کے بعد جائزہ لوں گا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

گفتگو اردو ہی میں ہوتی رہی تھی۔ بار بار مونا کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آتے اور وہ انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتی۔

"یہ.....یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔" وہ بالآخر ہذیانی انداز میں بولی۔

"فکر نہ کرو.....اب کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میرے ڈیڈی کا کیا حال ہوگا۔ تم لوگ آخر ہو کون۔"

"میں اپنے بارے میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں اور یہ شخص میرا فادر ہے۔ حالانکہ عمر میں مجھ سے تین یا چار سال سے زیادہ بڑا نہ ہوگا۔"

"مجھے ڈیڈی کے پاس پہنچا دو۔ خدا کے لئے رحم کرو۔"

"تمہارے ڈیڈی ہر طرح محفوظ ہیں۔" فریدی بولا۔ "لیکن اگر اب تم واپس گئیں تو تمہارا انجام بھی سارہ رحمان کے انجام سے مختلف نہ ہوگا۔"

"سارہ رحمان۔" وہ کانپ کر رہ گئی۔

ہنسی اور دستانے

سارہ رحمٰن کے انجام کے حوالے پر مونا کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہم پر اعتماد کرو۔ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ہسپتال واپس جانے کی صورت میں شاید تم اپنے ڈیڈی کے لئے بھی خطرہ بن جاؤ۔"

مونا کچھ نہ بولی۔ ایک بار پھر اُس کے چہرے پر زردی دوڑ گئی تھی۔ ہونٹ خشک تھے۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی۔ دفعتاً حمید کو یاسمین قزلباش یاد آئی۔

"اوہو..... آپ نے اُسے کیوں نکل جانے دیا۔" وہ بول پڑا۔

"کس کی بات کر رہے ہو۔"

"یاسمین قزلباش کی۔"

"اوہو تو اسے کیا کرتا..... وہ ایک ایرانی ہے۔"

"جناب..... جناب..... سب سے پہلے تو یہ گذارش ہے کہ وہ ایرانی نہیں۔ قطعی یہیں کی باشندہ ہے یہ اور بات ہے کہ وہ ایرانیوں کے سے لہجے پر قدرت رکھتی ہو۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ بھی مونا کا تعاقب کرتی رہی ہے۔"

"نہیں.....!" مونا اچھل پڑی۔

"یقین کرو..... میں نے دیکھا ہے۔ اس شام کو بھی وہ تمہارا تعاقب کرتی ہوئی آئی تھی۔ جب فزارو کے کچن میں آئل اسٹوو پھٹنے سے دھماکا ہوا تھا۔"

"مجھے اس کا علم نہیں ہے۔"

"میں نے دیکھا تھا.....!"

"یہ تمہارا وہم بھی ہو سکتا ہے۔"

"اور..... دوسری بات..... نہیں بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ رضیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"کون رضیہ.....؟"

"وہی جو ہمارے درزی خانے کی روح رواں تھی۔"

"گھاس تو نہیں کھا گئے۔"

"آپ نے وہاں اسے دیکھا تھا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر میرے حواس خمسہ پر اعتماد کیجئے۔ وہ سو فیصد رضیہ ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر دیکھنا پڑے گا۔" فریدی کے لہجے میں تشویش تھی۔ پھر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ "تم نے اُس پر یہ تو نہیں ظاہر کیا کہ اُسے پہچانتے ہو۔"

"نہیں..... میں نے کافی احتیاط برتی ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔"

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ نالے کے پل کے قریب پہنچ کر انہوں نے پچھلی گاڑیوں سے پے درپے ہارن کی آوازیں سنیں۔

"کیا قصہ ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

عقب نما آئینے میں اُن دو گاڑیوں کے علاوہ اور کسی تیسری گاڑی کی جھلک بھی نہ دکھائی دی۔

فریدی نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کر دی۔

پچھلی دونوں گاڑیاں بھی رک گئی تھیں۔ ایک آدمی اُتر کر فریدی کی گاڑی کے قریب آیا۔

"صاحب..... ہم یہ پل کراس نہ کر سکیں گے۔" اس نے کہا۔

"ہاں..... ہاں..... میں جانتا ہوں..... لیکن یہ میرا حکم ہے۔ باس کے لیفٹیننٹ حسب ضرورت ان احکامات میں تبدیلیاں بھی کر سکتے ہیں۔"

”آپ جائیے۔“

”میں یہ اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔“ فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ”جاؤ.....!“

اس نے پھر انجن اسٹارٹ کیا۔ وہ آدمی گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔

گاڑی چل پڑی۔ اُس نے بھرتو نالے کے اس پل کو بھی پار کر لیا جو ٹیکم گڈھ اور ر کو منسلک کرتا تھا۔ حمید عقب نما آئینے میں پچھلی گاڑیوں کو دیکھتا رہا۔

”میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔“ مونا بڑبڑائی۔

”مطمئن رہو بے بی..... تم بالکل محفوظ ہو.....!“ فریدی نے کہا۔

”میں ڈیڈی کے لئے پریشان ہوں..... یہ کیسی بیہوشی ہے۔“

”میں تمہیں اطمینان سے بتاؤں گا۔ فکر نہ کرو۔ میں پروفیسر کی حفاظت کی ذمہ دا لے سکتا ہوں۔“

”آپ لوگ کون ہیں.....؟ خدارا بتایئے۔“

”کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔“ حمید بولا۔

”میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ دوستی کے لئے کسی نے اتنا کچھ کیا ہو۔“

”ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ بہت کچھ دیکھو گی۔“

”سنجیدگی سے گفتگو کرو میجر سعید۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”اور میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تھوڑی سی عقل بھی استعمال کرو۔“

”میں کیا کروں...؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”فی الحال خاموش رہو۔“ حمید بولا۔ ”مجھے دیکھو کتنے صبر و سکون کے ساتھ اتنی د بندھا پڑا ہوں۔“

گاڑیوں نے ٹیکم گڈھ میں داخل ہو کر تقریباً دو ڈھائی میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا ایک جگہ فریدی نے ہاتھ باہر نکال کر پچھلی گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود بھی رفتار کم گاڑی روک دی۔

مونا اور حمید کے علاوہ اور سب گاڑیوں سے اُتر آئے تھے۔ یہاں کچھ عجیب سی چٹانیں ھیں اور یہ راستہ عام سڑک سے ہٹ کر تھا۔

”کار کو اٹھا کر میرے ساتھ چلو۔“ فریدی نے شکاریوں سے کہا اور وہ حمید کو کھینچ کھانچ ر باہر نکالنے لگے۔

حمید بہت بُرے لہجہ میں کہہ رہا تھا۔ ”دیکھنا تم لوگ اپنا انجام..... رونا چاہو گے لیکن آنسو لیں گے۔ چیخنا چاہو گے لیکن حلق بند ہو جائیں گے۔“

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی مونا کا ہاتھ پکڑے دو چٹانوں کے درمیان درے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سب حمید کو کاندھوں پر اٹھائے اس کے پیچھے چلتے رہے۔

راستہ دشوار گزار تھا۔ حمید کو خدشہ تھا کہ اُن میں سے کہیں کوئی لڑکھڑا کر گر نہ پڑے۔ بہر حال وہ اپنے ہاتھ پاؤں کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہوا ان کے کاندھوں پر سفر کرتا رہا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے ایک جگہ ٹھہرنے کو کہا۔

یہاں بھی ایک غار ہی سے سابقہ پڑا تھا۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور وہ سب غار کے دہانے میں داخل ہو گئے۔ قدموں کی چاپوں سے گونجتا ہوا تاریک غار کچھ عجیب سا ماحول پیدا کر رہا تھا۔

لیکن یہ تاریکی جلد ہی غائب ہو گئی۔ اب وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کئی پیٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ دو تین آدمی بھی پہلے سے موجود تھے۔

انہوں نے بڑے بے تعلقانہ انداز میں ان کا استقبال کیا تھا۔

حمید کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا۔ حمید کو بے ساختہ برف کے بھوتوں کے کیس والے غار یاد آ گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں یہ بھی انہیں غاروں میں سے نہ ہوں۔ جنہیں انسانی ہاتھوں نے تراشا تھا اور جہاں زمانہ قدیم میں بدھ بھکشو رہا کرتے تھے۔

یہاں گھٹن کا احساس نہیں تھا۔

دفعتاً فریدی نے اُنہیں لوگوں سے کہا۔ ”اب اسے کھول دو۔“

"ہمیں کتنی دیر ٹھہرنا ہوگا۔" اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب یہ کہ ہم کتنی دیر بعد واپس جائیں گے اور یہاں کس مقصد کے تحت لائے گئے

"واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب.....؟"

اس سوال کے جواب میں فریدی نے ٹامی گن سیدھی کرلی اور ان آدمیوں کو مخ کر کے بولا جو وہاں پہلے سے موجود تھے۔ "اب ان کے ہتھکڑیاں لگادو۔"

ہتھکڑیوں کے نام پر سبھی چونک پڑے تھے۔

"جس نے بھی اپنی جگہ سے جنبش کی وہ ڈھیر ہوا۔" فریدی نے ٹامی گن کو جنبش دے کر پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے ہتھکڑیاں لگ گئی تھیں۔

اب حمید بھی ان کی طرف سے اتنا لاپرواہ نظر آرہا تھا جیسے پہلے انہیں کبھی دیکھا ہی نہ

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے۔" قیدیوں میں سے ایک نے کہا۔

لیکن فریدی نے اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "انہیں لے جا

کچھ دیر بعد غار کے اُس حصے میں صرف حمید فریدی اور مونا ہی رہ گئے؟

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے مونا سے کہا۔ "تم بھوکی ہوگی۔"

مونا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "ہتھکڑ صرف پولیس والے ہی استعمال کرتے ہیں۔"

"تم اس فکر میں نہ پڑو۔ میں پروفیسر کی حفاظت کا انتظام بھی کر چکا ہوں۔ یہ بہت ہوا کہ تم اس طرح ہم لوگوں تک آ پہنچیں۔"

"ورنہ کیا ہوتا..... ورنہ کیا ہوتا۔"

"آپ اس بے چاری کو فی الحال آرام ہی کرنے دیجئے۔"

"کیا واقعی تم اتنی تھکن محسوس کر رہی ہو کہ میرے سوالات کے جواب نہ دے

نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"سارہ رحمان کے بارے میں کچھ۔"

"میں سب کچھ انہیں بتا چکی ہوں۔" مونا نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں اپنے طور پر کچھ سوالات کروں گا۔"

"پوچھئے۔"

"تم اُسے کب سے جانتی تھیں۔"

"ہم ساتھ ہی پلے بڑھے اور جوان ہوئے تھے۔ مسٹر رحمان میرے ڈیڈی کے گہرے وں میں سے تھے۔ چونکہ اُن کی مصروفیات کچھ اس قسم کی تھیں کہ سارہ کی تربیت پر دھیان ے سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے بھی ہمارے ہی گھر بھیج دیا تھا۔ میرے ڈیڈی ے تعلیم دلوائی اور اُسے اس قابل بنایا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے، اسی دوران میں ر رحمان کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے سارہ کے لئے معقول رقم چھوڑی تھی۔"

مونا خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"اُس نے اپنا انڈسٹریل ہوم کب قائم کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پانچ سال پہلے کی بات ہے۔"

"کاروبار کیسا چل رہا تھا۔"

"بہت اچھا..... نصیر آباد کے اونچے طبقے میں اُس کے یہاں کا کام بہت مقبول تھا۔"

"تم نے ان پانچ برسوں کے دوران میں کوئی خاص تغیر محسوس کیا تھا اس میں۔"

"تغیر.....!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ چند لمحے خلاء میں گھورتی رہی پھر ائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں نے اُس میں کئی قسم کے تغیرات محسوس کئے تھے۔ کاروبار وع ہونے کے دو سال بعد تک وہ معمول کے مطابق ہی نظر آتی رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد ں نے اُسے ہمیشہ ایک اعصاب زدہ لڑکی ہی کے روپ میں دیکھا۔ ذرا سی آواز پر اس طرح

چونک پڑتی تھی جیسے قریب ہی کہیں بم گرا ہو۔''

''تم نے اُس کی وجہ ضرور پوچھی ہوگی۔''

''یقیناً.....لیکن اس نے کبھی کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا تھا۔''

''کیا تم سچ بول رہی ہو؟'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور وہ بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

''اوہ.....تو تم نے مجھے بھی سچی بات نہیں بتائی تھی۔'' حمید نے اپنے مخصوص لہجے میں شکوہ

''میں کیا کروں.....میں کیا کروں۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگی۔

''قانون کے ہاتھ مضبوط کرو۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''تو کیا.....آپ لوگ.....!''

''ہاں.....ہم قانون کے محافظ ہیں۔''

''میرے ڈیڈی.....میرے ڈیڈی۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ انہیں محفوظ سمجھو۔ البتہ قدرتی موت سے تو انہیں کوئی بھی نہ بچا سکے

مونا کچھ نہ بولی۔ فریدی کہتا رہا۔ ''اپنے ذہن کو اُس کے لئے تیار کرو.....ورنہ کتنے اچھے لوگ سارہ کی طرح موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔''

مونا پھر بھی خاموش رہی۔

''بہتر ہوگا کہ تم کچھ دیر آرام کرو۔'' حمید نے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔ بس آپ لوگ کسی ط مجھے ڈیڈی کے پاس پہنچا دیجئے۔''

''جب تک وہ بھیڑیا آزاد ہے یہ نہ ہو سکے گا۔'' فریدی بولا۔ ''میں تمہارا خون اپنی گر پر نہیں لے سکتا۔''

''پھر میں کیا کروں۔''

اس سلسلے میں جو کچھ بھی جانتی ہو من وعن مجھے بتا دو۔ اسی میں سب کی بہتری ہے۔''

مونا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ سارہ ایک لڑکے کو چاہتی تھی۔ اس بُری طرح کہ خود ہی اُس کی تباہی کا باعث بھی بن گیا۔ اگر وہ درمیان میں نہ ہوتا تو سارہ بھی آج زندہ ہ۔'' وہ خاموش ہوگئی۔ فریدی نے بات کو آگے بڑھانے کے لئے کچھ نہ کہا۔ تھوڑی دیر بعد خود ہی بولی۔ ''جس زمانے میں وہ بہت زیادہ نروس نظر آنے لگی اکثر کہا کرتی تھی کہ واجد اُسے بہت بڑے جنجال میں پھنسا دیا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت اُس نے کبھی نہیں کی۔''

''ایک منٹ۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''واجد کون تھا.....؟''

''نصیر آباد کی کسی فرم کا پرچیز آفیسر تھا۔ فرم کا نام مجھے یاد نہیں۔ اتنا جانتی ہوں کہ وہ آمد برآمد کا کاروبار کرتا ہے۔''

''اُن کی دوستی انڈسٹریل ہوم قائم ہونے سے پہلے ہوئی تھی یا بعد میں۔''

''بعد میں۔''

''یہ یقین کے ساتھ کیسے کہا جاسکتا ہے۔''

''سارہ نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ اگر اُن کی دوستی پہلے ہوئی تھی تو مجھے اُس بارے میں کئی سال بعد کیوں بتاتی۔''

''بہر حال جب سے اُس نے اپنی اُس پریشانی کا تذکرہ کیا تھا میں نے اُسے کبھی خوش دیکھا۔ ہر وقت کسی سوچ میں گم رہتی تھی۔''

''اس کے بعد سے اُن دونوں کے تعلقات میں بھی فرق آیا ہوگا۔''

''نہیں ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ بُری طرح جان دیتی تھی اُس پر۔ اگر کسی دن اس سے قات نہیں ہوتی تھی، تو وہ پاگلوں کی طرح شہر کی گلیوں کی خاک چھانتی پھرتی تھی۔''

مونا خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس اجمال کے لئے تفصیل تیب دے رہی ہو جسے کہی ہوئی بات کے لئے بطور دلیل پیش کرسکے۔

''مجھے حیرت ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''کم از کم میں تو کسی ایسی ہستی کا وجود برداشت نہیں رسکتا جو میرے لئے الجھن کا باعث بنے۔''

"آپ عورت نہیں ہیں۔" مونا اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"عورتوں سے بھی بدتر۔" فریدی نے سگار کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ ایسا معلوم ... جیسے وہ خود ہی موجودہ موضوع سے ہٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کسی عورت کی موجودگی میں تو میری توہین نہ کیجئے۔"

"تمہیں وہ عورت تو یاد ہی ہوگی فرزند جس نے تمہاری نازک کلائیوں کی شان میں ... کہا تھا۔"

حمید سمجھ گیا تھا کہ فریدی کسی مقصد کے تحت موضوع گفتگو بدلنا چاہتا ہے۔ لیکن اُ... بات پسند نہ آئی کہ اس سلسلے میں وہ خود ہی نشانہ بنے۔

"جی ہاں..... جی ہاں۔" اُس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اور وہ عورت بھی یاد ہی ہوگی جسے تمہارے شرمانے کی ادا ایسی بھائی تھی کہ وہ تمہیں ... سہیلی بنانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔"

"وہ بھی یاد ہے۔" حمید نتھنے پھلا کر بولا۔

مونا اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"لہٰذا متحیر ہونا چھوڑ دو عورتوں کی باتوں پر۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"بہت بہتر..... بہت بہتر۔" حمید اس طرح سر ہلا کر بولا جیسے دیر سے اس ہدایت کا ... رہا ہو۔

"ہاں بے بی۔" دفعتاً فریدی مونا کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا سارہ نے اُس جنجال ... پھنسایا تھا پروفیسر کو۔"

"سس..... سارہ..... نہیں تو۔" مونا گڑبڑا گئی۔ "لل..... لیکن جنجال..... ڈیڈی تو کسی جنجال ...

"یہ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے علم ہے کہ پروفیسر اُسے تم سے بھی زیادہ چاہتا ...

"آپ..... آپ کیا جانیں۔"

"... علم ہے۔ لیکن پروفیسر کا دوسرا روپ حال ہی کی دریافت ہے۔ یہاں آنے ...

... معلوم ہوا کہ پروفیسر بھی اس جنجال سے الگ نہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں جانتی..... خدا کے لئے مجھ سے کچھ نہ پوچھئے۔"

"کیا تمہیں اپنے وطن سے محبت نہیں ہے۔"

"لیکن میں کیا جانتی ہوں جو آپ کو بتاؤں گی۔ ڈیڈی نے مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ وہ ہر ... ل سردیوں میں ہی رام گڈھ آتے ہیں۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے جیسے کوئی نظر نہ ... نے والا پھندا ان کی گردن میں پڑا ہوا ہے اور وہ کشاں کشاں رام گڈھ کی طرف لے جائے ... ہے ہوں۔"

"یہ بھی نہیں بتایا تمہیں کہ ایسے سخت موسم میں یہاں آنے کا کیا فائدہ۔"

"وہ کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ آئے دن طرح طرح کے تجربات کرتے رہتے ہیں۔ ... ایک تجربے کے لئے انہیں کئی سال سے ایک مخصوص درجہ حرارت کی ضرورت پیش آتی ... تجربہ ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔ اس لئے انہیں سردیوں میں یہاں آنا پڑتا ہے۔"

"خوب.....!" فریدی اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نے تمہیں یہی بتایا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"حالانکہ اس ترقی کے دور میں کوئی سا بھی درجہ حرارت حاصل کرنے کے لئے موسم یا سطح ... ندر سے بلندی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا..... کیا خیال ہے تمہارا.....!"

"یہی تو میں بھی سوچتی رہی ہوں۔"

"لیکن تم نے کبھی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"میں ڈیڈی کو غصہ دلانا پسند نہیں کرتی۔ اُن کے اعصاب کمزور ہیں۔"

"ویسے تم نے یہ تو محسوس ہی کیا ہے جیسے وہ جبراً وقہراً آتے ہو ..."

"جی ہاں..... میں یہی محسوس کرتی رہی ہوں۔"

"اچھا..... اس تجربے سے پہلے بھی کبھی تم لوگ رام گڈھ آتے رہے ہو۔"

"جی نہیں..... میری اپنی یادداشت میں تو نہیں۔"

"اب دو ایک سوالات میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔" حمید بول پڑا۔

فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی اور مونا حمید کی طرف متوجہ ہوگئی

"تم اُس آدمی سے بہت زیادہ خائف تھیں۔ نہ صرف خائف تھیں بلکہ اُس کے بار میں خاصی معلومات بھی رکھتی تھیں۔ اُس رات جب تم نے اُسے میرے کمرے میں بیہوش پڑ دیکھا تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ فزارو میں تنہا نہ ہوگا۔ اس کے ساتھی جہنم کا دہانہ کھول دیں گے۔"

"لیکن ڈیڈی کو اُس سے کیا سروکار۔ وہ تو شاید اُسے جانتے بھی نہ ہوں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اُس کا تعلق تو سارہ والے معاملے سے تھا۔"

"ہوں.....!" فریدی بولا "لیکن تم خائف تھیں۔"

"وہ.....وہ دراصل واجد کا بڑا بھائی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ واجد کے قتل میں سا ہاتھ تھا۔"

"قتل..... کس کا قتل.....!"

"واجد کا قتل.....!"

"یہ کب کی بات ہے۔"

"آٹھ یا دس ماہ پہلے کی۔ اُسی کے بعد تو سارہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ پھ دنوں کے بعد اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کس جنجال میں پھنسی رہی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا تھ واجد کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک درندے نے قتل کر دیا تھا۔ گردن میں چھری مار کر جھٹکا دیا تھا۔ نرخرے کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور خون کی موٹی سی دھار اچھل پڑی تھی۔ م بتاؤں کہ وہ کیسے انداز میں اس کا تذکرہ کرتی تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی اور پھر جھرجھری سی لے کر بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ اچانک اتنی کیوں بدل گئی تھی۔ واجد کے قتل سے پہلے وہ ایک اعصاب زدہ سی لڑکی تھی لیکن کے بعد میں نے محسوس کیا تھا جیسے اُس سے زیادہ نڈر اور فولادی قسم کی قوت فیصلہ رکھنے والی

ت میری نظر سے گزری ہی نہ ہو۔ وہ ان لوگوں سے انتقام لینے کیلئے نکل کھڑی ہوئی تھی۔"

"لیکن تم واجد کے بھائی سے کیوں خائف تھیں۔"

"جب تک سارہ زندہ رہی تھی وہ اس کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اُسے مجبور کرتا رہا تھا کہ وہ ے واجد کے قاتل کے بارے میں بتادے پھر ایک دن سارہ کے قتل کی خبر اخبارات میں ع ہوئی اور وہ میرے پیچھے لگ گیا۔ اس طرح ہمارے بنگلے کی نگرانی کرنے لگا جیسی ہم کہیں ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مجھ سے کہا تھا کہ سارہ نے تمہیں ضرور بتایا ہوگا کہ واجد کو کس قتل کیا تھا۔ مجھے بتاؤ ورنہ میں ساری زندگی تمہارے پیچھے لگا رہوں گا۔ وہ نصیر آباد کے متمول ن آدمیوں میں سے ہے۔ بدنام بھی ہے۔ بہت سے غنڈے پال رکھے ہیں۔ کبھی تنہا نہیں چار بدمعاش ساتھ ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سے نہ الجھو..... یقین ہے کہ وہ فزارو میں تنہا نہ رہا ہوگا۔ نصیر آباد سے میرا تعاقب کرتا ہوا رام گڈھ آیا تھا۔"

"پروفیسر کو علم تھا اس کا۔"

"نہیں..... میں نے اس کے بارے میں انہیں کبھی کچھ نہیں بتایا۔ وہ یونہی بہت پریشان ے تھے اور سارہ کے قتل کے بعد سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے حواس ہی میں نہ ہوں۔"

"کیا وہ خائف تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ..... ڈرے ڈرے سہمے..... لیکن انہوں نے کبھی اس کی وجہ نہیں بتائی۔ ا پوچھتی تھی تو یہی جواب ملتا کہ تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ہوں.....!" فریدی نے پُرتفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔

مونا خاموش ہو گئی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے پوچھا۔ "سارہ کن لوگوں سے انتقام لینا چاہتی تھی۔"

"اس نے کھل کر کبھی نہیں بتایا۔ ایک بار اپنا پرس میرے سامنے پھینک دیا تھا اور اس پر نے ہوئے سنہرے تیر کی طرف اشارہ کر کے بولی تھی کہ ان سے.....! پھر قطعی طور پر خاموش ئی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی تھی کہ مجھے اس کے متعلق صاف طور پر بتائے۔ لیکن ایسا نہ

ہوا۔ پھر ایک بار اُس نے کہا تھا کہ میرا یہ پرس میرے لئے اپنی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اس میں وہ راز پوشیدہ ہے جو میرے واجد کے قاتل کو جہنم میں پہنچا دے گا۔"

فریدی جو اُسے پُرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا تھا بولا "اور تم یہ ساری باتیں پہلی بار بتا رہی ہو۔"

"نہیں..... انہیں بھی بتائی تھیں۔" مونا نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس کے علاوہ.....!"

"کسی کو بھی نہیں۔ حتیٰ کہ واجد کے بھائی ساجد کو بھی نہیں بتائیں۔ نہ جانے کیوں اُ دیکھ کر مجھے غصہ آجاتا تھا اور میں اپنے ہونٹ سی لیتی تھی۔"

"کیا یہی پرس تھا۔" فریدی نے سارہ رحمان والا پرس جیب سے نکال کر اس کی ط بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید نے اُسے بُری طرح چونکتے دیکھا۔

"یہ..... یہ..... آپ کو کہاں سے ملا..... کہاں سے ملا۔" وہ مضطربانہ انداز میں بو بے چینی سے فریدی کے جواب کی منتظر رہی۔

"تم اچھی طرح دیکھ کر بتاؤ کہ یہ وہی پرس ہے یا نہیں۔"

"یقیناً وہی ہے۔" وہ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتی ہوئی بولی "آپ کو کہاں سے ملا بتایئے مج

"سارہ سے۔"

"اوہ..... میرے خدا..... وہ ہمدردوں کے درمیان پہنچ جانے کے بعد بھی زندہ نہ رہ

"میں نہیں سمجھا۔"

"یقیناً..... آپ اس کے ہمدردوں میں سے ہیں۔ تبھی تو اُس کے لئے.....!"

"لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ پرس..... تم ہی بتاؤ..... بھلا اس میں کیا ہے۔ جب م ہاتھ آیا تھا تو اس میں چند سکوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔"

"جتنی بات میں نے اُس کی زبان سے سنی تھی آپ کو بتا دی۔ اس سے زیادہ او

کچھ نہیں جانتی۔"

فریدی چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ "واجد کے قتل کے سلسلے میں اُس نے پولیس کو تو کوئی بیان نہیں دیا تھا۔"

"یہی تو بڑی عجیب بات ہے..... اس معاملے میں اس کے بھائی ساجد کا رویہ بھی حیرت انگیز رہا ہے۔ اُس نے بھی تو پولیس کو اس سلسلے میں مطلع نہیں کیا کہ سارہ اس کے بھائی کے قتل کے متعلق کچھ جانتی ہے۔"

"خیر..... کچھ اور بتاؤ سارہ کے بارے میں..... ہاں تو اس نے قاتل کے متعلق اور کیا کہا تھا۔"

"وہ نقاب پوش تھا..... چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی اور کچھ دستانوں کا بھی تذکرہ تھا۔ دستانوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ پاگلوں کی طرح ہنسی بھی اور بڑی حقارت سے کہا اب میرے ہاتھوں سے بچ کر کہاں جائے گا۔"

فریدی نے تفہیمی انداز میں سرکو جنبش دی۔

پہاڑ خانم

حمید پھر فزارو کی طرف واپس جارہا تھا۔ لیکن میک اپ میں نہیں تھا۔ اب اُسے حمید ہی کی حیثیت سے فزارو میں قیام کرنا تھا۔ البتہ فریدی کی ہدایت تھی کہ وہ رجسٹر میں اصل نام اور پتہ درج نہ کرائے۔

حمید سوچ رہا تھا۔ آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر وہ میجر سعید کے میک اپ میں اب نہیں رہ سکتا تھا پھر کوئی دوسرا روپ اختیار کرنے کی ہدایت ملی تھی۔ آخر کھل کر سامنے آجانے کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔

"اوہو.....!" اُس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر سخت ہو گئے اور وہ بڑبڑایا۔ "تو یہ بات ہ

نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے وہ ونڈ اسکرین پر نظر جمائے رہا۔

تو پھر ایک بار اُسے چارے کے طور پر استعمال کیا جانے والا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ رحمان فریدی کی موجودگی میں قتل ہوئی تھی۔ مجرموں کو علم تھا کہ وہ فریدی سے ملنا چاہتی پھر کیا مجرموں کو فریدی یا اُس سے متعلق لوگوں کی تلاش نہ ہوگی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریدی اتنی احتیاط سے کیوں کام لیتا۔

سارہ رحمان.....حمید نے طویل سانس لی۔ سارہ رحمان مرجانے کے بعد اور زیادہ ح انگیز ثابت ہوئی تھی۔ بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ اس کا پرس بہرحال الجھن کا باعث ب تھا۔ لیکن آخر فریدی نے قاتل اور اس کے دستانوں کے تذکرے کے بعد خاموشی کیوں ا کرلی تھی۔ مونا سے پھر مزید پوچھ گچھ کیوں نہیں کی تھی۔ خود حمید کے ذہن میں تو اس وق نئے سوالوں نے سر ابھارا تھا۔

فریدی نے مونا سے کہا تھا کہ اب اسے آرام کرنا چاہئے لیکن وہ مصر تھی کہ اُسے بھجوا دیا جائے۔

بمشکل تمام حمید نے اُسے کم از کم دو دن کیلئے پروفیسر سے الگ رہنے پر آمادہ کیا تھا

کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ یہ وہی کار تھی جس سے حمید نے صبح سفر کی فریدی نے اُس کی مختلف کنجیوں کے بارے میں اُسے بتاتے ہوئے کہا تھا "تم ا ضرورت کی ساری چیزیں پاؤ گے۔ بس اسے ذہن نشین کرلو کہ کونسی کنجی کہاں لگے گی۔"

اس کے بعد حمید کافی دیر تک کنجیوں سے متعلق مشق کرتا رہا تھا۔

اُسے اُن کھپاؤں کا خیال آیا جن میں ان دنوں فریدی کا قیام تھا۔ اسی جگہ وہ تعدا آٹھ تھیں۔ دو کھپاؤں میں قیدی تھے جن کی تعداد ڈیڑھ درجن کے قریب تھی۔ ان میں صرف انہیں لوگوں کو پہچان سکا جنہیں پہلے دیکھ چکا تھا۔ بقیہ اسکے لئے اجنبی تھے۔ فریدی اُسے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

واپسی پر اسے سڑک پر صرف اپنی ٹوسیٹر کھڑی دکھائی دی تھی۔ دوسری گاڑیاں وہاں نہیں یں۔ پھر اُس نے ان کے متعلق فریدی سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔ پوچھ کر کرتا بھی کیا۔ یدی سے تعلق رکھنے والی ہر بات حیرت انگیز تھی۔

حیرت ظاہر کرنے کے بعد اگر کسی سوال کا جواب نہ ملے تو ذہنی تھکن کچھ اور بڑھی سی وس ہونے لگتی ہے۔

اور پھر ذہنی تھکن کا خیال آتے ہی سچ مچ اُسے اپنے ذہن پر ایک بوجھ سا محسوس ہونے سیٹی میں کوئی دھن نکالنے کے لئے ہونٹ سکوڑے لیکن سمت مخالف کی تیز ہوا نے آواز نہ نے دی۔

تب وہ اپنے ذہن کو ڈھیلا چھوڑ کر خوب صورت لڑکیوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ مایا ی کی چال بڑی دلکش ہے لیکن جب تیزی سے چلتی ہے تو کسی قدر بھدی لگتی ہے۔

تہمینہ سر کو پیچھے جھٹک کر مسکراتی ہے تو.....تو.....کوئی تشبیہ سوجھ نہ سکی اور وہ براہِ راست ین قزلباش کی طرف آ گیا۔ پھر رضیہ یاد آئی۔ وہ اسے پسند تھی۔ نفسیات کے سلسلے میں اس چھیڑ چھاڑ وقتی طور پر گراں گذرتی تھی لیکن پھر وہ اکثر اس کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔

یاسمین قزلباش.....اس نے طویل سانس لی۔ اگر وہ رضیہ ہی ہے تو اداکاری میں اپنا جواب رکھتی۔ یہ بات اس نے پہلے بھی کئی بار سوچی تھی۔ اُسے خوشی تھی کہ اب وہ اپنے پچھلے میک میں واپس نہیں جا رہا.....ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھتی۔

فزارو پہنچ کر وہ اپنی گاڑی پارکنگ شیڈ کی طرف لیتا چلا گیا اور اسی وقت اس کی نظر س کی لاری پر پڑی۔ دو تین مسلح کانسٹیبل لان پر بھی نظر آئے۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید نے بڑبڑاتے ہوئے انجن بند کیا۔

گاڑی سے اُتر کر سیدھا دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

کاؤنٹر پر دو سب انسپکٹر دکھائی دیئے، جو شاید کاؤنٹر کلرک سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

کلرک ان سے معذرت طلب کر کے حمید کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ قیام کے

لئے کمرہ مل سکے گا۔

”گاڑی سے میرا سامان منگوا لیجئے۔“ حمید نے کہا اور اسے اپنی گاڑی کے نمبر
رجسٹر میں اپنا نام عبدالرشید اور پیشہ کمیشن ایجنسی درج کرایا۔

ہر چند کہ وہ نام اُسے پسند نہیں تھا لیکن زبان سے یہی نکلا تھا۔ اس لئے اب
عبدالرشید ہی محسوس کر رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد وہاں پولیس کی موجودگی کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔

یہ ہنگامہ یاسمین قزلباش نے برپا کرایا تھا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی
لوگ میجر سعید کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

پھر ایک پارٹی یاسمین قزلباش کے ساتھ غالباً اسی جگہ کی تلاش میں روانہ ہوئی تھی
واقعہ پیش آیا تھا۔

اس نے پولیس کو مونا کے بارے میں بھی بتایا تھا۔

حمید کو اس کے برابر ہی کمرہ ملا تھا جس میں وہ میجر سعید کی حیثیت سے مقیم رہا تھا
تھوڑی دیر بعد وہ نیچے ڈائننگ ہال میں واپس آیا۔ شام ہوگئی تھی اور اب دھند کا پھیلنے
حمید نے سوچا کہ مزید معلومات کیلئے کاؤنٹر کلرک ہی سے ربط و ضبط بڑھانا بہتر
اس وقت کاؤنٹر کلرک کے پاس غالباً اس کا کوئی دوست بیٹھا واقعے کے متعلق
تھا۔ حمید کاؤنٹر سے ٹک کر پائپ سلگانے لگا۔ اس کی نظریں سامنے پڑے ہوئے لائف
کے سرورق پر تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس پر چھپی ہوئی تصویر میں بہت زیا
لے رہا ہو۔

کاؤنٹر کلرک اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔ منیجر صاحب کا ہارٹ فیل اسی رات
جب بوڑھا پروفیسر خراب و خستہ حالت میں واپس آیا تھا۔ پتہ نہیں کیا چکر تھا۔ وہ پر
بیزار بھی تھے اور اس سے ڈرتے بھی تھے۔ جب وہ بیہوش پڑا تھا تو ان کی کوشش یہی تھ
میڈیکل ایڈ نہ مل سکے۔ تب میجر سعید اور مسٹر ساجد پرویز ایک ڈاکٹر کو بلا لائے۔ میرا

ہر 32
سلسلے میں منیجر صاحب سے ان کی جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ پھر ڈاکٹر نے جیسے ہی یہ اطلاع
پروفیسر کی حالت غیر یقینی ہے ان کے قلب کی حرکت بند ہوگئی۔ اب تم اس سے جو نتیجہ
اخذ کرو۔“

اس نے خاموش ہو کر حمید پر نظر ڈالی اور پھر مخاطب کو جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

دوسرے آدمی نے کہا۔ ”اور یہ میجر سعید اور پروفیسر کی لڑکی والا معاملہ۔“

”کوئی بہت بڑا چکر ہے۔ پروفیسر کو ہوش ہی نہیں آ چکتا۔ اس وقت اس کے بستر کے
چار مسلح پولیس آفیسر موجود ہیں۔ مونا اور میجر سعید کی تلاش جاری ہے جنہیں کچھ
اش پکڑ لے گئے ہیں۔“

کچھ دیر کے لئے وہ پھر خاموش ہوگئے اور حمید لائف میگزین کے ورق الٹتا رہا۔

”آخر وہ ایرانی عورت وہاں کیسے جا پہنچی تھی۔“ دوسرے آدمی نے پوچھا۔

”تفریح کے لئے نکلی تھی۔ آگے وہ لوگ اپنے گاڑی میں مونا کو لئے جا رہے تھے۔ ایک
انہوں نے اپنی گاڑی اسی طرح روکی کہ مس یاسمین کو بھی گاڑی روک دینی پڑی چونکہ مس
ں یہیں مقیم ہیں اس لئے انہیں تعاقب کا شبہ ہوا اور انہوں نے انہیں بھی پکڑ لیا۔ مونا سمیت
غار میں پہنچے۔ مس یاسمین کا بیان ہے کہ وہ مونا سے میجر سعید کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ وہ
ا جاننا چاہتے تھے کہ مونا نے میجر سعید سے کس قسم کی باتیں کی ہیں اور اسے اپنے بارے میں کیا
ہے۔ وہ لوگ کبھی اردو میں گفتگو کرنے لگتے تھے اور کبھی انگریزی میں۔ ورنہ وہ بے چاری تو
بھی نہ سمجھ سکتیں۔ انہیں اردو آتی ہی نہیں۔ بہر حال یہ پوچھ گچھ جاری ہی تھی کہ میجر سعید
ت انگیز طور پر وہاں پہنچ گیا اور اس نے مونا پر ریوالور سے فائر کئے پھر ایک اور آدمی آیا
ل کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔ اس کے حکم پر ان لوگوں نے میجر سعید کو باندھ لیا اور مونا سمیت
ے اپنے ساتھ لے گئے۔ مس یاسمین پر اتنی مہربانی کی کہ ان کے کاغذات دیکھ لینے کے بعد
نکا جانے دیا۔ لیکن دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے پولیس کو کچھ بتایا تو ان کی خیر نہیں۔ یار
ے جگرے کی عورت ہے۔ اب تو اسے ضد ہوگئی ہے۔ سب کچھ پولیس کو بتا دیا ہے اور اب

پولیس والوں کے ساتھ ان لوگوں کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہے۔"

"کیا خیال ہے تمہارا.....!" دوسرے آدمی نے پوچھا۔ "کیا یہ میجر سعید بھی کوئی آدمی ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔" کاؤنٹر کلرک طویل سانس لے کر بولا۔ "میرے ساتھ تو بڑی سے پیش آیا تھا۔ پرنس ہنری کے تمباکو کی وافر مقدار مجھے دی تھی۔ تم نے کبھی ٹرائی کیا پرنس ہنری۔ میری دانست میں تو اس سے اچھا کوئی اور تمباکو ہے ہی نہیں۔"

"کیپسٹن کیا بُرا ہے؟"

"بکواس ہے..... میں تو اپنے ایک جہازی دوست سے خط و کتابت کر رہا ہوں کہ بھی آئے میرے لئے دو درجن ڈبے لیتا آئے۔"

"کیپسٹن کے مقابلے کا نہیں۔ مانو میری بات۔"

"خواہ مخواہ بحث نہ کرو۔"

"لارڈ بوگر ڈوگر بھی کیپسٹن ہی کا تمباکو استعمال کرتے ہیں۔"

اس پر کاؤنٹر کلرک صاحب نے لارڈ بوگر ڈوگر کی والدہ کی شان میں بہت بڑی گ فرمائی اور مخاطب کے چہرے پر بھی کسی قدر برافروختگی کے آثار نظر آئے۔ لیکن وہ نچلا دانتوں میں دبائے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

کاؤنٹر کلرک بُرا سا منہ بنا کر رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر شاید دوسرے آ اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے لہجے میں دوستانہ نرمی پیدا کر کے پوچھا۔

"پھر میجر سعید کا کیا ہوا.....؟"

"میجر سعید کی.....!"

لیکن قبل اس کے کہ وہ میجر سعید کی والدہ کو بھی نواز بیٹھتا حمید جلدی سے بولا پڑا۔ " کون کون سے اخبار آتے ہیں۔"

"اخبار.....!" کاؤنٹر کلرک جھلا کر مڑا۔ لیکن پھر شاید یاد آنے پر کہ اب وہ ایک گ

سے مخاطب ہے سنبھل کر بولا۔ "کئی اخبار آتے ہیں جناب، سب آپ کو ریڈنگ روم میں مل جائیں گے۔ مجھے چونکہ اخبارات سے دلچسپی نہیں ہے اس لئے ان کے نام بھی یاد نہیں رہتے۔"

"خیر.....خیر..... ابھی ابھی آپ نے پرنس ہنری کے تمباکو کے متعلق جو رائے ظاہر کی تھی میں اُس سے متفق ہوں۔"

"ہے نا.....!" وہ جھک کر بولا۔ پھر دوسرے آدمی سے بولا۔ "دیکھو..... جسے ذرا بھی تمیز ہے مختلف تمباکوؤں میں..... وہ یہی کہے گا۔"

"میاں پیچھا چھوڑ دو میرا۔" دوسرا آدمی ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "جہنم میں جائے پرنس ہنری۔"

"ہٹ دھرمی سلامت رہے۔" کاؤنٹر کلرک نے بُرا سا منہ بنایا اور پھر رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"اگر آپ پینا چاہیں تو میں آپ کو پرنس ہنری کا ڈبہ دے سکتا ہوں۔" حمید بولا۔

"ایک ڈبہ۔" کاؤنٹر کلرک نے حیرت سے کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"لیکن وہ بہت مہنگا ہوگا۔"

"میں تحفتاً پیش کروں گا۔"

"ارے نہیں..... آپ کو کمی پڑے گی۔"

"قطعی نہیں۔ میرے بڑے بھائی ایک بار بردار جہاز پر چیف انجینئر ہیں۔ ہر ماہ میرا کوٹہ بھجوا دیتے ہیں اس میں سے بھی کئی ڈبے بچ رہتے ہیں لہٰذا احباب کا بھی بھلا ہو جاتا ہے۔"

"تب تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ایک ڈبہ مجھے بھی عنایت فرمائیے اور پھر ان حضرت کو بھی دکھائی جائے یہ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"جی نہیں شکریہ۔" دوسرا آدمی ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "مجھے اپنا ہی برانڈ بھلا لگتا ہے۔"

اس طرح حمید نے کاؤنٹر کلرک سے دوبارہ اچھی خاصی جان پہچان پیدا کر لی۔ اب وہ یاسمین کے بارے میں بہت زیادہ تشویش میں پڑ گیا تھا۔ اگر اس کا تعلق مجرموں ہی سے ہوتا تو وہ پولیس کو ہرگز بیان نہ دیتی۔

لیکن اس کے برعکس بھی تو ہوسکتا تھا۔ وہ فریدی ہی کے کام کرنے والی کوئی لڑکی ہوسکتی تھی۔ اس کے امکانات پر بھی حمید نے بارہا غور کیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر اس نظریئے کو رد کردیا تھا کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو خود اس سے راز داری برتنے کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔ دونوں مل کر کیوں نہ کام کرتے۔ اگر یہ یاسمین درحقیقت رضیہ ہی تھی تو درزی خانے میں وہ ایک دوسرے کے لئے کیوں اجنبی بنے رہتے۔ کیا مصلحت تھی اس میں۔ لیکن آخر وہ کم بخت درزی خانہ ہی کس مرض کی دوا تھا۔ کیا مقصد تھا اس کے قیام کا اور پھر وہ اس طرح بند کیوں کردیا گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے دیا سلائی دکھانے ہی والا تھا کہ یاسمین قزلباش ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔ حمید نے اُسے دیکھ کر اتنی گہری سانس لی تھی کہ کاؤنٹر کلرک کو بھی اس طرف متوجہ ہوجانا پڑا تھا۔

"آخر کس جنگل کا جانور ہے؟" حمید نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔ "خدوخال مشرقی لگتے ہیں لیکن لباس ٹھیٹھ مغربی ہے۔"

"ایرانی ہیں جناب۔ یہی تو ہیں مس قزلباش جن کو یہ واقعہ پیش آیا تھا.....؟"

"اوہو.....اچھا.....اچھا.....ایرانی ہیں۔ خوب۔ ایرانی لڑکیاں میری کمزوری ہیں۔"

کاؤنٹر کلرک نے دانت نکال دیئے۔

یاسمین کی نظر حمید پر پڑی اور حمید نے محسوس کیا جیسے وہ ایک پل کے لئے ٹھٹکی ہو۔ پھر آگے بڑھتی چلی گئی۔

"قق.....قق.....قیامت ہے۔" حمید مضحکانہ انداز میں ہکلایا۔

"بے حد سنجیدہ عورت ہے۔ میں نے ابھی اُسے مسکراتے نہیں دیکھا۔" کاؤنٹر کلرک بولا۔

"میں تمہیں اس کے لئے پاگل ہوکر دکھادوں گا۔" حمید نے کہا۔

"آپ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جناب.....!" دوسرے آدمی نے طنزیہ لہجہ میں کہا تھا۔

حمید نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری اور کسی گھٹیا قسم کے عیاش آدمی کی طرح اپنی جیب پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"نہ بزور ونہ بزاری نہ بزرمی آئید.....!" دوسرے آدمی نے کہا۔

"مجھے فارسی نہیں آتی۔ مطلب بھی سمجھاؤ۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

"یہ بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ بغیر تعارف کسی سے بے تکلف ہوا جائے۔" کاؤنٹر کلرک نے دوسرے آدمی سے کہا اور پھر معذرت طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کوئی بات نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "ہم تو یاروں کے یار ہیں۔"

"یہ بات ہے تو لاؤ ادھر ہاتھ۔" دوسرا آدمی اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ حمید نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "بس اسی طرح ہنس بول کر دن گزارتے ہیں۔"

دوسرا آدمی تحسین آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک حمید ہی کے ہاتھ میں تھا۔

"اچھی بات ہے دوست۔" اس نے بالآخر کہا "ہمارا وقت اچھا ہی گزر جائے گا۔"

"یہ مسٹر شفقت ہیں.....!" کاؤنٹر کلرک نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"رام گڈھ کے مشہور گلوکار.....اپنا ثانی نہیں رکھتے۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" حمید ایک بار پھر گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ "مجھے رشید کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں وائیلن بہت اچھا بجاتا ہوں۔"

"ضرور.....ضرور.....انگلیاں یہی کہہ رہی ہیں۔"

اتنے میں یاسمین پھر دکھائی دی۔ کاؤنٹر ہی کی طرف آتی معلوم ہوتی تھی۔

حمید کا اندازہ درست ہی نکلا۔ اس نے قریب آکر کاؤنٹر کلرک سے وقت پوچھا تھا اور اپنی گھڑی ملائی تھی۔

"کہیئے.....کچھ سراغ ملا۔" کاؤنٹر کلرک نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں! ہم ان غاروں میں بھی دیکھ آئے اور پل تک بھی گئے۔ ان کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ بے چاری لڑکی۔ پتہ نہیں وہ درندے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے شاید آپ اب واپس چلی جائیں۔"

"ناممکن..... مجھے یہ ایک دلچسپ لیکن ڈراؤنا قصہ معلوم ہوتا ہے۔ اب تو میں تفصیل معلوم کرنے کے لئے بہر حال ٹھہروں گی۔"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!" وہ سر ہلا کر بولا۔ "آپ کو پلاٹ مل جائے گا۔ اچھا۔ آپ کہانیاں ہی تو لکھتی ہیں۔"

"میں رات کا کھانا اپنے کمرے میں کھاؤں گی۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی۔

"ناک پر مکھی ہی نہیں بیٹھنے دیتی سالی۔" کاؤنٹر کلرک بڑبڑایا۔

زینوں کے قریب پہنچ کر وہ ایک بار پھر مڑی تھی۔ حمید نے محسوس کیا جیسے اس بار مرکز نگاہ صرف وہی رہا ہو۔

اُن دونوں نے بھی شاید اُسے محسوس کر لیا تھا اور پُر معنی انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"واقعی آپ بلا کے چھیلے ہیں جناب۔" کاؤنٹر کلرک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں.....؟ کیوں بھئی۔"

"شاید ہی کسی کو اس نے نظر بھر کر دیکھا ہو..... کمال ہو گیا۔"

"کیا کمال ہو گیا۔" حمید نے انجان بن کر پوچھا۔

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ مڑ مڑ کر آپ کو دیکھتی رہی تھی۔"

"وہم ہو گا.....!" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر چونک کر بولا۔

"اوہ..... میں آپ کے لئے تمباکو تو لیتا آؤں۔"

پھر ان کی کوئی بات سنے بغیر وہ بھی زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

تیزی سے زینے طے کئے اور اپنے کمرے والی راہداری میں مڑ ہی رہا تھا کہ آواز آئی "ٹھہریئے۔"

حمید چونک کر مڑا۔ یاسمین قزلباش دوسری راہداری کے سرے پر کھڑی تھی۔

حمید کے مڑنے پر اس نے کہا۔ "میں بس ایسی معمولی ہی سی اردو جانتی ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی کہ آپ اردو جانتی ہیں۔" حمید نے اردو ہی میں کہا۔

"وہ میرا کمرہ ہے۔" یاسمین نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"چلئے۔" حمید دوسری راہداری میں مڑ گیا۔

یاسمین اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ لیکن کمرے میں داخل ہونے میں اس نے پہل کی۔

"وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ آپ بہت مغرور ہیں۔" حمید نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

"میں خود کو لئے دیئے رہنے کی عادی ہوں۔"

"انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ ایران سے تعلق رکھتی ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

"کیا میں اس ملاقات کو تقریب کا رنگ دے سکتا ہوں۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

اب وہ انگریزی ہی میں گفتگو کر رہا تھا۔

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کیا اسکیم میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔" اس بار یاسمین قزلباش نے اردو میں پوچھا۔

"کچھ دیر مجھے اور ٹھہرنے دیجئے یہاں۔ آپ تو لاطینی بھی بولنے لگیں گی۔"

"میں پوچھتی ہوں آپ میک اپ کے بغیر کیوں نظر آ رہے ہیں۔"

"کوسمیٹکس کی گرانی..... میکس فیکٹر کی لپ اسٹک کا عادی تھا۔ دوسرے برانڈ قطعی پسند نہیں۔"

"سنجیدگی سے گفتگو کیجئے۔"

"کیا ایرانی مرد.....!"

"پلیز کیپٹن حمید۔"

"عبدالرشید نام ہے خاکسار کا۔"

"مجھے کرنل صاحب سے آپ کی شکایت کرنی پڑے گی۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا

"محترمہ رضیہ..... آپ خود کو کیا سمجھتی ہیں۔"

"میرا نام رضیہ بھی نہیں ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"محترمہ..... لفاتن..... ہیں.....!"

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "اسی خدشے کے تحت کر آپ پر میری اصلیت نہیں واضح کی تھی کہ پھر کام نہیں ہو سکے گا۔"

"اب تو کام تمام ہو گیا نا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"اچھی بات ہے..... آپ جا سکتے ہیں۔"

"نفسیات پر کچھ نہیں ہوئی۔ بہت دنوں سے کان پیاسے ہیں۔"

وہ ہنس پڑی اور بولی۔ "آپ کی ڈاڑھی اکثر یاد آتی تھی اور وہ پہاڑ خانم۔"

"قاسم.....!"

"جواب نہیں ہے اس کا بھی۔" اس نے کہا اور پھر چونک کر بولی۔ "الجھا لیا آ ..... میں پوچھ رہی تھی کہ آپ میک اپ کے بغیر کیوں نظر آ رہے تھے۔"

"پہلے تم مجھے اپنا جغرافیہ سمجھانے کی کوشش کرو۔"

"میرا تعلق نصیر آباد آفس سے ہے۔ میں نے ایک معاملے میں کرنل سے مدد طلب کی"

"نصیر آباد آفس.....!" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "تم لیڈی انسپکٹر نہیں ہو۔"

"ہاں یہی ہے میرا نام.....!"

"تذکرہ سنا تھا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اور کوشش بھی کی تھی کہ کچھ دنوا لئے آن ڈیپوٹیشن نصیر آباد چلا جاؤں۔"

حمید نے سوچا درزی خانے والا چکر بھی لگے ہاتھوں سمجھ لینا چاہئے۔ لیکن پھر خام رہا۔ کیا وقعت رہ جاتی اس کی نظروں میں۔ کرنل فریدی اپنے ماتحتوں پر اعتماد نہیں کرتا۔ حالات سے بے خبر رکھتا ہے۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" زیبا نے کہا۔

"جو حکم ملا۔ اس پر عمل کر ڈالا گیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔ وقت اتنا کم تھا کہ اس کی وجہ بھی نہ معلوم کی جا سکی۔ ورنہ صبح تک تو میک اپ ہی میں تھا۔"

"کہاں تھے؟"

"کچھ وقت تو تمہارے ساتھ بھی گزرا تھا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اسی غار میں محترمہ زیبا جس کی زیارت کرانے لے گئی تھیں۔ آپ یہاں کے ٹھگوں کو۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"میجر سعید محترمہ۔"

"وہ..... وہ..... آپ تھے؟" زیبا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جناب.....!"

"لل..... لیکن..... پھر آپ کیسے رہا ہوئے..... اس مردود نے تو پانسہ ہی پلٹ دیا تھا آ کر.....؟"

"جی..... یہ آپ نے کس مردود کا تذکرہ کیا ہے۔"

"وہی..... جو آپ کو بندھوا لے گیا تھا۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "اگر اس بیچارے کو علم ہو جائے کہ آپ نے اُسے کن الفاظ میں یاد فرمایا تھا تو شاید وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ جنگل کی راہ لے۔"

"پلیز کیپٹن..... مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔"

تب حمید نے اُسے پوری داستان سنائی اور وہ بڑی دیر تک متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتی رہی۔

پھر بولی۔ "خدا کی قسم! میرے تو ہاتھ پیر پھول جاتے کہ آدمیوں کو کیسے باندھ لے جاؤں؟ اُن کے ذہن کو کون پا سکتا ہے۔"

"مجھے اس پر حیرت ہے کہ انہوں نے تم کو رخصت کرتے وقت کوئی ہدایت کیوں نہیں

دی اور تم نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے کیسے کر ڈالا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ یہی چاہتے تھے جو کچھ میں نے کیا ہے۔"

"کیوں؟ کس بناء پر.....؟"

"میرا دل مطمئن ہے؟ کیا آپ ٹیلی پیتھی میں یقین نہیں رکھتے۔"

"صرف اسی حد تک کہ وہ دو دلوں کا معاملہ ہو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی ہے۔

دفعتاً راہداری سے کچھ عجیب قسم کے شور کی آواز آئی وہ چونک پڑے۔ شاید کوئی وزنی چیز گھسیٹی جا رہی تھی۔

ساتھ ہی کوئی کہتا جا رہا تھا۔ "ابے خانا نہیں خاتے قیا تم لوغ...... جرا سا ہولڈال نہیں اٹھا سکتے.....قیوں.....؟"

"صاحب آپ خواہ مخواہ لائے ہولڈال..... یہاں بستر وغیرہ سب ملتا ہے۔" کسی نے جواب میں کہا تھا۔

"تمہارے بستروں کا قیا ٹھکانا.....کل قوئی بھنگی ونگی لیٹا ہو اس پر تو.....!"

"ارے یہ یہاں کیسے۔" حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"پہاڑ خانم ہی ہے نا.....آواز ویسی ہی ہے۔"

"بالکل وہی مردود ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا.....وہ مجھے پہچان لے گا۔"

"لیکن اُسے کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں؟" حمید نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آپ ہی کے لئے آیا ہو۔"

"ہاں.....دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ کسی تگڑی سی عورت کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہے یا پھر یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے اس کو.....خیر میں دیکھتا ہوں۔ جب تک واپس نہ آؤں کمرے سے باہر نہ نکلنا۔"

حمید نے دروازے کی طرف مڑتے وقت ریڈی میڈ میک اپ کا سامان جیب سے نکال

وہ دونوں

دو پورٹر ایک بہت بڑے اور وزنی ہولڈال کو گھسیٹتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے سے نے کی کوشش کر رہے تھے اور قاسم قریب ہی کھڑا انہیں غیرت دلا رہا تھا۔

"اور..... زور لغا کے..... ہاں..... یا علی..... اور جور سے..... ہت تیری قی..... اچھا بس دیخ لیا.....میرے طرح بھینس کا دودھ پیا قرو.....!"

دونوں پورٹر الگ ہٹ گئے اور قاسم نے جھک کر اس ہولڈال کو اس طرح اٹھالیا جیسے بنڈ اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس سمیت وہ دروازے سے تو نہیں گزر سکتا۔

"اب دیخو حرامی پن.....!" وہ جھلا کر بولا۔ "سالوں نے یہ جرا جرا سے دروازے بنائے قیسے گھسوں اور قیسے گھسیڑوں۔"

پورٹروں نے منہ دبا کر ہنسنا شروع کر دیا۔

"ابے ہنستے ہو بے شرمو۔" قاسم نے اس وزنی ہولڈال کو اُسی طرح اٹھائے ہوئے کہا۔ اتنی ترقی کر رہی ہے اور یہ لوغ ٹھیک سے دروازے بھی نہیں بنا سقتے۔"

"صاحب..... پہلے ہولڈال کو اندر پھینک دیجئے۔"

"اور پھر خود گھس جاؤں قیوں.....؟" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"اور کیا حضور عالی.....؟"

"ابے ہاں ٹھیق تو ہے؟" قاسم آہستہ سے بڑبڑایا اور ہولڈال کو اٹھا کر اندر پھینک دیا۔

"اور اب آپ.....!"

"ابے ہاں گھس رہا ہوں۔" قاسم پھر جھلا کر بولا۔ "جلدی قیا ہے؟"

"کچھ نہیں صاحب..... کچھ نہیں..... اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"خانے میں قیا ملے غا.....!"

"صاحب یہ تو بابو صاحب ہی بتا سکیں گے۔"

پورٹروں نے آنکھیں پھاڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور چپ چاپ زینوں کی طرف بڑھ

حمید بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا زینوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ زینے طے کرتے وقت نے ناک کے نتھنوں سے اسپرنگ نکال لئے۔ پھر اُسے تمباکو کا ڈبہ یاد آ گیا اور اُسے پاؤں واپس ہونا پڑا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر کاؤ پر دکھائی دیا۔ کاؤنٹر کلرک اب تنہا ہی تھا۔ تمباکو کا ڈبہ سنبھا ہوئے اس نے بڑی لجاجت سے حمید کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"ابھی مجھے زینوں کے قریب ہی ایک دیوزاد نظر آیا تھا..... یہ کون ہے۔"

"ارے صاحب حد ہوگئی۔" وہ راز دارانہ لہجے میں بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیسے حیرت انگیز واقعات پیش آ رہے ہیں۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ حد ہوگئی۔"

"کیوں کیا ہوا.....؟"

"وہ صاحب ضروری کارروائیوں کے بعد اوپر گئے ہی تھے کہ ایک محترمہ تشریف لائ کہنے لگیں کہ انہیں ان صاحب کے برابر والا کمرہ دیا جائے۔ یہ بے حد ضروری ہے اور ا کے لئے مجھے کوئی معقول رقم بطور انعام بھی دے سکیں گی۔ حالانکہ ایک کمرہ اس کے برا خالی ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"دے دو نا..... مفت کے پیسے ہاتھ آئیں گے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"نہیں صاحب.....! وہ اس کی بیوی ہوگی چھپ کر اس کی مصروفیات کا جائزہ لینا چا ہوگی۔"

"ہاں معلوم تو بیوی ہی ہوتی ہیں۔ کچھ ہی کم ہوں گی ان صاحب سے۔ لیکن

ن۔ چہرے مہرے کی بھی اچھی ہیں۔ اپنا نام ثریا لکھا گئی ہیں۔"

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ قد و قامت میں کچھ ہی کم ہوگی۔"

"جی ہاں.....!"

حمید نے پُرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

"اب بتائیے کیا خیال ہے۔"

"میری دانست میں تو تمہارا کوئی نقصان نہیں اس میں اگر برابر والا کمرہ خالی ہے۔"

"خالی ہے جناب۔"

"دے دو.....!"

کلرک طویل سانس لے کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ آپ کہتے ہیں تو دے دوں گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں ان پر نظر رکھوں گا۔ کوئی گڑبڑ دیکھی تو تمہیں آگاہ بھی کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔" وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "لیکن جناب کسی سے گا نہیں کہ مجھے اس کے لئے پیسے ملتے ہیں۔ آپ کو اپنا سمجھ کر بتا دیا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

واپسی پر حمید نے دونوں اسپرنگ پھر نتھنوں میں فٹ کر لئے۔ ناک کی نوک اوپر اٹھ گئی ی کیساتھ اوپری ہونٹ بھی اس طرح اوپر اٹھتا چلا گیا کہ سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے۔

زیبا کے کمرے کے دروازے کے سامنے رک کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ہینڈل ا کر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔ اس لئے اُسے بے تحاشہ کمرے میں ا جانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

زیبا نے اُسے دیکھا اور اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا تھا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔ کون ہو تم..... اس طرح بغیر اجازت.....!"

حمید کچھ نہ بولا۔ خاموش کھڑا اُسے گھورتا رہا۔

دفعتاً زیبا نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکال لیا۔

"کون ہو تم.....!" اس بار اس کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔

"ایس ک اداس اور تنہاں آدمی.....!" حمید ناک کے بل بولا۔

"نکلو باہر..... نکل جاؤ..... اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!"

حمید نے ہاتھ اٹھائے تو لیکن وہ صرف چہرے تک آ کر رہ گئے۔ اس نے اپنا منہ تھا اور پھر جب ہاتھ چہرے سے ہٹے تو دونوں اسپرنگ نتھنوں سے نکل کر مٹھی میں آ چکے

"ارے.....!" زیبا لڑکھڑاتی ہوئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

حمید بڑی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"کمال ہے۔" زیبا اٹک اٹک کر بولی۔ "کیا یہ جادو تھا۔"

"نہیں..... ہماری روحانی قوت کا کرشمہ۔ بولو کیا چاہتی ہو۔"

"نہیں بتایئے۔ میں نے ایسی حیرت انگیز تبدیلی آج تک نہیں دیکھی۔"

"کیا آپ اپنی ناک کی نوک اس طرح اٹھا سکتی ہیں۔"

"نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن..... نتھنے پھلائے جا سکتے ہیں..... لیکن ناک طرح اوپر نہیں اٹھائی جا سکتی۔"

"اونچی ناک والے ہیں۔"

"خدا کی قسم دو گھنٹے متواتر دیکھتے رہنے کے بعد بھی نہ پہچان سکتی۔"

"اب اس قصے کو ختم کرو۔ میں سنجیدگی سے کچھ دیر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"سنجیدگی سے۔" زیبا نے مصنوعی حیرت ظاہر کی۔ "آپ اور سنجیدگی۔" "یہ بھی آپ جانیں۔ میں کیا بتا سکوں گی۔"

"دوسرا چکر اور بھی ہے۔"

"وہ کیا.....؟"

"میں سمجھتا تھا کہ وہ کسی عورت کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہے لیکن معاملہ برعکس ہے؟"

"یعنی.....!"

"کوئی عورت اس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔"

"میں پھر نہیں سمجھی۔"

حمید اُسے اپنی اور کاؤنٹر کلرک کی گفتگو کا ماحصل بتاتا ہوا بولا۔ "اب دیکھنا ہے کہ وہ عورت کون ہے۔"

"عورتیں ہی آتی ہیں آپ کے حصے میں۔" زیبا اٹھلائی۔

"نفسیاتی نکتہ نظر سے۔"

"اوہو..... تو اب آپ کو بھی دلچسپی ہو گئی ہے نفسیات سے۔"

"یہ بھی ایک نفسیاتی نکتہ ہے..... جب کوئی پوسٹ گریجویٹ درزن دل کے چاک رفو کرتی ہے تو اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔"

"کیا اب ہم رومانی قسم کی گفتگو کریں گے۔" زیبا نے حیرت سے کہا۔

"ڈیپارٹمنٹ کے رولز اینڈ ریگولیشن میں کہیں اس کا تذکرہ موجود نہیں کہ ڈیپارٹمنٹ کی خواتین سے رومانی گفتگو نہ کی جائے۔"

"اوہ..... ہاں..... تو آپ کیا کہہ رہے تھے اس عورت کے متعلق۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید نے پرتفکر لہجے میں کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ "کیا تم پروفیسر اور اس کی لڑکی کی نگرانی کرتی رہی تھیں۔"

"ہاں..... میں نصیر آباد ہی سے ان کا تعاقب کرتی ہوئی آئی تھی اور کرنل صاحب کو اس کی اطلاع دی تھی۔"

"آخر پروفیسر اور اس کی لڑکی پر تمہیں کس بات کا شبہ تھا۔"

"گولڈن ایرو سے متعلق ہونے کا۔"

"کس بناء پر۔"

"سارہ رحمان پروفیسر ہی کی پروردہ تھی اور میں نے کچھ مشتبہ آدمیوں کو پروفیسر سے ملتے

بھی دیکھا تھا اور یہ بھی محسوس کیا تھا کہ پروفیسر اُن سے ملنے کے بعد بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں آ کر ایک دن پروفیسر اچانک غائب ہوگیا۔ لڑکی تنہا رہ گئی۔ لیکن وہ مطمئن نظر آتی تھی۔ مجھے دیکھنا تھا کہ پروفیسر کہاں غائب ہوگیا۔ ہوسکتا تھا کہ لڑکی اس سے باخبر ہوتی۔ لہٰذا وہ جب بھی باہر جاتی تھی میں اس کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔"

"پھر تم نے کیا دیکھا.....!"

"کچھ بھی نہیں.....وہ ہر شام باہر ٹہلنے جاتی تھی اور ساجد بھی اُس کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ وہ بھی نصیر آباد ہی کا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اُسے ایک بار آپ کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔ اگر آپ واقعی میجر سعید کے میک اپ میں تھے۔"

"اس آدمی کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔"

"ساجد نام ہے.....نصیر آباد کا ایک متمول آدمی ہے۔ لیکن نیک نام نہیں۔"

"کیا خیال ہے؟ وہ بھی گولڈن ایرو سے تعلق رکھتا ہوگا۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔"

"اس کا کوئی بھائی واجد نامی بھی تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً تھا اور بڑی بے دردی سے قتل کردیا گیا تھا۔"

"پھر قاتل کا کیا بنا۔"

"ابھی تک تو نصیر آباد کی پولیس اس کیس کو حل نہیں کرسکی۔"

پھر وہ سارہ رحمان کے متعلق کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ دفعتاً فریدی کا خیال آ گیا۔ پتہ نہیں وہ اسے پسند کرے یا نہ کرے۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر زیبا نے پوچھا۔ "آپ نے واجد کے بارے میں کیوں پوچھا تھا۔"

"کہیں نام سنا تھا۔"

"کہاں سنا تھا.....؟"

"کیوں.....؟" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"بس یونہی.....میرا خیال ہے کہ آپ نے اسکا نام سارہ رحمان کے سلسلے میں سنا ہوگا۔"

"شاید.....؟ پھر.....!"

"دونوں گہرے دوست تھے؟"

"پھر تو پولیس نے اُسے گھیرا ہوگا؟"

"صرف سوالات کیے تھے۔ میرے محکمے نے انہیں ہدایت دی تھی کہ اُسے زیادہ پریشان جائے۔ دراصل وہ ہم لوگوں کی نگرانی میں تھی۔"

"اُس کے باوجود بھی نکل بھاگی نصیر آباد سے.....؟"

"میری عدم موجودگی میں ماتحتوں نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا ورنہ وہ ایک پل کے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہوسکتی۔"

"لیکن تمہیں درزن بننے کے شوق نے گھیرا تھا۔"

"ہمیں ایک تجربہ کرنا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ بات نازک مرحلے پر آ پہنچی تھی۔ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اُسے اس بارے میں علم نہیں تھا۔

کمرے کی فضا پر پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"اب اس کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔" زیبا کچھ دیر بعد بولی۔

"کس کا.....!"

"اسی موٹے کا.....غائب قسم کا ذہن رکھتا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی رضیہ کا نعرہ لگا بیٹھے گا۔ یہ بغیر کہ وہ خود میرے سامنے ہمیشہ ایک عورت کے میک اپ میں آتا رہا ہے۔"

"یہ بات تو ہے؟" حمید کا لہجہ پرتشویش تھا۔ "تم آخر میک اپ میں کیوں نہیں رہتیں۔"

"اس کا سلیقہ ہی نہیں ہے؟ ویسے بھی میں صرف اپنا ذہن استعمال کرنے کی قائل ہوں۔"

"چوٹ کررہی ہو ہم پر.....کیوں؟"

"نہیں.....اپنی ایک کمزوری کا اظہار کررہی ہوں۔"

"حالات جب ایسے ہوں تو سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔" حمید نے کسی قدر ناخوشگوار لہجہ

"آپ تو بُرا مان گئے۔ میں نے یونہی کہہ دی تھی یہ بات۔"

"تم سے زبردست حماقت سرزد ہوئی۔ تمہیں اس واقعہ کی پبلسٹی نہ کرنی چاہئے تھی چپ چاپ ہوٹل تبدیل کر دیتیں۔ پروفیسر اور اس کی نگرانی کا معاملہ تو کھٹائی میں پڑ گیا یہ لوگ زیادہ باخبر معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی تو تمہیں جانتا ہی ہوگا۔"

"انہیں شبہے میں ڈالنے ہی کے لئے تو یہ ایرانی بہروپ ہے۔"

"لیکن مجھے یقین تھا کہ تم رضیہ ہی ہو۔"

"اس خیال کی تصدیق کے لئے کبھی مجھے مخاطب کرنے کی ہمت تو نہیں پڑی تھی۔"

"میجر سعید کے میک اپ میں یہ ایک احمقانہ حرکت ہوتی۔ کیا تم مجھے بھی قاسم سمجھتی

"ارے جایئے۔"

"خیر چھوڑو..... ہٹاؤ..... یہ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسا لگا۔"

"بے حد بور.....!" وہ ہنس پڑی۔

"زندگی تلخ کر دوں گا۔"

"ارے حمید صاحب۔" زیبا نے مضحکانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ دیکھ لینا۔"

"بہت دیکھے ہیں حمید صاحب۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے نہ دیکھے ہوں گے۔ اچھی بات ہے۔ اب میں جا کر اس لوں۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنے کمرے ہی تک محدود رہو۔"

"بہت بہتر حمید صاحب۔"

حمید اس کے طنزیہ لہجے پر بھنا گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ دروازے کے قریب اسپرنگ پھر نتھنوں میں فٹ کر لئے۔

راہداری سنسان پڑی تھی۔ قاسم والے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ نکلا چلا گیا۔

کمرے میں آ کر وہ جیکٹ نکالی جسے الٹ کر بھی پہنا جا سکتا تھا۔ استر کچھ اس انداز میں لگایا گیا تھا کہ وہ بھی اپر ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس انتظام کے ساتھ وہ ڈائننگ ہال میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی مقامی گاہک ہو۔ اس کے لئے اُسے عقبی زینے استعمال کرنے پڑے تھے اور صدر دروازے سے ہال میں داخل ہوا تھا۔

قاسم کو کاؤنٹر کے قریب کھڑے دیکھا۔ وہ بلند آواز میں کلرک سے گفتگو کر رہا تھا۔ "ابے تم دنبہ مسلم نہیں سمجھتے اور بیٹھے ہو کاؤنٹر پر۔"

"جناب عالی یہ ہمارے مینو میں شامل نہیں ہے۔"

"نہ ہوگا..... اب شامل ہو سکتا ہے۔ ایک دمبہ منگوالو..... میں خود ذبح کر دوں گا۔ کھال بھی خود ہی اتار دوں گا..... حالانکہ میں اُکڑوں نہیں بیٹھ سکتا۔"

"حضور والا..... آپ کیوں خواہ مخواہ یہ ساری تکالیف اٹھائیں۔"

"بھوخوں مریں حضور والا سالے.....!" قاسم جل کر بولا۔ "دل کشا والے پچھلے سال میرے لئے دمبہ مسلم تیار کراتے تھے۔"

حمید نے کاؤنٹر کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی۔ ناک میں اسپرنگ موجود تھے اس لئے وہ بہ آسانی قاسم کے قریب ہی رہ سکتا تھا۔

"کیا مرغ مسلم سے کام نہیں چلے گا۔" کاؤنٹر کلرک نے پوچھا۔

قاسم کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا..... "کھیر چلو یہی سہی..... مالوم کراؤ کتنے تیار ہیں۔"

"آخر آپ کو کتنے درکار ہوں گے۔"

"بیس..... اور کچھ اسٹیک وسٹیک کھا کر کام چلا لوں گا۔"

کاؤنٹر کلرک دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"قیا سوچ رہے ہو۔"

"جناب عالی..... بارہ روپے کا ایک بیٹھتا ہے۔"

"ابے ہاں اتنی ارتھمیٹک مجھے بھی آتی ہے۔ دو سو چالیس روپے ہوئے بیس کے۔"

''اور آپ دو سو چالیس روپے ایک وقت میں.....!''

''روپے نہیں چباؤں گا.....مرغ کھاؤں غا.....جالدی.....کارو.....!''

''بب بہت بہتر جناب۔'' کاؤنٹر کلرک نے سہمے لہجے میں کہا۔

اتنے میں حمید نے دیکھا کہ ایک قد آور اور تندرست عورت کاؤنٹر کے قریب آ کھڑی ہوگئی ہے۔ چہرے مہرے کی اچھی تھی۔ رنگت سرخ و سفید آنکھیں خاصی دل کش تھیں۔

ساتھ ہی حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ قاسم صاحب اس کے قرب کی بناء پر شدید ترین بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

''یہاں کمروں کی سروس کا انتظام کیسا ہے۔'' عورت نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

''مناسب ہی ہے محترمہ.....آپ کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ کریں گی۔''

''پتہ نہیں میرے پڑوسی کیسے ہوں۔'' عورت نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''روم نمبر گیارہ ہے آپ کا شاید.....!''

''جی ہاں۔''

''ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔'' کاؤنٹر کلرک نے کہا اور رجسٹر کے ورق الٹنے لگا پھر بولا۔

''وہ ایک تو آپ ہی ہیں۔'' اس نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اوہ.....اچھا.....!'' عورت نے اس طرح کہا جیسے پہلی بار قاسم پر نظر پڑی ہو۔ پھر وہ مسکرائی اور مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''مجھے ثریا کہتے ہیں۔ یہاں کے مناظر پینٹ کرتی ہوں۔''

قاسم اضطراری طور پر اس سے مصافحہ کرتا ہوا ہکلایا۔ ''قق.....قق.....قاسم.....!''

''یعنی قاسم صاحب۔''

''جی ہاں.....جی ہاں۔'' قاسم کے دانت ''نقل'' پڑے۔

''آپ کا کیا مشغلہ ہے۔'' عورت نے پوچھا۔

''میں بھی.....پپ.....پینٹ کرتا ہوں۔''

''خاص موضوع کیا ہے۔''

''بب.....بالکل ہی کھاس موجوع ہے۔''

''وضاحت بھی تو کیجئے؟'' وہ ہنس کر بولی۔

''وضاحت.....وضاحت.....جی.....دراصل مجھے بھوخ لغی ہے.....کھانا کھا کر.....کروں گا۔''

''یعنی بھوک کی حالت میں آپ گفتگو نہیں کر سکتے۔''

قاسم نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

اس پر پتہ نہیں کتنے قہقہے حمید کے پیٹ میں گھٹ کر رہ گئے۔

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے.....!'' عورت بولی۔

''بب.....بُرا نہ مانئے غا۔'' قاسم لجاجت سے بولا۔ ''بھوکا ہوتا ہوں تو بے وقوفی کی نیں کرنے لگتا ہوں۔''

''بہت دلچسپ ہیں آپ.....!'' عورت منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی اور قاسم بھی جھینپے ہوئے نداز میں ''ہی ہی ہی'' کرنے لگا۔

اتنے میں ایک ویٹر نے آہستہ سے کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پائے جانے لگے۔

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا تو چاہتا ہو لیکن کسی خدشے کے تحت کہہ نہ سکتا ہو۔

قاسم نے بھی اُسے محسوس کر لیا تھا شاید۔ لہٰذا بھاڑ سا منہ پھیلا کر بولا۔

''قیا بات ہے؟''

''جج.....جناب عالی.....صرف بارہ عدد تیار ہیں۔''

''میں قچھ نہیں جانتا.....سمجھے.....بیس عدد.....قیا سمجھے؟''

''حضور والا.....کل صبح نو بجے سے پہلے مزید مرغوں کا انتظام نہیں ہوسکتا۔''

"ہائیں تو کیا میں کل صبح نو بجے تک بھوخا بیٹھا رہوں غا.....!"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں جناب۔"

"میں اس ہوٹل کو نیلام قرار دوں غا..... سمجھے..... کیا سمجھتے ہو۔"

"میں بھی اس کے ساتھ ہی نیلام ہونے کو تیار ہوں۔ لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا۔" کلرک نے بھی کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

قاسم کو بہت زور سے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن عورت جلدی سے بول پڑی۔

"کیا قصہ ہے..... آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔"

"بیس مرغوں سے کم میں میرا قام نہیں چلے غا.....!"

"پالیں گے؟"

"ہی ہی ہی..... آپ، تو مزاغ کرتی ہیں۔"

"پھر.....؟"

"ارے خاؤں غا..... میں نے تو دمبہ مسلم مانگا تھا..... مگر یہ مرغ دیتے ہیں۔ پھر پور بیس بھی نہیں۔ بارہ عدد..... رات بھر بھوخ کے مارے نیند نہیں آئے گی۔"

"بیس مرغ کھائیں گے آپ.....!" عورت نے حیرت سے کہا۔

"اور کچھ اسٹیک وغیرہ بھی کھا کر کام چلا لیتا۔"

"بیس مرغ اور کچھ اسٹیک وغیرہ۔"

"مجبوری ہے..... ورنہ ایک دمبے سے کام چل سکتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے تو بھر جاتا ہے مگر جی نہیں بھرتا..... ایک ایک مرغ اٹھا کر کھا رہے ہو..... کچھ پتہ ہی نہیں کدھر گئے۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"جی ہاں.....!"

"تب تو آپ کے کھانے کا منظر دلچسپ ہوتا ہوگا۔"

"اجی میں کیا..... ہی ہی ہی۔" قاسم خاکسارانہ انداز میں ہنسا۔

"تو ایسا کیجئے..... بارہ مرغ..... کچھ اسٹیک..... اور بقیہ سلائیز وغیرہ سے کام چلائیے۔"

"نہیں چلے غا.....!" قاسم کا لہجہ بے حد مغموم تھا۔

"بتائیے..... میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں۔" عورت یک بیک سنجیدہ ہوگئی۔

"مم..... میرے لئے۔ یعنی کہ آپ ہی ہی ہی ہی۔" قاسم نے دانتوں میں انگلی دبائی لیں جھپکائیں۔

حمید کا جی چاہا کہ اٹھ کر کم از کم پچاس جوتے رسید کرے۔

"یہاں میری ایک عزیزہ کے پاس گیارہ درجن بطخیں ہیں جب تک آپ بارہ مرغ ختم گے میں آٹھ بطخیں منگوالوں گی۔"

"بطخ بھی لذیذ ہوتی ہے۔" قاسم نے کہا اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے بطخ کے گوشت دانتوں کے درمیان ہو۔

"آپ کہاں تکلیف کریں گی محترمہ۔" کاؤنٹر کلرک جلدی سے بول پڑا۔

"ہمارے پاس گوشت سے تیار کی جانے والی اور بھی بہت سی اشیاء مل سکیں گی۔ صاحب میں سے کچھ منتخب کرلیں گے۔"

"اے تو تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"حضور عالی..... ہوٹل کے کچھ قوانین بھی ہیں۔"

"پہلے ہم ہیں..... پھر کوانین اور کوانان ہیں۔" قاسم سینے پر ہاتھ مار کر دہاڑا اور کاؤنٹر ک کی گھگھی بندھ گئی۔

"جانے دیجئے..... جانے دیجئے۔" عورت آہستہ سے بولی اور قاسم یکلخت نرم پڑ گیا۔

عورت نے پھر کہا۔ "ممکن ہے یہاں گاہکوں کی لائی ہوئی چیزیں نہ پکائی جاتی ہوں۔"

"یہی بات ہے محترمہ۔" کلرک نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"چلئے..... آج اس طرح گزارا کر لیجئے۔ کچھ کولڈ بیف وغیرہ لے لیجئے گا۔"

''اللہ مالک ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی پھر جھلا کر بولا۔ ''تو وہ بارہ مرغ...
دونا..... بھوک کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔''

''یہیں یا اپنے کمرے میں کھانا پسند کریں گے۔''

''چلیئے..... وہیں اوپر چلیں۔'' عورت نے کہا۔ پھر کاؤنٹر کلرک سے بولی۔ ''میرا کھانا اوپر ہی بجھوایئے۔''

''بہت بہتر محترمہ۔''

پھر حمید نے دیکھا کہ قاسم لڑکھڑاتا ہوا اس عورت کے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ اس دوران میں حمید نے کافی منگوائی تھی اور اب ٹھنڈی کافی کی چسکیاں اُسے گراں گذرنے لگی تھیں۔ سوچ رہا تھا کہ عورت قاسم کے لئے بالکل ہی اجنبی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اُسے اپنے قریب... کر بُری طرح گڑبڑا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا تھا اس نے پہلے بھی کہیں اسے دیکھا... اور تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خود قاسم ہی اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہو اور اس تعاقب کی ترغیب خود عورت ہی کی طرف سے ہوئی ہو جسے قاسم جیسا کوڑھ مغز ترغیب کی حیثیت نہ سمجھ سکا ہو۔

عورت اس معاملے میں فطری طور پر تربیت یافتہ ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے... مادہ جانوروں کے جسم کی بو میلوں دور تنہا بھٹکنے والے نر جانوروں کو ان کی طرف کھینچ لاتی... بالکل یہی ہوا ہے۔ وہ خود ہی اُسے اپنے پیچھے لگا لائی۔

حمید مٹھیاں بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

فائر

کافی ختم کر کے حمید پھر اٹھا..... کاؤنٹر پر جا کر کافی کی قیمت ادا کی اور باہر نکل آیا۔

...اپنی شکل میں دوبارہ ڈائننگ ہال میں واپس جانا چاہتا تھا اس لئے ضرورت تھی کہ جیکٹ کو ...ل لیا جائے۔ لہٰذا وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل پڑا جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔

تھوڑے ہی فاصلہ سے ڈھلان شروع ہوگئی تھی جس کے سرے پر چیڑ کے درختوں کی قطار نصف دائرے کی شکل میں دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ اس نے سوچا ادھر ہی سہی۔ دیکھنے والے سمجھیں گے رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ ٹہلتا ہوا اسی طرف چل پڑا۔

آسمان میں بادل نہیں تھے اس لئے اندھیرا گہرا نہیں تھا۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے چیڑوں کے درختوں کے درمیان کوئی ڈھلان میں اتر رہا ہو۔ تھا وہ دھندلا سا ہیولیٰ ہی لیکن انداز ایسا تھا جیسے اُسے بھی دیکھ لئے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

حمید ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جو فنزارو کی روشنیوں کی زد سے دور تھی۔ لہٰذا وہ بڑی پھرتی سے سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔

پھر سینے کے بل زمین سے لگ کر آگے گھسٹنے کی رفتار خاصی تیز تھی۔

ہر چند کہ وہ سایہ اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن حمید کو اندازہ تھا کہ وہ ڈھلان کے سرے پر کسی جگہ غائب ہوا ہے۔ وہ رینگتا ہوا ٹھیک اسی جگہ جا پہنچا۔ نیچے تک ڈھلان صاف نظر آ رہی تھی جیسے ہی اُس نے سر کو اٹھا کر دور تک دیکھنے کی کوشش کی نیچے سے آواز آئی! ''چلے آؤ فرزند۔''

''لاحول ولا قوۃ.....!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''کیا مصیبت ہے۔ یہ بھی وہ حضرت نکلے..... کہیں بھی دھول دھپے کا موقع میسر نہیں آتا..... آخر ہاتھ پیر میں جان کیسے آئے گی۔''

وہ تیزی سے آواز کی جانب ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔

دوسرا سایہ گھٹنوں کے بل بیٹھتا نظر آیا..... حمید نے اس کے قریب ہی پہنچ کر دم لیا۔

''سخت قسم کی نالائقیاں سرزد ہو رہی ہیں تم سے۔'' سائے یا فریدی نے کہا۔ ''یہی اطلاع دینے کے لئے اس وقت میں نے تمہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔''

"میرا قصور.....!" حمید کے لہجے میں زہریلا پن تھا۔

"تم اس کے کمرے میں کیوں گئے تھے؟"

"اس نے مجھے اشارہ کیا تھا۔ اُسے تشویش تھی کہ آپ کی کسی اسکیم کے برخلاف میں یہاں میک اپ کے بغیر کیوں پایا جاتا ہوں۔"

"اور پھر اس نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔"

"جناب! صرف زیبا ہی نہیں بلکہ ایک عدد ثریا کا سہرا بھی میرے ہی سر ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"قاسم کو دیکھا آپ نے.....؟"

"ہاں..... مجھے حیرت ہے۔"

"اوہ..... گرانڈیل عورت بھی نظر سے گزری یا نہیں۔"

"ہاں..... آں..... اُسے بھی دیکھا تھا۔"

"اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام ثریا درج کرایا ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ قاسم کو اپنے ساتھ لائی ہے۔"

پھر حمید نے ان دونوں کے بارے میں جو کچھ سنا اور دیکھا تھا دہراتے ہوئے کہا۔ "میرا تو یہی خیال ہے کہ عورت کی ترغیب خفی ہی اُسے یہاں تک لائی ہے اور وہ احمق یہی سمجھ رہا ہوگا کہ وہ اس کے علم میں آئے بغیر اُس کا تعاقب کرتا رہا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لیکن ایسے حالات میں یہ محض اتفاق تو نہیں ہوسکتا۔"

"کیسے حالات میں۔"

"میں کیا بتاؤں کہ زیبا سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ درزی خانہ ختم ہونے کے بعد اُسے ایسی مہمات میں میک اپ کا سہارا ضرور لینا چاہئے تھا۔"

"درزی خانہ.....!" حمید نے طویل سانس لی۔

"اُس کے متعلق بھی تمہیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہوگا۔"

"اُسے کیا پڑی تھی کہ خود ہی بتاتی..... اور میں اس شرمندگی کی وجہ سے پوچھ نہیں سکا کہ خیال کرتی..... یہی نا کہ کرنل فریدی کو اپنے نائب پر اعتماد نہیں۔"

"خاصے عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔ حالانکہ میں نے تمہیں محض اس بناء پر نہیں بتایا تھا ہیں تم آزادانہ طور پر اپنی عقل نہ استعمال کر بیٹھو اور کھیل بگڑ جائے۔ اچھی بات ہے۔ آؤ ے ساتھ۔ اب تمہیں بھی بتا ہی دوں۔"

پھر وہ دونوں ڈھلان پر اترتے چلے گئے۔ حمید پیچھے تھا اور فریدی اندھیرے میں بھی ایسی آسانی سے راستہ طے کر رہا تھا جیسے بارہا دیکھا بھالا راستہ ہو۔

حمید خاموشی سے اُس کی تقلید کرتا رہا۔ کئی بار گرتے گرتے بچا تھا۔ آخر جھنجھلا کر بولا۔ ہاں جانا ہے۔ کب تک چلنا پڑے گا۔"

"بس زیادہ دور نہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔ آواز میں تھکن کے آثار نہیں پائے نے تھے۔

پھر جلد ہی حمید کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ یاد یوں آیا کہ اب وہ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل ب غار کے چھوٹے سے دہانے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس سے قبل فریدی سے ا بھی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ وہ آگے تھا اور ٹارچ کی روشنی میں حمید کو راستہ دکھاتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایسی کشادہ جگہ پہنچ گئے جہاں حمید اطمینان کی سانس لے سکتا تھا۔

"یہاں اطمینان سے گفتگو کرسکیں گے۔" فریدی نے کہا اور ٹارچ بجھا دی۔

"اندھیرے ہی میں۔"

"کیا اندھیرا تمہاری شجاعت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔"

"آپ کی صورت دیکھے بغیر باتوں میں مزا نہیں آتا۔ ہائے جب پھول کی پنکھڑیوں کے ے ہونٹ جنبش کرتے ہیں اور کسی بات پر زور دیتے وقت اوپری ہونٹ نیم دائرے کی شکل تیار کرتا ہے تو کچھ نہ پوچھئے کہ دل پر کیا گزرتی ہے۔"

"شٹ اپ..... وقت کم ہے میں تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو۔ اب

زیبا سے دور ہی رہنا۔ تمہارے لئے میک اپ میں ہونا چنداں ضروری نہیں ہے۔ البتہ ا والے میک اپ کو جب چاہو بروئے کار لا سکتے ہو۔ قاسم سے دور ہی رہنے کی کوشش ک اسپرنگ والے میک اپ کو تم اس سے بچے رہنے کے لئے استعمال کر سکتے ہو۔ پھر تمہیں دیکھنا ہے کہ وہ عورت اُسے یہاں کیوں لائی ہے۔"

"میں درزی خانے کے بارے میں کچھ سننے کا منتظر ہوں۔"

"ہوں.....اوں.....بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا اور کچھ دیر خاموش رہ کر بولا "میں دیر سے گولڈن ایرو کی فکر میں تھا اور گولڈن ایرو والے بھی میری فکر میں تھے۔ انہیں دو آدمیو اپنی راہ سے ہٹانا تھا اور اتفاق سے وہ دوسرا آدمی بھی میں ہی ہوں۔"

"کیا مطلب.....!"

"انہیں فریدی کی فکر بھی ہے اور اُس دوسرے آدمی کی زندگی کے بھی خواہاں ہیں نے اُن کے مقابلے میں گولڈن ایرو ہی کے نام سے اپنا کاروبار بھی چلا رکھا ہے۔"

"میرے خدا.....تو اب آپ چرس فروشی پر اتر آئے ہیں۔"

"سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال میں عرصہ سے اُن کی فکر میں تھا۔ اسی دوران میر نے مجھ سے مدد طلب کی۔ اُس کا خیال ہے کہ گولڈن ایرو کا ہیڈ کوارٹر نصیر آباد ہی میں۔ اُس نے اُن کی تجارت کا ایک طریقہ کار دریافت کر لیا تھا۔ حالانکہ وہ طریق کار پہلے ہی میرے علم میں تھا۔ بہرحال اُس کے ایک نئے نظریئے کی تصدیق کرنے کے لئے مجھے د خانہ قائم کرنا پڑا تھا۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔" حمید بولا۔

"وہ درزی خانوں کے ذریعے بھی کاروبار کرتے ہیں۔ یہ میں پہلے سے جانتا تھا۔ اس پر مصر تھی کہ جب بھی کہیں کوئی نیا درزی خانہ قائم ہوتا ہے گروہ کا کوئی فرد اس میں ضرور بنا لیتا ہے۔ اس طرح کہ درزی خانے کے مالک یا دوسرے ملازموں کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی

"اوہو.....تو کیا ہمارے یہاں بھی ایسا کوئی آدمی تھا۔"

"بالکل تھا.....تھا نہیں بلکہ تھی۔"

"کون.....!"

"سب سے زیادہ متین اور سنجیدہ لڑکی فرزانہ۔"

"اوہو.....یہ کیسے ممکن ہے۔ مطلب یہ کہ کیا ہمارے درزی خانے کے ذریعے بھی یہ کام ہے۔"

"قطعی ہو چکا ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید مضطربانہ بڑبڑایا۔

"وہ دن یاد کرو جب ایک گاہک عورت نے شلوار کی موریوں کے بارے میں شور مچایا ا کا کہنا تھا کہ موریوں میں بکرم نہیں رکھا۔ موریاں زیبا ہی بناتی تھی۔ دونوں میں جھڑپ ا۔ تم زیبا پر بگڑے تھے اور فرزانہ نے یہ کہہ کر بات ختم کرا دی تھی کہ اب موریاں وہی ے گی اور وہ اس کی ایکسپرٹ ہے۔ پھر اُس کے بعد ہی سے وہ کاروبار شروع ہو گیا تھا۔ احب بکرم کی تہہ میں کوکین رکھی جاتی تھی۔"

"سر پیٹ لینے کو جی چاہ رہا ہے اس وقت۔" حمید نے کھسیانے انداز میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔

"اس تجربے کے بعد درزی خانہ ختم کر دیا گیا اور فرزانہ محکمے کی حوالات کے سپرد کر دی گئی۔"

"تو کیا عورتوں میں کوکین بہت زیادہ رواج پا رہی ہے۔"

"کپڑے سلوانے والیاں براہِ راست گاہک نہیں ہوتیں بلکہ وہ بھی گروہ ہی سے تعلق یں۔ گولڈن ایرو کی منشیات دراصل کئی ہاتھوں سے گزر کر گاہکوں تک پہنچتی ہیں۔ یہی وجہ یں ابھی تک سرگروہ پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔"

"تو یہ کھڑاگ اسی لئے پھیلایا ہے آپ نے کہ سرگروہ پر ہاتھ ڈال سکیں۔"

"یقیناً.....اس کے بغیر گروہ نہیں ٹوٹ سکتا۔"

فریدی شاید کچھ سوچنے لگا تھا۔ حمید بھی کچھ نہ بولا۔ اب اس کا ذہن سارہ رحمان کی

طرف منتقل ہو گیا تھا۔ وہ بھی تو گولڈن ایرو ہی کا شکار ہوئی تھی۔ اُس کا کیا قصہ تھا..... اور پروفیسر.....!

"اب تم سارہ رحمان کے متعلق سوچ رہے ہو گے۔" دفعتاً فریدی بولا۔

"خدا کی پناہ..... اندھیرے میں آپ کو اس قدر سجھائی دیتا ہے؟" حمید بوکھلا کر بولا

"اُس کے بارے میں پھر بتاؤں گا۔ وقت کم ہے۔ اب آؤ قاسم کی طرف۔ یہ ہے کہ وہ یاسمین قزلباش کی شناخت کے لئے یہاں لایا گیا ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"تم بھی شبہے میں مبتلا رہ چکے ہو کہ وہ رضیہ ہی ہو سکتی ہے۔"

"یقیناً.....!"

"تو پھر کیا وہ بھی اس فکر میں نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ فرزانہ کی گرفتاری ان سے نہ ہوگی۔"

"پوشیدہ تو صرف مجھ سے رہی ہے۔" حمید جل کر بولا

"سچ پوچھو تو مجھے اسکے بعد سے کبھی اتنی فرصت ہی نصیب نہیں ہوئی کہ تمہیں کچھ بتا

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔"

"زیبا کو فزارو سے ہٹادو..... اگر وہ اُسے اغواء کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو شاید ہی نہ چھوڑیں۔"

"ہٹا کر کہاں لے جاؤں؟"

"تم خود اُسے دلکشا تک پہنچا آؤ..... پھر وہاں سے کہیں اور منتقل کرادوں گا۔ تم اسپرنگ والے میک اپ میں رہ کر انجام دے سکتے ہو۔ اس کا خیال رہے کہ اُسے دلکشا لے جاتے وقت کوئی تمہارا تعاقب نہ کر سکے۔"

"تو پھر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ بھی میک اپ میں ہو۔"

"جو مناسب سمجھو کرو.....!"

"اُسے میک اپ کرنا نہیں آتا اور..... اور میں کسی نامحرم عورت کے گال کیسے چھو سکوں گا۔ معاذ اللہ.....!"

"اٹھو اور باہر نکلو.....!" فریدی ٹارچ روشن کرتا ہوا بولا۔ "تم فزارو ہی میں مقیم رہو گے۔ بغیر میک اپ.....!"

"قاسم..... میری جان کو آ جائے گا۔"

"پرواہ مت کرو..... تمہیں اُس سے یہ بھی تو معلوم کرنا ہے کہ وہ یہاں پہنچا کس طرح۔ دوسری بات۔ کل یہاں کی پولیس مونا چنگیزی کو تلاش کرے گی اور پولیس ہیڈ آفس میں کیپٹن حمید کا انتظار کیا جائے گا۔ کیپٹن حمید کے علاوہ اور کوئی اس کا بیان نہیں لے سکے گا۔"

"واقعی..... یہ دوسری ہوئی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میرا سارا دھیان تو زیبا کی طرف ہوگا۔ مونا میں کیسے دلچسپی لے سکوں گا۔"

"بکومت..... وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ تمہیں محتاط رہنا پڑے گا۔ بیان من وعن لکھنا..... جرح مت کرنا۔"

"ظاہر ہے آپ کے بیان پر جرح کی ہمت کسے ہو سکے گی۔"

"چلو.....!" فریدی نے اُسے غار کے دہانے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

غار کے دہانے پر پہنچ کر فریدی نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ پھر حمید نے وہیں اپنی جیکٹ الٹی تھی اور فرزانہ کی طرف چل پڑا تھا۔

ڈائننگ ہال خاصہ آباد تھا۔ حمید کاؤنٹر کی طرف توجہ دیئے بغیر زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر اچھی طرح یقین ہو جانے کے بعد کہ اُس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا اُس نے زیبا کے دروازے پر دستک دی تھی۔

زیبا نے اُس وقت تک دروازہ نہیں کھولا تھا جب تک اُس کی آواز نہیں سن لی۔

حمید نے اُسے فریدی کی ہدایات کے متعلق بتاتے ہوئے کہا "میک اپ کا معمولی سا سامان میرے پاس موجود ہے۔ اگر کہو تو.....؟"

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس کا سلیقہ نہیں۔"

"تو پھر میں کیسے کرسکوں گا۔"

"کیوں.....آپ کیوں نہ کرسکیں گے۔"

"ارے بھئی.....یہ گال وال سب چھونے پڑیں گے؟"

"تو کیا ہوا.....؟"

"اگر کچھ نہیں ہوا.....تو.....تو.....تو.....!"

"حمید صاحب ہم دونوں کا عہدہ ایک ہی ہے۔"

"لیکن ایسے حالات میں میرے لئے عہدہ برآ ہونا مشکل ہوگا۔"

"الفاظ سے نہ کھیلئے.....کام کیجئے۔"

"کک.....کام.....اچھی بات ہے۔ میں ابھی آیا۔" اس نے کہا اور وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

پھر ایک گھنٹہ بعد وہ اس کے ساتھ فزارو سے اس طرح باہر نکل رہا تھا جیسے وہ دونوں ہی ریکریئیشن ہال میں بیٹھ کر بہت زیادہ پی گئے ہوں۔ حمید کی ناک کے نتھنوں میں اسپرنگ موجود تھے اور زیبا کی شکل بدلی ہوئی تھی۔

وہ اپنا سارا سامان اُسی کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ دلکشا سے فون پر فزارو کے کاؤنٹر کلرک کو آگاہ کیا کہ وہ رات باہر ہی گزارے گی۔

دلکشا کے ڈائننگ ہال میں بھی گھنی آبادی نظر آئی تھی۔ شاید ایک بھی میز خالی نہ رہی ہوگی۔ اس لئے انہیں ریکریئیشن ہال کا رخ کرنا پڑا۔ یہاں ٹوئیسٹ ہو رہا تھا۔

"ناچو گی.....!" حمید نے پوچھا۔

"ایسی احمقانہ حرکتوں سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔"

"لیکن نفسیاتی نکتہ نظر سے۔"

"سب بکواس ہے۔ آپ یہ بتایئے کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ سامان کے بغیر کمرہ حاصل

32

دوسروں کو شبہات ہی میں مبتلا کرنا ہوگا۔"

"اور اگر شبہات کو یقین میں بدلنا ہو تو پھر ہمیں کمرہ لے ہی لینا چاہئے۔"

"کیپٹن.....پلیز شٹ اپ.....میں الجھن میں ہوں۔ مجھے کیا سوجھی تھی کہ آپ کو خواہ اشارہ کیا تھا۔"

"کمرہ حاصل کرنے کے لئے۔"

"خدا کی قسم ہاتھ چھوڑ دوں گی۔ انسپکٹر ریکھا نہ سمجھنا۔"

"اچھا تو اب میں چلا.....!"

"ہرگز نہیں.....!"

"ارے.....تو پھر کیا کروں۔"

"چلو ٹوئیسٹ کریں گے۔"

"میری شکل دیکھ رہی ہو.....!"

"سچ.....بڑی کریہہ شکل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ ناک کی نوک کیسے اٹھ ہے اوپر.....!"

"محترمہ.....پہلی ملاقات میں سب کچھ نہیں معلوم ہو جایا کرتا۔"

پھر انہیں سچ مچ تھوڑی دیر تک تو ٹوئیسٹ کرنا پڑا تھا اور جب راؤنڈ ختم ہو جانے کے بعد وہ میزوں کی جانب بڑھ رہے تھے ایک آدمی نے حمید سے ٹکرا کر آہستہ سے کہا تھا۔ "باہر آؤ۔" آواز فریدی کی تھی۔ لیکن حمید اس کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔ کیونکہ وہ تیزی سے دوسری طرف مڑ کر بھیڑ میں گم ہو گیا تھا۔

حمید زیبا کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"کیا بات ہے.....کہاں.....؟"

"بس چلی آؤ.....زحمت سے بچ گئیں.....!" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"بس چلی آؤ.....کان نہ کھاؤ۔"

وہ باہر آئے۔ سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی گاڑی کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے انہیں اشارہ کیا۔ حمید پھر شبہے میں پڑ گیا کہ وہ فریدی ہے بھی یا نہیں۔ کیونکہ یہ پچھلی دو ملاقاتوں والا چہرہ نہیں تھا اور ڈھلان پر اندھیرے میں صحیح طور پر اُس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔ کی روشنی میں بھی اس کی پوزیشن کچھ ایسی ہی رہی تھی کہ صورت نہیں دکھائی دی تھی۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر حمید بولا۔ "پہلے کچھ گنگنا کر سنایئے.....پھر یقین کروں گا۔"

"زیبا گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" اُس نے حمید کی بات کا جواب دینے کی بجائے کہا اور یقین آ گیا وہ فریدی ہی ہے۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر زیبا کو مخاطب کیا۔

"قسمت میں ہے تو پھر ملیں گے۔"

گاڑی چلی گئی۔ حمید کھڑا حسرت بھری نظروں سے اندھیرے میں گھورتا رہا۔ زیبا پسند تھی۔ اس نے سوچا تھا تنہائی کا احساس کچھ دنوں کے لئے رفع ہو جائے گا۔ لیکن قاسم نے کھیل بگاڑ دیا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔ "اب اس بھینسے کو ذبح کرنا ہی پڑے گا۔"

اُسے یقین تھا کہ اس وقت قاسم فزارو کے ریکریئشن ہال میں رتجگا منا رہا ہوگا۔

فزارو پہنچ کر اس کا اندازہ غلط نہ نکلا۔ قاسم اور ثریا ریکریئشن ہال ہی میں موجود تھے۔ بھی ایک دلچسپ اتفاق ہی تھا کہ حمید کو ٹھیک اُن کے قریب ایک میز خالی مل گئی۔

اس وقت حمید کے نتھنوں میں اسپرنگ نہیں تھے اور وہ دور سے بھی پہچانا جا سکتا تھا۔ میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے حمید اپنے مخصوص اسٹائل میں کھکارا۔ قاسم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔ ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ حمید محسوس کیا کہ اُس کی اس ازخود رفتگی کی بناء پر ثریا بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی ہے۔ اب

تو قاسم کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کی طرف۔

آخر وہ قاسم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

قاسم چونک کر بڑبڑایا۔ "کک.....کچھ نہیں۔"

پھر شاید اُس نے آہستہ سے یہی پوچھا تھا کہ وہ کون ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ قاسم کے ہونٹ ہلتے حمید ایک بار پھر کھکارا۔ اس بار کھکارنے کا انداز وارننگ کا سا تھا۔

دفعتاً قاسم اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔ "کھکارے جاؤ سالے.....میں بھی دیخ لوں غا۔"

"ارے ارے.....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ثریا جلدی سے بولی۔

"اگر آپ کی جان پہچان کے ہوں تو انہیں بھی یہیں بلا لیجئے۔"

"ہرگج نہیں۔ اس سالے پر تو میں دس میل سے بھی پیشاب نہیں کروں گا۔"

"آپ فکر نہ کیجئے محترمہ۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "اُن کی بیوی میری آپا جان ہیں۔"

"اُف فو.....!" ثریا گڑبڑا گئی۔ پھر اُس نے قاسم کی طرف دیکھا۔

"جھوٹا ہے سالا.....وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور یہ کسی اور کا لڑکا نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں میں تو آسمان سے ٹپکا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر ثریا کو مخاطب کر کے کہا۔

"شاید یہ حضرت آپ کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی۔"

"ابے چوپ.....!"

"آپ بھی یہیں آ جایئے نا.....!" ثریا نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

حمید اٹھ کر اُن کی میز کے قریب جا بیٹھا۔ قاسم قہر آلود نظروں سے اُسے گھورے جا رہا تھا اور شاید ثریا کی مخالفت کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ لیکن چہرے سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ لاوا پھٹ پڑنے کو زور مار رہا ہے۔

بالآخر وہ دانت پیس کر گھونسا دکھاتا ہوا بولا۔ "تم سالے میری قبر میں بھی گھس آنا..... اچھا۔"

"آپ خاموش بھی رہیے کچھ دیر۔" ثریا بولی اور قاسم نے کچھ بدبداتے ہوئے دوسری طرف پھیرا۔

"شاید آپ ان کے کوئی بے تکلف دوست ہیں۔" ثریا نے حمید سے کہا۔

"اجی لانت بھیجو ایسی دوستی پر.....!" قاسم پھر پلٹ پڑا۔

"آپ میری بات نہیں مانیں گے۔"

"مانو غا.....!" قاسم نے غرا کر پھر منہ پھیر لیا۔

"میں ان کا بے حد بے تکلف دوست ہوں۔ اتنا کہ ان کی بیوی کو بھابھی کی بجائے جان کہتا ہوں۔"

"سچ مچ ان کے سالے ہیں.....؟"

"آپ یکین کرلیں گی اگر اس نے ہاں کہہ دیا۔" قاسم پھر بول پڑا۔

"پیارے بھائی میں خواہ مخواہ ہاں کہنے ہی کیوں لگا۔" حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا لیکن قاسم پھر اینٹھ کر منہ پھیر چکا تھا۔

"آپ لوگ انہیں تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔" عورت نے پوچھا۔

"کیوں.....کیا ہوا.....؟" حمید نے بوکھلاہٹ ظاہر کی۔

"کچھ نہیں.....ویسے اگر میں دخل اندازی نہ کرتی تو انہوں نے فزارو کو الٹ پلٹ کر دیا ہوتا۔ بیس عدد مرغ طلب کر رہے تھے اور فی الوقت بارہ سے زیادہ دستیاب نہیں تھے۔ پہلے پورا دمبہ مانگا تھا۔"

"اس کے باوجود بھی آدمیوں کو کھانے دوڑتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس چلے جاؤ۔" قاسم مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔"

"ارے.....ارے.....بیٹھئے.....یہ کیا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔" ثریا منمنائی۔

دفعتاً ایک فائر ہوا۔ ہال کے کسی گوشے سے ایک چیخ اُبھری اور قاسم ہانپتا ہوا بیٹھ گیا حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر ہال میں بھگدڑ مچ گئی۔

خون کے دھبے

عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور میزیں دھڑا دھڑ اُلٹ رہی تھیں۔

"شروع ہو گیا۔" قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "ابے منحوسو تم لوغ جہاں جاؤ گے۔"

پھر حمید کی گونجدار "شٹ اپ" میں اس کی آواز دب کر رہ گئی۔ ثریا بُری طرح بدحواس نظر آرہی تھی۔

"چلو.....نقلو یہاں سے۔" قاسم اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ "نہیں تو ابھی یہ سالا یہاں تے سارے دروازے بند کرا دے گا۔"

حمید اُن دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ دراصل سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر اپنے اختیارات استعمال کرے یا خود بھی تماشائی بنا رہے۔

پتہ نہیں کس نے فائر کیا تھا اور وہ چیخ کس کی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہال خالی ہو گیا۔ ہوٹل کے عملے اور حمید کے علاوہ اب وہاں اور کوئی نہیں تھا۔

ان میں وہ کاؤنٹر کلرک بھی شامل تھا جس سے حمید کی گفتگو ہوتی رہی تھی۔

"کیوں جج جناب۔" وہ حمید کے قریب آ کر ہکلایا۔ "کک کیا ہوا۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا ہوا.....؟"

"آپ نے بھی فائر کی آواز سنی تھی۔"

"بالکل سنی تھی۔"

"اور چیخ بھی۔"

"ہاں ہاں چیخ بھی سنی تھی۔"

"لل.....لیکن.....نہ کوئی لاش نہ کوئی زخمی.....!"

"یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے؟" حمید نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیوں....؟ کیوں....؟"

"میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ لڑکیاں جب خوفزدہ ہو کر بھاگتی ہیں تو دیکھنے کی چیز ہوتی ہیں۔"

کاؤنٹر کلرک نے پہلے تو آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا پھر زیرِ لب کچھ بڑبڑاتا ہوا اسسٹنٹ منیجر کی طرف متوجہ ہو گیا جو اُس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"یس سر....!" اب وہ اُس کا بہت احترام کرنے لگا تھا کیونکہ مرحوم منیجر کی جگہ اُسی نے سنبھالی تھی۔

"دیکھو....کونا....کونا....تلاش کرو....؟"

حمید نے منیجر کی طرف غور سے دیکھا اور یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ اُسے کس چیز کی تلاش ہے۔

"لاش جناب....!"

"کیا ضروری ہے۔"

"ایسے مقامات پر جب بھی فائر ہوتے ہیں تو مقصد قتل ہی ہوتا ہے۔" منیجر نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے تو تلاش کیجئے۔"

"آپ کون ہیں....؟"

حمید نے اپنا کارڈ جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہاں میں عبدالرشید ہوں....اس کا خیال رہے۔"

منیجر کا وہ ہاتھ کانپ رہا تھا جس میں کارڈ تھا۔ اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی بہت اچھا جناب۔"

اور کارڈ حمید کو واپس کر دیا۔ کاؤنٹر کلرک نے منیجر کی بدلتی ہوئی حالتوں سے اندازہ کر لیا تھا کوئی خاص بات ہے۔ اس لئے اب حمید کو عجیب نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

"بات یہ ہے جناب عالی۔" منیجر کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "شکاریوں سے کچھ بعید نہیں ہے۔ پچھلے سال نشاط میں اسی طرح ایک فائر ہوا تھا۔ لیکن اُس وقت کچھ نہیں معلوم ہوا

پھر دوسری صبح کچن میں ایک لاش پائی گئی تھی۔ جس کی کھوپڑی میں سوراخ تھا۔"

"اچھا تو پھر میں بھی اس تلاش میں حصہ لینا پسند کروں گا۔"

وہ آگے بڑھے۔ حمید کا رخ ایک کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ کا اندازہ تھا کہ وہ عمارت کے باہر سے زمین کی سطح سے پانچ فٹ کی بلندی پر ضرور ہوگی۔

قریب پہنچنے پر چوکھٹ کے پاس تازہ خون کا دھبہ دکھائی دیا۔

"دیکھئے....!" منیجر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا خیال غلط تو نہیں تھا۔ لاش یقینی طور سری طرف پڑی ملے گی۔"

باہر اندھیرا تھا۔ منیجر کی تجویز تھی کہ انہیں دوسری طرف چل کر دیکھنا چاہئے۔ ریکریئشن سے بھاگنے والے باہر نہیں گئے تھے اس لئے ڈائننگ ہال میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں رہ ئی۔

"میرا خیال ہے کہ انہیں روک کے رکھا جائے۔" حمید نے منیجر سے کہا۔

ویسے یہاں اس وقت بھی دو ڈیوٹی کانسٹیبل موجود تھے۔ میجر سعید اور ساجد پرویز کے ول کی نگرانی اُن کے ذمے تھی۔ انہوں نے یہاں کی بھگدڑ کے بارے میں قریبی پولیس ن کو بذریعہ فون مطلع کر دیا تھا۔

"میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ معلوم ہونا چاہئے۔" حمید نے منیجر سے کہا۔ "آپ ان ٹیبلوں سے اپنے طور پر کہہ دیجئے کہ کسی کو باہر نہ جانے دیں۔"

"بہت بہتر جناب۔"

حمید اس وقت خود باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا ہو سکتا ہے خود اُسی کے لئے کسی کا جال بچھایا گیا ہو۔

اُسے تو اس بھیڑ میں قاسم کی تلاش تھی۔ وہ اُسے ڈائننگ ہال میں ڈھونڈھتا پھرا لیکن بالا نہ ہوئی۔ پھر اُس نے سوچا وہ عورت اُسے اوپر لے گئی ہوگی۔

زینے طے کر کے وہ اس راہداری میں پہنچا جس میں قاسم کا کمرہ تھا۔ دروازہ کھلا نظر آیا۔

پردے کے پیچھے روشنی تھی اور قاسم بڑے زور شور کے ساتھ اپنے "ٹھائیں ٹھوئیں" کے تجربے بیان کررہا تھا۔

حمید نے دروازے کے قریب رک کر اونچی آواز میں کہا۔ "کیا میں اندر آسکتا ہوں"

اندر خاموشی چھاگئی۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی نے پردہ ہٹایا۔ یہ ثریا تھی۔

"اوہ..... آپ.....!" وہ چہک کر بولی۔ "اندر تشریف لائیے..... ہم دونوں آپ ہی بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ پتہ نہیں کیوں قاسم صاحب آپ کو پسند نہیں کرتے۔ اُن کا ہے کہ آپ سچ مچ ایسے ہی منحوس ہیں..... جہاں چلے جائیں وہاں لاشوں کے علاوہ اور دکھائی نہیں دیتا۔"

"اس کا خیال بالکل درست ہے۔ اُسکے خاندان کے مردے ہماری ہی فرم دفن کرتی ہے"

"آئیے..... آئیے..... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

حمید کمرے میں داخل ہوا۔ قاسم منہ پھلائے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورے جارہا تھا

"تشریف رکھئے۔" ثریا نے کہا اور حمید قاسم کے موڈ کی پرواہ کئے بغیر کرسی کھینچ کر بیٹھ

کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت مسلط ہوگیا تھا۔ آخر حمید ہی نے خاموشی توڑی۔

"میں مخل تو نہیں ہوا.....؟"

"قطعی نہیں! ویسے ہم یہ معلوم کرنے کیلئے بے چین ہیں کہ ریکریئشن ہال میں کیا ہوا تھا"

"ایک فائر..... ایک چیخ..... اُس کے بعد ہال خالی ہوگیا۔ نہ یہ معلوم ہوسکا کہ فائر نے کیا تھا اور نہ یہی پتہ چلا کہ چیخ کس کی تھی۔"

"قاتل ومقتول کی تلاش جاری ہے۔"

"تو تم..... کیا یہاں بینگن چھیلنے آئے ہو..... کاتل ومکتول کی تلاش جاری ہے۔" منہ ٹیڑھا کرکے جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"پتہ نہیں آپ لوگوں کے تعلقات کس قسم کے ہیں۔" عورت ہنس پڑی۔

"میری جان کا دشمن ہے۔" قاسم دانت پیس کر بولا۔

"پیارے بھائی کیوں خفا ہو مجھ سے۔" حمید گھگھیایا۔

"اے جاؤ..... دگا بازی والی باتیں نہ کرو..... بڑے آئے قینچنے والے پیارے بھائی۔ باہر سے بھائی اندر سے قصائی..... لغایا کرو جھوٹ موٹ میرے جی کو۔"

"کیا جھوٹ بات کہی ہے..... پیارے بھائی میں نے۔"

"اے تو کیا یہ سچ ہے کہ میری شادی ہوگئی ہے۔" قاسم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ایک خاموش اپیل تھی۔

"تم تو مذاق کا بُرا مان جاتے ہو۔ ابھی تو تمہارے والد صاحب کی بھی شادی نہیں ہوئی۔ تمہاری کہاں سے ہوجائے گی۔"

"والد صاحب کی بھی نہیں ہوئی۔" عورت ہنس پڑی۔

"مطلب یہ کہ بیوی ہو کے مرنے کے بعد انہوں نے اب تک دوسری شادی نہیں کی۔ کہتے ہیں پہلے بیٹے کی ہوجائے پھر میں کروں گا۔"

"اچھا.....!" عورت سر ہلا کر بولی اور قاسم بے حد ہشاش بشاش نظر آنے لگا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں حمید کا شکریہ ادا کرتا رہا۔

"آپ کا مشغلہ کیا ہے؟" عورت نے حمید سے پوچھا۔

"یہ..... یہ..... تو.....!" قاسم شاید تعارف کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اُس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی حمید بول اٹھا۔ "کمیشن ایجنٹ ہوں ایک فرم کا۔"

"بہت بڑے کمیشن ایجنٹ۔" قاسم نے سر ہلا کر تائید کی اور حمید نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تک قاسم نے اس کے بارے میں عورت کو کچھ نہیں بتایا۔

"پتہ نہیں..... نیچے کیا ہو رہا ہے۔" عورت نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"چلئے چل کر دیکھیں۔"

"اب یہیں بیٹھے رہو۔" حمید بولا۔ "دروازے بند کرادیئے گئے تھے۔ پولیس ریوالور کے لئے جامہ تلاشیاں لے رہی ہوگی اور اب شاید کمروں کی بھی تلاشی لی جائے۔"

"تم نے بند کرائے ہیں دروازے۔" قاسم نے پوچھا۔

"عقل کے ناخن لو..... میں کیوں بند کراتا۔"

"ارے ہاں..... توبہ..... ہی ہی ہی ہی..... بھول جاتا ہوں کہ تم کمیشن ایجنٹ ہو۔"

"اگر کمروں کی بھی تلاشی لی جائے گی تو پھر مجھے اپنے ہی کمرے میں ہونا چاہئے۔" عورت بولی۔

"بالکل..... یہی میرا بھی خیال ہے.....!" حمید نے کہا۔

"برابر ہی میں تو ہے ان کا کمرہ.....!" قاسم ہنس کر بولا۔

عورت تیزی سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ حمید مضحکانہ انداز میں قاسم کی طرف دیکھتا رہا۔ قاسم کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب رویا اور تب رویا۔

آخر کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "حمید بھائی..... میں تمہارا گلام ہوں..... مجھے جندہ رہنے دو گے یا نہیں۔"

"جگ جگ جیؤ میرے لال..... تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں۔"

"پھر یہ سب کیا ہے۔"

"بہتر ہوگا کہ تم کاؤنٹر کلرک سے معلوم کرلو..... میں یہاں پہلے سے مقیم ہوں۔"

"تو پھر یہ بھی تو ظلم ہی ہوا نا کہ اکیلے اکیلے چلے آئے۔"

"میں ڈیوٹی پر ہوں۔ لیکن اگر تم نے میرے بارے میں اپنی محبوبہ کو کچھ بتایا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"الاقسم میں نے کچھ بھی نہیں بتایا..... چغد تھوڑا ہی ہوں۔"

"اُس نے تو ضرور پوچھا ہوگا کہ آخر تم مجھے منحوس کیوں سمجھتے ہو۔"

"بس غلطی سے نکل گیا تھا زبان سے؟"

"کیا نکل گیا تھا۔"

"یہی کہ تم کھفیہ پولیس کے آدمی ہو۔"

"تب پھر کیا باقی چھوڑا تم نے ڈیوٹ۔"

"ابے نام تھوڑا ہی بتایا ہے..... نام پوچھا تھا..... میں نے کہہ دیا عبدالغفور.....!"

"حالانکہ میرا نام عبدالرشید ہے۔"

"ایک میں عبدل ایک میں عبدر..... ٹھینگے سے..... دیکھا جائے گا۔"

"کیا دیکھا جائے گا۔"

"کہہ دوں گا کہ اُسے ٹھیک سے یاد نہیں۔ میں نے تو عبدالرشید کہا تھا۔"

"دوستی زیادہ پرانی نہیں معلوم ہوتی؟"

"بس آج ہی ملاکات ہوئی ہے۔"

"خدا کرے تمہارا یہ رومان کامیاب ثابت ہو۔"

"سچے دل سے کہہ رہے ہو حمید بھائی۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔

"بالکل..... میں تمہارے لئے بہت مغموم رہتا ہوں۔"

قاسم نے شدت جذبات سے بے قابو ہو کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور انہیں بے اشہ چومتا رہا۔

"ابے..... بے یہ میں ہوں۔ حمید..... وہ تو کب کی جاچکی ہے۔"

"حمید بھائی..... الاقسم..... دنیا میں تمہارے علاوہ اور کوئی ہمدرد نہیں دیکھائی دیتا۔ کبھی کبھی چتا ہوں کاش تم ہی میرے باپ بھی ہوتے۔"

"خیر..... خیر..... میں کوشش کروں گا۔ اس بار تمہاری زندگی سدھر جائے۔"

"حمید بھائی..... وہ بھی تو کچھ کچھ..... یعنی کہ.....!"

"میں سمجھ گیا..... وہ بھی تم پر مرتی ہے..... کیوں.....؟"

"یکین کرو..... تمہارے آنے سے پہلے کہہ رہی تھی کہ اگر واقعی تمہاری شادی نہیں ہوئی تو تمہیں اپنے ڈیڈی سے ملاؤں گی۔"

"تب تو وہ مارا.....؟"

"ہے نا.....!" قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔ آنکھیں اس طرح چمکنے لگی تھیں جیسے پورے

جسم کی قوت ان میں کھنچ آئی ہو۔

حمید کچھ نہ بولا۔ قاسم یہی کہتا رہا۔ ''یار اس دن میرے ستارے بڑے شاندار تھ
جب میں نے اُسے آرلکچو میں دیکھا تھا۔ میری میز کے قریب ہی والی میز پر بیٹھی تھی۔ دو
بار نظریں ملی تھیں اور ہائے...... حمید بھائی کیا پوچھتے ہو...... دل تھا کہ یوں یوں...... یوں''

یہاں قاسم نے دل کی حالت ہاتھوں سے بیان کرنے کی کوشش کی تھی۔

''اچھا تو پھر......!'' حمید نے پوچھا۔

''اُس کے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ کل آٹھ بجے
ٹرین سے رام گڈھ جائے گی۔ تنہا سفر کرنا پڑے گا اس لئے اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ بو
عورت اُسے سمجھانے لگی تھی کہ ڈرنے کی بات نہیں۔ اکثر عورتیں تنہا سفر کرتی ہیں۔ میں
اپنے دل میں قہا ہرگز نہیں...... وہ تنہا سفر نہیں کرے گی۔ میں بھی اس کی دیکھ بھال کے لئے
ٹرین سے سفر کروں غا۔''

قاسم خاموش ہو کر مسکرایا اور آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں آنکھیں ''مر
گئیں'' وہ صرف ایک آنکھ بند کر لینے پر قادر نہیں تھا۔ ساتھ ہی دوسری بھی بند ہو جاتی تھی۔

حمید نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جنبش دی اور قاسم کو تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر تھوڑ
بعد بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم وہیں سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔''

''اور یہ دیکھو کہ ٹھیک اُسی جگہ پہنچ غیا جہاں اُسے آنا تھا۔''

''غالباً اُس نے بوڑھی عورت سے یہ بھی بتایا ہو گا کہ وہ رام گڈھ میں کہاں ٹھہرے گ

''مبلقل بتایا تھا۔ ورنہ میں سیدھا یہیں کیسے چلا آتا۔ بولو کیسی رہی...... اب بھی ما
میری کھوپڑی کو یا نہیں۔ اس طرح پیچھا کیا کہ پتہ ہی نہ چل سکا۔ اس کو اور اب سمجھتی ہے
دونوں بس اتفاق سے مل بیٹھے ہیں۔''

''یقیناً...... یقیناً......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تمہاری کھوپڑی لاجواب ہی نہیں بلکہ
حساب ہے۔''

''ہے نا......!'' قاسم اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔

''لیکن......!'' یک بیک حمید مغموم نظر آنے لگا۔

''لیقن ویقن کچھ نہیں۔ سالے حمید بھائی گھپلا نہ قرو......!''

''تم سمجھتے نہیں۔ اس کی طرف سے نہیں بلکہ تمہاری طرف سے تشویش ہے مجھے۔''

''ٹھینگے پر گئی تمہاری تفتیش وفتیش......! میں سمجھائے دیتا ہوں ہاں۔''

''ابے تفتیش نہیں...... تشویش......!''

''کیا فرق پڑتا ہے...... پہلے تشویش...... پھر تفتیش...... سالے ہزار کیڑے نقال کر رکھ دو
میں قچھ نہیں سنوں غا......!''

''تمہارے بھلے کو کچھ کہنے جا رہا تھا۔ نہیں سننا چاہتے تو جہنم میں جاؤ'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے اُسے روکا نہیں تھا۔ وہ باہر نکلا چلا آیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ اُس نے
کمرے کی راہ لی۔

پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کسی نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اُسے یقین تھا
کہ خانہ تلاشی لینے والے ہی ہوں گے۔

لیکن دروازہ کھولنے پر اُسے حیرت ہوئی۔ وہ ثریا تھی۔ قاسم کی نئی دریافت۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' اُس نے کہا۔

''ضرور...... ضرور......!''

''ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتی ہوں......!''

''تشریف رکھئے...... میرے لئے وقت اور ناوقت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رام گڈھ
کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے لئے معمولات زندگی سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔''

''دیکھئے جناب...... آپ کا اندازہ غلط نکلا۔ وہ لوگ تو نیچے ہی پوچھ گچھ کر کے واپس چلے
گئے۔ کمروں کی تلاشیاں نہیں ہوئیں۔''

''میرا تو یہی خیال تھا۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو یہی کرتا۔ تو کیا وہ لوگ چلے گئے۔''

"جی ہاں..... گئے..... ریکریئشن ہال کی ایک کھڑکی پر انہوں نے تازہ خون کا دھبہ تھا۔ دوسری طرف دیوار پر بھی خون کی کچھ چھینٹیں ملی ہیں۔ باہر کچھ دور تک انہیں کہیں کہیں خون کے دھبے ملے..... اُس کے بعد پھر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اُن کا خیال ہے کہ زخمی ہو والا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوگا۔"

حمید نے جماہی لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

ثریا پھر بولی۔ "اُن لوگوں کا خیال ہے کہ رام گڈھ کے لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ یہاں آئے دن یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا..... مجھے کیا۔"

"آپ ان کو کب سے جانتے ہیں۔"

"کن صاحب کو.....؟"

"میرا مطلب ہے قاسم صاحب کو۔"

"بہت دنوں سے۔"

"کیا سچ مچ اُن کی شادی ہوگئی ہے۔"

"نہیں..... وہ تو میں اُسے چھیڑتا رہا تھا۔ کسی کی شامت آئی ہے جو اسے بیٹی دے گا

"کیوں..... کیا.....؟"

"ارے کنگال ہو جائیں گے سسرال والے، اگر ایک وقت بھی اسے کھلانا پڑا۔" وہ ہنس

"آپ کب سے جانتی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"آج یہیں ملاقات ہوئی ہے۔ سچ پوچھئے تو ان کی خوراک ہی نے مجھے ان کی ط متوجہ کیا تھا۔"

"پھر اب کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب یہ کہ پیٹو آدمی کی دوستی سے یہ اچھا ہے کہ آدمی کھیتی باڑی کو ذریعہ معاش بنا

"میرا کیا بگڑتا ہے اگر کوئی پیٹو ہے؟"

"معمولی جسامت کی لڑکیاں اُس سے خوف کھاتی ہیں۔ اسی لئے اب تک اس کی شادی نہیں ہو سکی۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے؟"

"یہ تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ وہ کتنا سیدھا سادھا آدمی ہے۔"

"میں تو انہیں آدمی سمجھتی ہی نہیں۔ وہ صرف سیدھے سادھے ہیں۔"

"آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں۔"

"جہاں سے قاسم صاحب آئے ہیں۔"

"اوہو..... تو ساتھ ہی آئے ہیں آپ دونوں۔"

"میرا اندازہ تو یہی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی ٹرین سے آئے ہیں۔"

حمید نے پھر جماہی لی اور اکتائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے پھر دروازے پر دستک دی۔

"کم ان.....!" حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں کسی نے دروازے کو نہ صرف دھکا دیا بلکہ بے تحاشا کمرے میں گھستا چلا آیا۔

قاسم کے علاوہ اور کون ہوتا؟ کمرے میں داخل ہو کر اُس نے اُن دونوں پر نظر ڈالی اور کسی بت کی طرح ایک ہی جگہ پر استادہ ہو کر رہ گیا۔

اب وہ پلکیں جھپکائے بغیر حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

اور حمید کا یہ عالم تھا کہ پینترہ بدلنے کے لئے تیار۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ جس طرح بگڑے ہوئے ہاتھی کو قابو میں لانا مشکل ہوتا ہے اُسی طرح قاسم کی ذہنی رو بہک جانے کے بعد اس کا سنبھالنا بھی کارے دارد.....!

دفعتاً حمید نے ثریا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ خود دیکھئے۔ کون کہہ سکے گا کہ یہ شخص ابھی

تک کنوارا ہے؟ جو دیکھتا ہے شادی شدہ سمجھتا ہے؟"

قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر عجیب شرمیلی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ ساتھ ہی ایک انگلی بھی دانتوں میں جا دبی۔

"اب دیکھئے۔" حمید پھر بولا۔ "اس میں اور ایک کنواری پردہ نشین میں کیا فرق باقی رہا ہے۔"

ثریا ہنس پڑی اور حمید نے قاسم سے کہا۔ "میں انہیں بہت دیر سے باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ میں نے تو محض چھیڑنے کے لئے اپنی کسی آپا جان کا تذکرہ کیا تھا۔"

"تو میں کیا جانوں۔" قاسم نے بدستور دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے اور نظریں نیچی کر کے کہا۔

"اب یہ دیکھئے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "اگر میری شادی نہ ہوگئی ہوتی تو خود اُس سے شادی کر لیتا۔"

"قاسم بالکل لونڈیوں ہی کے سے انداز میں "کھی کھی کھی" کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

ثریا دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے بُری طرح ہنس رہی تھی۔

ادھر حمید نے ایسی سنجیدگی اختیار کر رکھی تھی جیسے ابھی ابھی اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے ہو۔ ثریا ہنستی رہی۔ بدقت خاموش بھی ہوئی تو کافی دیر تک پیٹ دبائے بیٹھی رہی۔

"یہ آپ کو کیا سوجھی تھی۔" آخر اُس نے حمید سے پوچھا۔

"یہی حربہ..... وقت پر کارآمد ثابت ہوا تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اگر وہ پہاڑ غصے میں مجھ پر آپڑتا تو کیا ہوتا..... یہ بھی سوچا آپ نے۔"

"لیکن یہ شادی وادی کی بات کیوں چھیڑی تھی آپ نے۔"

"پہلے بھی مجھ پر خفا ہوتا رہا تھا کہ میں نے ایک غلط بات آپ کے سامنے کیوں کہہ دی۔"

"بھلا مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ان باتوں سے۔" ثریا نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں

"آپ کو ہو یا نہ ہو دلچسپی لیکن وہ تو ہر اُس عورت پر عاشق ہو جاتا ہے جو اس کی خوراک کے بارے میں اُس کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتی ہو۔"

"آپ کو شرم آنی چاہئے۔ اتنی بے تکلفی سے آپ اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"بے تکلفی کے بغیر کسی قسم کی بھی باتیں نہیں ہو سکتیں۔"

"مجھ سے غلطی ہوئی جو آپ کے پاس آئی.....!" وہ پیر پٹخ کر اٹھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی مرضی۔" حمید نے جماہی لے کر لاپروائی سے کہا۔

وہ چلی گئی۔ حمید نے دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر دیا۔

گھڑی دیکھی صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ پھر اُس نے سوٹ سمیت بستر پر چھلانگ لگا دی۔

غشی کی طرح نیند آئی تھی اور پھر آنکھ کھلی تھی ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے۔ وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا تھا۔

"مسٹر عبدالرشید.....!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ہاں..... کون ہے؟"

"پولیس ہیڈ کوارٹر پلیز..... ایس پی کو انفارم.....!"

"اچھا.....!" حمید نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

شکار شکاری

رام گڑھ پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں حمید مونا کا بیان لے رہا تھا۔ تین مختلف اسٹینو گرافرز اسے لکھتے جا رہے تھے۔ یہ بیان وہاں تک قطعی صحیح تھا جہاں سے فریدی نے اُن لوگوں پر قبضہ کیا تھا اور میجر سعید یعنی حمید کے ہاتھ پیر باندھ کر اس نامعلوم آدمی کی گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا اور

مونا کو اس نے اپنے پاس ہی بٹھایا تھا۔

"پھر.....!" مونا طویل سانس لے کر بولی۔ "گاڑیاں چل پڑی تھیں۔ میجر سعید سیٹ پر پڑا ان لوگوں کو بے تحاشہ گالیاں دے رہا تھا۔ پھر شاید چار پانچ ہی میل گئے ہوں کہ اچانک چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی۔ پہلے ہی ہلے میں ہماری گاڑی کے دو بیکار ہوگئے۔ وہ آدمی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی روکی تھی اور ڈھلان میں کود گیا تھا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے میجر سعید کی چیخ بھی سنی تھی۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ سیٹ کا دروازہ تو کھلا ہی ہوا تھا۔ بوکھلاہٹ میں میں بھی باہر نکل کر ڈھلان میں دوڑتی چلی مجھے ہوش نہیں کہ میں کتنی دور دوڑی تھی۔ بس فائروں کی آوازوں کا دھیان تھا۔ پھر میں نے کو ایک بالکل ہی ویران جگہ پر پایا تھا اور فائروں کی گونج بہت ہی مدہم ہو کر میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ اس کے بعد میں سارا دن انہیں چٹانوں میں بھٹکتی رہی تھی۔ صبح ہوتے ہو پولیس پارٹی مل گئی اور اب میں یہاں ہوں۔"

حمید کو فریدی کی ہدایت یاد آئی اور اس نے بیان پر جرح نہیں کی۔

ایس پی کرائمز کے آفس میں یہ بیان لیا گیا۔ حمید پر تفکر انداز میں ایس پی کرائمز طرف دیکھتا رہا۔

دفعتاً ایک آدمی کچھ ٹیلی پرنٹڈ چٹس لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور انہیں ایس کی میز پر رکھ کر چلا گیا۔

حمید نے اُسے تیز نظروں سے دیکھا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ایس پی جو چٹوں کو دیکھ رہا تھا سر اٹھا کر بولا۔

"اوہ.....آپ کے لئے پیغام ہے۔"

پھر اُس نے ان چٹوں کو بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ پیغام فریدی کی طرف سے تھ حمید کو ہدایت دی گئی تھی کہ پیغام موصول ہوتے ہی وہ مونا سمیت دھام نگر کیلئے روانہ ہو جا

حمید نے طویل سانس لی اور مونا کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے کہیں بھی جانا ہو۔" مونا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے پرواہ نہیں۔ لیکن خدارا ایک نظر ڈیڈی کو دیکھ لینے دیجئے۔"

"ڈیڈی.....کیا مطلب.....!"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ میرے ڈیڈی ہسپتال میں بیہوش پڑے ہیں۔"

"اوہ.....محترمہ.....مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ باس کے پیغام میں ایسی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔"

"میں انسانیت کے نام پر آپ سے التجا کرتی ہوں؟"

"کیا حرج ہے کیپٹن.....!" ایس پی بولا۔ "ہسپتال راستے ہی میں پڑے گا۔ میری دانست میں تو آپ کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے.....!"

"آپ کی مرضی.....!" ایس پی کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا۔

"کیوں.....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایسا کیا جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ خود ہی لڑکی کے لئے ہمدردی محسوس کریں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.....لیکن.....خیر آپ کہتے ہیں تو دو چار منٹ کے لئے ہسپتال میں رک جائیں گے۔"

مونا نے گلوگیر آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

ایس پی صاحب اب حمید کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن حمید کی نظریں اُسی کے چہرے پر تھیں۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "کیا ان چٹوں میں صرف اتنا ہی سا پیغام ہے۔"

"ہمارا ریسیونگ سیٹ ان دنوں کچھ گڑبڑ ایا ہوا ہے۔" ایس پی بولا۔ "لہٰذا غیر ضروری حروف بھی چھاپ ڈالتا ہے.....یہ دیکھئے۔"

اس نے پرنٹڈ چٹس حمید کی طرف بڑھا دیں۔ حمید انہیں بغور دیکھتا رہا۔ غیر ضروری

حروف بھی تھے۔ لیکن ان کے ساتھ ہی ایک پوشیدہ پیغام اور بھی تھا جسے ایس پی نے غیر ضروری حروف کے زمرے میں شامل کر کے نظر انداز کر دیا تھا۔

فریدی نے اپنے وضع کیے ہوئے کوڈ میں اُسے مطلع کیا تھا کہ وہ ایس پی سے ہوشیار رہے۔

''واقعی.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''آپ لوگوں کو بڑی دشواری پیش آتی ہوگی۔ مرمت کیوں نہیں کراتے اس کی۔''

''کئی بار ہو چکی ہے.....اب ایجنسی کا خیال ہے اس کی جگہ دوسرا سیٹ لگا دے۔''

حمید نے سر کو جنبش دی اور گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا مونا سے بولا۔ ''تو چلیے۔''

''اگر آپ کسی اور کو بھی ساتھ لے جانا چاہیں تو.....!''

''نہیں شکریہ۔'' حمید نے ایس پی کی بات کاٹ دی۔ ''اگر یہ ضروری ہوتا تو پیغام میں اس کی وضاحت ہوتی۔''

''آپ کی مرضی.....!''

پھر حمید مونا سمیت اپنی اس ٹوسیٹر میں آ بیٹھا جس میں دو کی بجائے چار دروازے تھے اور وہ ایک میکنزم کو حرکت میں لانے سے فور سیٹر کنورٹیبل بھی بن سکتی تھی۔

پچھلے دروازوں میں باہر کی طرف ہینڈل نہیں تھے۔

مونا اپنی جانب والی کھڑکی پر جھک گئی۔ حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور مونا بایاں پہلو دبائے سیدھی بیٹھ گئی۔

''کیوں.....کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا دل کمزور ہے.....اور آپ کو گیئر بدلنے کا سلیقہ نہیں۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

پھر ہسپتال تک کا راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا۔ ان کی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہی ہوئی تھی کہ ایک جیپ بھی اُن کے برابر ہی رکی۔

''ہوں.....!'' حمید نے ہونٹ بھینچ کر طویل سانس لی۔

پھر قبل اس کے مونا اور حمید گاڑی سے اترتے ایس پی کرائمز جیپ سے اتر کر سیدھا ان کی طرف چلا آیا۔

''مجھے ابھی فون پر اطلاع ملی ہے کہ ڈاکٹر کو ہوش آ گیا ہے؟'' اس نے حمید سے کہا۔

''اوہ.....!'' مونا نے پرمسرت آواز میں چیخ کر دروازے کا ہینڈل گھمانا چاہا۔ لیکن ایس پی نے باہر کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ ''نہیں محترمہ۔ اب آپ واپسی ہی پر ان سے مل سکیں گی۔''

''کیوں.....کیوں.....؟''

''ہوسکتا ہے کہ آپ پر نظر پڑتے ہی وہ کسی قسم کے جذباتی ہیجان میں مبتلا ہو کر دوبارہ اسی کیفیت میں نہ مبتلا ہو جائیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ایس پی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''میں بھی یہی کہوں گا کہ اس وقت آپ پروفیسر کے سامنے نہ آئیے۔ شاید ہم شام تک واپس آ جائیں۔ میرا چیف غالباً اپنے طور پر جرح کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ آپ کو تکلیف نہ دی جاتی۔''

''میرے خدا میں کیا کروں۔'' مونا ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر بڑبڑائی۔

حمید نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی پھاٹک کی طرف موڑ لی۔ گاڑی کا انجن زیادہ شور نہیں مچاتا تھا اس لئے وہ مونا کی ہچکیاں اور سسکیاں صاف سنتا رہا۔

اس نے سوچا بعض پیشے آدمی کو پتھر بنا دیتے ہیں۔ اگر وہ پتھر نہیں ہے تو کم از کم انہیں ظاہر تو یہی کرنا پڑتا ہے کہ وہ پتھر ہی ہیں۔

''پتھر.....!'' اس نے بڑبڑا کر طویل سانس لی۔ وہ کسی طرح اسے دلاسا دینا چاہتا تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ اس وقت اس کے لئے بالکل ہی اجنبی تھا۔ کیپٹن حمید! میجر سعید کی حیثیت سے تو وہ اس سے کسی قدر بے تکلف بھی تھا اور شاید وہ بھی اس سے گفتگو کرتے وقت اپنے ذہن کو ڈھیلا چھوڑ دیتی تھی۔

اس نے سوچا کچھ بھی ہو وہ اُسے اس طرح نہ رونے دے گا۔ فادر ہارڈ اسٹون خواہ کچھ

کہے۔ پھر اس سے فرق بھی کیا پڑے گا۔ اگر وہ اسے بتا دے کہ میجر سعید بھی خود ہی تھا۔

''مونی.....!'' اس نے بالآخر اُسے نرم لہجے میں مخاطب کیا۔ اور غالباً لہجے ہی کی بنا پر وہ نہ صرف چونک پڑی تھی بلکہ اس کی سسکیاں بھی تھم گئی تھیں۔

''مونی..... ضبط کرنے کی کوشش کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے حق حاصل ہے کہ میں تمہیں اس لہجے میں مخاطب کروں۔ کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے بالکل ہی اجنبی نہیں ہیں۔''

''مم..... میں..... نہیں سمجھتی۔'' مونی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں میجر سعید ہوں۔''

''میجر سعید.....!'' وہ اچھل پڑی اور اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے کسی ریچھ نے اپنے مہاتما ہونے کا اعلان کیا ہو۔

''لل..... لیکن آپ تو.....!''

''کیپٹن حمید! اسی ٹیم سے تعلق رکھتا ہوں جس سے سارہ رحمان ملنا چاہتی تھی۔''

''لیکن میجر سعید..... آپ دونوں کی شکلوں میں ذرا سی بھی مطابقت نہیں۔''

''اسے میک اپ کا کمال کہتے ہیں۔ میرا چیف اولڈ اسکول کے اس نصاب سے آج تک پیچھا نہیں چھڑا سکا۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی آواز سن کر میجر سعید کی آواز یاد آئی تھی مجھے۔''

''ہمیں بعض اوقات بڑے عجیب وغریب حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہاں تو تم پولیس پارٹی کے ہاتھ کیسے لگیں۔''

''آپ کے ساتھی نے مجھے وہیں پہنچا دیا تھا جہاں پولیس پارٹی بھٹکتی پھر رہی تھی اور پھر میں نے وہی سب کچھ کیا جو انہوں نے مجھے سمجھا دیا تھا۔''

''ایک بات پوچھوں؟ صحیح جواب دو گی۔''

''پوچھئے۔''

''تمہارا پہلا بیان جو تم نے میجر سعید کو دیا تھا اس سے بڑی حد تک مختلف تھا جو بعد کو تم نے میرے ساتھی کو دیا تھا اس کی کیا وجہ تھی۔''

مونا فوراً ہی کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ پھر یک بیک اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک نظر آئی جیسے اس نے کوئی اہم فیصلہ کیا ہو۔

''ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں اور یہ بھی سنئے کہ میں نے آپ کے ساتھی کو بھی پوری بات نہیں بتائی۔''

''اوہو..... تب تو تم نے میری عزت رکھ لی۔'' حمید بے حد خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''بھلا اس میں خوشی کی کیا بات ہے۔''

''میرا وہ ساتھی دراصل میرا چیف تھا جو مجھے بالکل اُلو سمجھتا ہے۔ بڑے عجیب انداز میں دیکھتا تھا جب میں تم سے شکوہ کرتا کہ تم نے فلاں بات مجھے نہیں بتائی۔''

''اوہ تو اس کا یہ مطلب کہ وہ کرنل فریدی تھے۔'' مونا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں..... آں.....!'' حمید نے طویل سانس لیتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور پھر سڑک کے کنارے لگا کر روک بھی دیا۔

ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے کنجیوں کا لچھا نکالا اور اپنی طرف کے دروازے کے ہینڈل میں گھما کر کنجی لگائی۔ دروازے کا استر الگ ہو گیا۔ مونا حیرت سے یہ کارروائی دیکھ رہی تھی۔ پھر ٹا گن پر اس کی نظر پڑی جسے حمید خانے سے نکال کر اپنی گود میں رکھ رہا تھا۔

''یہ..... یہ..... کک..... کیوں.....؟'' وہ ہکلائی۔

''فکر نہ کرو۔ احتیاطاً..... آخر مجھے بھی تو سوچنا چاہئے کہ میرے چیف نے خواہ مخواہ دھام میں کیوں طلب کیا ہے؟''

''اب تو میں بھی اسی الجھن میں پڑ گئی ہوں۔'' وہ کانپ کر بولی۔ ''دیکھئے۔ میرا دل بہت ہے۔ کیا لڑائی جھگڑے کا امکان ہے۔ آپ کا وہ فائر مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ میں تو سمجھی بس خاتمہ ہوا۔''

’’وہ تو مجبوری تھی۔ اتنی شاندار ایکٹنگ کے بغیر میں کامیاب نہ ہوسکتا۔‘‘ حمید نے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے پھر سفر شروع کر دیا۔ مونا خاموشی سے ٹامی گن کو گھورے جارہی تھی۔

’’بہر حال۔‘‘ حمید کچھ دیر بعد بولا۔ ’’تم نے اچھا ہی کیا.....؟‘‘

’’کیا اچھا کیا.....؟‘‘

’’یہی کہ تم نے میرے چیف کو اصل واقعات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔‘‘

’’یہ تو میں نے نہیں کہا۔ میں نے غالباً یہ کہا تھا کہ پوری بات انہیں بھی نہیں بتائی۔‘‘

’’لیکن اگر اب مجھے بتا دو تو کیسی رہے۔‘‘

’’مجھے بھی اب یہی سوچنا پڑا ہے کہ ڈیڈی سے کیا ہوا عہد توڑ دوں..... آخر کب تک لوگوں پر اسی قسم کے مظالم ہوتے رہیں گے۔ اگر میں اب بھی زبان بند رکھوں تو اسے وطن دشمنی ہی کہیں گے۔‘‘

’’بالکل.....!‘‘ حمید سر ہلا کر بولا۔

’’سارہ کے پرس کا راز میں نے آپ کے چیف کو بتا دیا تھا.....!‘‘

’’ہاں.....وہ تو میرے سامنے ہی.....!‘‘

’’جی نہیں.....وہ تو اس کی اہمیت بتائی تھی۔ راز اب آپ کو بھی بتا دوں گی۔ قاتل چڑے کے دستانے پہنے ہوئے تھا۔ واجد سے کشمکش کے دوران میں داہنے ہاتھ کا دستانہ اتر گیا تھا۔ اس پر قابو پانے کے بعد اس نے اسی ننگے ہاتھ سے چاقو نکال کر اس کا نرخرہ کاٹ دیا۔ اس کا ہاتھ خون سے تر ہو گیا۔ پھر وہ بے خیالی میں وہی ہاتھ زمین پر ٹیک کر اس کی لاش پر سے اٹھا جلدی میں چاقو اٹھایا اور کھڑکی سے باہر کود گیا۔ سارہ جائے واردات پر موجود تھی۔ لیکن - دست و پا..... سہمی کھڑی رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تھا اور اس نے دیکھا کہ قاتل ایک پرانے اخبار پر اپنے خون بھرے ہاتھ کا نشان چھوڑ گیا ہے۔ گروہ کے لوگوں خیال ہے کہ پولیس کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اسی لئے وہ اس طرح دندناتا پھر ہے۔ جب جسے چاہا مار ڈالا۔ یہ ساری باتیں مجھے سارہ ہی نے بتائی تھیں۔ بہر حال سارہ

دانست میں اگر اس کے ہاتھ کا نشان پولیس تک پہنچ جاتا تو وہ اُسے ڈھونڈ نکالتی۔ لیکن اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ اس قسم کے گروہ پولیس کا تعاون حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اُسے کسی ایمان دار پولیس آفیسر کی تلاش تھی۔ وہ کہتی تھی کہ اگر وہ کسی طرح کرنل فریدی تک پہنچ جائے تو اس کی یہ مشکل ضرور آسان ہو جائے گی۔ خدا اس کی روح کو سکون بخشے اس کی یہ آرزو بہر حال پوری ہو گئی۔ میں نے شاید آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ واجد اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سارہ اس سے لاعلم تھی۔ جب واجد نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ اس کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی تو اس کو اسی راہ پر لگانے کی کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہا۔ سارہ کا انڈسٹریل ہوم منشیات کی تجارت کا ذریعہ بن گیا اور سارہ ایک اعصاب زدہ لڑکی جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئی۔ اُسے نفرت تھی اس کاروبار سے.....!‘‘

سارہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ’’آخر سرگروہ نے واجد کو مار کیوں ڈالا تھا۔‘‘

’’اس کی وجہ خود سارہ کو بھی نہیں معلوم تھی۔ حادثے کی رات کو واجد کو اپنی گاڑی میں اس کے گھر پہنچانے گئی تھی۔ واجد نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ کچھ دیر اس کے ساتھ ٹھہرے۔ اس نے مکان کا قفل کھولا تھا اور وہ اندر گئے تھے۔ لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اس مقفل مکان کے اندر سیاہ پوش کو اپنا منتظر پایا۔ سارہ اس کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے قصے پہلے ہی سن چکی تھی۔ لہٰذا اس کی موجودگی نے اُسے معمول سے زیادہ نروس کر دیا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی تھی اور سیاہ پوش اس پر اچانک ٹوٹ کیوں پڑا تھا۔‘‘

کچھ دیر پھر خاموشی رہی۔

’’یہ تو بتاؤ.....آخر تمہارے ڈیڈی کا کیا معاملہ ہے؟‘‘ حمید نے پوچھا۔

’’یہی تو میں نے آپ کے چیف کو بھی نہیں بتایا۔‘‘

’’ہرگز نہ بتانا۔‘‘

"کیوں.....؟" سارہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مطلب یہ کہ اس کا علم پہلے مجھے ہونا چاہئے۔"

"کچھ دیر پہلے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ آپ کو بتادوں.....لیکن اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"تمہیں ٹوئیسٹ کرنا چاہئے.....غم غلط کرنے کا بہترین طریقہ.....!"

"مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا.....کچھ بھی تو نہیں.....خلاء میں جھول رہی ہوں؟ نہ پیر رکھنے کے لئے زمین ملتی ہے نہ بازوؤں میں قوت پرواز.....میرے خدا میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔"

"میں نے تو دراصل تمہارا دھیان بٹانے کی کوشش کی تھی۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تم خود ہی ایسے قصے کو نکال بیٹھیں۔"

"کیسے نہ نکال بیٹھتی جب کہ میں خود بھی اسی کہانی کا ایک کردار ہوں۔"

"اوہو.....میں تو تمہیں بالکل معصوم سمجھتا تھا۔"

"براہِ راست نہیں.....میں ڈیڈی کے واسطے سے اس کہانی کا کردار بنی ہوں۔ میں نے ان لوگوں کے لئے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ لیکن ڈیڈی.....اوہ.....میں.....کیا بک رہی ہوں۔"

"دل کا غبار نکالنا بے حد ضروری ہے مونی.....ورنہ تم بیمار پڑ جاؤ گی۔"

"میں تو مر ہی جانا چاہتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد حمید پھر اس کی ہچکیاں اور سسکیاں سنتا اور شدت سے بور ہوتا رہا۔ وہ تو سمجھ تھا کہ باپ کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر وہ کسی قدر بشاش نظر آئے گی اور یہ سفر نمونہ سفر ثابت ہوگا۔

"سنو.....میری طرف دیکھو.....اب تمہیں کیا پریشانی ہے۔ تم اپنے ڈیڈی کے ہوش میں آنے کی خبر بھی سن چکی ہو۔ ان کی حالت بہتر ہوگی۔"

"میں اُن کی زندگی نہیں چاہتی۔" یک بیک مونا چیخ کر بولی۔ "ان کی موت کی خواہاں ہوں۔"

"اوہ.....!" حمید سنجیدہ ہو گیا۔

مونا کی ہچکیاں اور سسکیاں بھی رک گئیں تھیں۔ دفعتاً اس نے چیخ چیخ کر بکنا شروع کیا۔

"وہ ایک باعزت آدمی ہیں۔ اپنی رسوائی برداشت نہ کر سکیں گے۔ اس لئے میں چاہتی کاش وہ ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جاتے۔ سنو۔ انہوں نے مجھے اپنی بے بسی کی تان سنائی تھی اور خواہش ظاہر کی تھی کہ میں کم از کم ان کی زندگی میں اس کا تذکرہ کسی سے نہ ں۔ تم مجھے ان کی موت کی خبر سنا دو۔ میں سب کچھ بتا دوں گی۔"

"کاش میں تمہارے کسی کام آ سکتا.....؟ اب کچھ نہ پوچھوں گا۔"

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ بھیگی بھیگی سی دھوپ چٹانوں پر بکھری ہوئی تھی اور ونڈ ے ٹکرانے والی ہوا سرد تھی۔

دفعتاً انہوں نے ہیلی کوپٹر کا شور سنا۔ بائیں جانب سے وہ سیدھا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ از نیچی تھی۔

"دیکھو.....یہ کدھر جاتا ہے۔" حمید نے مونا سے کہا۔

گاڑی اس سے آگے نکل آئی تھی۔ مونا نے کھڑکی سے سر نکال کر دیکھا اور بولی۔ "ٹھیک اے پیچھے ہے۔"

"میرا چیف غافل نہیں ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اوپر سے ہماری دیکھ بھال ہو رہی ہے۔" حمید نے کہا اور مزید کچھ کہنے والا تھا کہ ایک ردار دھماکہ ہوا۔ گاڑی کو دھچکا سا لگا اور حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرے خدا..... ز بلاسٹ تھا۔"

ایکسلریٹر پر مزید دباؤ غالباً اس دھچکے ہی کا نتیجہ تھا اور گاڑی کی رفتار غیر ارادی طور پر ھ گئی تھی۔

پھر تو وہ رفتار بڑھاتا ہی گیا۔ ایک دھماکہ پھر ہوا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" مونا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"فکر نہ کرو۔ میرا چیف اتنا احمق نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کا مذاق کرے۔ یہ ہیلی کوپٹر ہمارے دشمنوں ہی کا ہوسکتا ہے۔"

"اب کیا ہوگا..... یہ تو..... یہ تو.....!"

"تیسرے دھماکے نے مونا کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔"

"واقعی شامت ہے۔ نہ گاڑی روک سکتا ہوں اور نہ اس رفتار سے چل ہی سکتا ہوں کیونکہ آگے موڑ ہی موڑ ہیں..... المدد یارب السموات..... المدد.....!"

ٹھیک اُسی وقت کسی طیارے کی آواز پھر سنائی دی اور اب کے گاڑی کے قریب اس زور کا دھماکہ ہوا کہ اسٹیئرنگ پر حمید کے ہاتھ بہک گئے۔ لیکن ساتھ ہی بریک پر بھی پیر پڑا اور گاڑی سڑک کے نیچے اُتر کر ایک چٹان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دوسری طرف بھی اگر قدآدم چٹان ہوتی تو اس رفتار پر اچانک بریک لگنے پر گاڑی الٹ ہی جاتی۔

حمید کو اتنا ہوش تھا کہ بریک پر دباؤ کم کئے بغیر انجن بند کر دیتا۔

ہیلی کوپٹر ان کے سروں پر سے گزر گیا۔

"مونا..... مونا.....!" حمید اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

مونا کی آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہو۔

حمید نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور تیزی سے نیچے اُتر آیا۔ ٹامی گن بھی اس کی گود سے نکل کر باہر گری تھی۔

اب وہ مونا کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے بھی نیچے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہیلی کوپٹر کچھ دور جا کر پھر ان کی طرف مڑا۔ اس بار اس کی پرواز پہلے سے بھی نیچی تھی۔

حمید نے سوچا اب خیریت نہیں۔ مونا بیہوش ہوگئی تھی اور اس نے اُسے اپنے ہاتھوں سنبھال رکھا تھا۔

"اوہو..... یہ..... یہ.....!" بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ اس نے ایک طیارے

کو ہیلی کوپٹر پر ڈائیو کرتے دیکھا اور پھر وہ اس پر فائرنگ کرتا ہوا اوپر اٹھتا چلا گیا تھا۔ ہیلی کوپٹر کا رخ مڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ طیارے کی زد سے بچ نکلنا چاہتا ہو۔ طیارے نے چکر کاٹ کر پھر اس کے اوپر غوطہ لگایا لیکن اس بار فائرنگ نہیں کی۔

اب حمید نے ہیلی کوپٹر کو ڈھلان میں اترتے دیکھا۔ وہ نیچے تقریباً تین سو فٹ کی گہرائی میں جا رہا تھا۔

حمید نے مونا کو وہیں زمین پر ڈال دیا اور ٹامی گن سنبھال لی۔ جلد ہی اس نے ہیلی کوپٹر کو لینڈ کرتے دیکھا۔

طیارہ اب بھی اوپر فضا میں چکر لگا رہا تھا۔ حمید نے مناسب یہی سمجھا کہ لینڈ کئے ہوئے ہیلی کوپٹر پر فوراً فائرنگ شروع کر دے۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ ہیلی کوپٹر میں کتنے آدمی ہیں۔ اس وقت خود حمید کی پوزیشن محفوظ تھی۔ وہ ہیلی کوپٹر کو صاف دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ہیلی کوپٹر والے اس کا نشانہ نہیں لے سکتے تھے۔

ٹامی گن کے پہلے ہی حملے نے ہیلی کوپٹر کے سواروں کو ہیلی کوپٹر سے باہر نہ نکلنے دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کاش مونا کو جلدی سے ہوش آ جاتا۔ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر ہٹ نہیں سکتا تھا اور ضروری تھا کہ اس کی ٹوسیٹر کے دوسرے دروازے کا پوشیدہ خانہ کھولا جاتا جس میں بہت طاقتور قسم کے تین عدد دستی بم رکھے ہوئے تھے۔ دانش مندی کا تقاضا یہی تھا کہ ہیلی کوپٹر تباہ کر دیا جاتا۔ فضا میں چکر لگانے والا جہاز مددگار ہی سہی لیکن شاید اس میں کوئی ایسا انتظام نہ تھا جس سے ہیلی کوپٹر پر تباہ کن حملہ کیا جا سکتا۔

حمید نے تھوڑی دیر ٹھہر کر ایک بار پھر ٹامی گن کا ٹریگر کھینچ دیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور اس نے ہیلی کوپٹر کی چھت میں سوراخ ہوتے دیکھے۔

اتنے میں مونا بھی کراہ کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہے..... یہ سب کیا ہے..... ارے یہ گاڑی..... تم کیا کر رہے ہو۔" وہ ہذیانی انداز میں چلی گئی۔

حمید نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''خود کو قابو میں رکھو اور ادھر میرے قریب بیٹھے بیٹھے کھسک آؤ۔ اٹھنا نہیں..... دوسری طرف دشمن ہے۔''

پھر اس نے ٹامی گن سے کچھ فائر کئے۔ وہ دراصل نہیں چاہتا تھا کہ ہیلی کوپٹر کے باہر آئیں۔ باہر نکل کر وہ چٹانوں کی اوٹ لے لیتے اور پھر ان پر قابو پانے میں دشواری ہو
مونا گھسٹتی ہوئی اس تک پہنچی اور حمید نے اُسے کنجیوں کا گچھا دیتے ہوئے کہا۔ '' طرح میں نے اپنی سائیڈ کے دروازے کا استر نکال کر..... لیکن ٹھہرو..... احتیاط کی ضرور ہے۔ تین ہینڈ گرنیڈ رکھے ہوئے ہیں اس خانے میں۔ ایک ایک کر کے نکال لاؤ۔ اسی ط بیٹھے بیٹھے گاڑی تک جاؤ..... شاباش.....!''

''مم..... میں..... ہینڈ گرنیڈ..... نہیں نہیں۔ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''تو پھر ہم دونوں ہی جہنم رسید ہوں گے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا اور پھر ہیلی کوپٹر پر فائر کئے
''جاؤ..... میں انہیں روکے ہوئے ہوں۔ اگر ہر منٹ پر فائر نہ کر سکا تو وہ ہیلی کوپٹر باہر نکل آئیں گے۔ پھر ہماری خیر نہیں۔''

''کک..... کونسی کنجی ہے.....؟'' مونا نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

حمید نے اُسے کنجی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''ڈرو نہیں..... سیفٹی کیچ ہٹائے بغ پھٹ نہیں سکتے۔ خوبصورت لڑکیاں بہادر بھی ہوتی ہیں۔ دادا جان مرحوم اکثر کہا کرتے تھے۔''
مونا گھسٹتی ہوئی گاڑی تک گئی۔ خفیہ خانہ کھولا اور ایک ایک کر کے تینوں دستی بم نکال لا

''ارے ادھر تو دیکھو۔'' دفعتاً وہ سڑک کی جانب ہاتھ اٹھا کر بولی۔

فضا میں ایک پیراشوٹ نظر آیا۔ کسی نے طیارے سے چھلانگ لگائی تھی اور آہستہ آ نیچے آرہا تھا۔

پوزیشن ایسی تھی کہ شاید ہیلی کوپٹر والے اسے دیکھ بھی نہ سکے ہوں۔

جہاز کی پرواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر ہیلی کوپٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس

ٹامی گن پھر گولیاں اگل رہی تھی۔

ہیلی کوپٹر سے نہ تو فائرنگ ہی ہوئی اور نہ اس کا انجن ہی جاگا..... حمید نے ٹامی گن رکھ دی اور ایک دستی بم کا سیفٹی کیچ ہٹانے ہی لگا تھا کہ مونا چیخی۔ ''ارے وہ ادھر ہی آرہا ہے۔ زمین پر آگیا۔''

حمید نے مڑ کر دیکھا..... نہ صرف دیکھا بلکہ اپنی طرف دوڑ کر آنے والے کو پہچانا بھی۔ یہ کرنل فریدی تھا۔

وہ ہاتھ اٹھائے کہہ رہا تھا۔ ''اوہ احمق یہ کیا کر رہے ہو۔ سارا کھیل بگاڑ دو گے۔ خبر دار گرنیڈ مت پھینکنا۔ ساری محنت برباد ہو جائے گی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

آخری دھماکہ

فریدی اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔ اس نے جھک کر چٹخی ہوئی چٹان کی دراڑ سے دوسری طرف دیکھا۔ ہیلی کوپٹر جوں کا توں وہیں موجود تھا۔

''میں نے ابھی تک کسی کو بھی باہر نہیں نکلنے دیا۔'' حمید نے گردن اکڑا کر کہا۔ ''اور اب اسے تباہ کرنے جا رہا تھا۔''

مونا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ یہی شخص اوپر چکرانے والے طیارے سے کودا تھا۔ کون ہے یہ..... جو کیپٹن حمید سے اس انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔

''تم سے حماقت سرزد ہوئی۔'' فریدی نے بدستور دراڑ سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''ذرا ایک گرنیڈ مجھے دینا۔''

حمید نے ایک دستی بم اُسے تھما دیا۔ اس کی نظر ہیلی کوپٹر ہی پر تھی۔ وہ فریدی کی طرف

نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے بم پھینکتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی جب اس نے فریدی کا نشانہ خطا کرتے دیکھا۔ بم ہیلی کوپٹر سے کافی فاصلے پر گرا تھا۔ اتنا فاصلہ تھا دونوں کے درمیان کہ وہ دھوئیں میں بھی نہ چھپ سکا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے دو آدمیوں کو ہیلی کوپٹر سے باہر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ دونوں خاکی لباس میں تھے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی بناء پر ان کے خدوخال واضح طور پر نظر نہیں آرہے تھے۔

''ٹومپسن مجھے دو۔'' فریدی نے کہا اور ٹامی گن اس کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ دونوں ایک چٹان کی اوٹ لینے ہی والے تھے کہ فریدی نے ان سے کچھ دور ہٹا کر فائر کئے۔ وہ اچھل کر دوسری طرف بھاگے۔

''میگزین.....!'' فریدی غرایا اور پھر ٹریگر دبا دیا۔

حمید گاڑی کی طرف جھپٹا۔ ٹامی گن والے خانے سے مزید میگزین نکالا اور ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ٹیلی سکوپ بھی نکالتا ہوا پھر فریدی کی طرف پلٹ آیا۔

فریدی تھوڑے تھوڑے وقفے سے برابر فائر کئے جا رہا تھا۔ حمید نے قریب پہنچ کر پوزیشن دیکھی اور اب اس فائرنگ کا مقصد اس کی سمجھ میں آ گیا۔

فریدی انہیں دوڑا دوڑا کر تھکا رہا تھا۔ جب بھی وہ کسی جانب بڑھتے فریدی اسی رخ ان سے کچھ دور فائر کر کے ان کا منہ پھیر دیتا۔ وہ دوسری طرف بھاگتے اور ادھر بھی ان کا یہی حشر ہوتا۔ ان میں سے ایک کا تو یہ حال تھا کہ گر گر پڑتا تھا۔ اسی طرح وہ دونوں ہیلی کوپٹر سے کافی دور نکل آئے تھے۔

''تم ہیلی کوپٹر کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''یقیناً.....!''

''تمہارے پاس صرف دو بم ہیں۔ میں تمہاری مہارت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تباہ کردوں.....؟''

''ہاں.....کیونکہ میں کچھ دیر اس مردود کے رقص سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔''

حمید کا پھینکا ہوا پہلا ہی بم ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔

مونا تھر تھر کانپ رہی تھی۔ لیکن اس وقت شاید وہ دونوں ہی اُسے بھولے ہوئے تھے۔ زدہ گھسٹتی ہوئی گاڑی تک گئی اور اس سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

ادھر ہیلی کوپٹر سے دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک دھماکہ اور ہوا۔ پہلے دھماکے سے کہیں زیادہ زوردار تھا۔ غالباً اس کا آئیل ٹینک پھٹا تھا۔

نیچے پناہ تلاش کرنے والے اوندھے منہ زمین پر گر گئے تھے۔

حمید نے دوربین کے شیشے ایڈجسٹ کئے اور ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ دفعتاً ان میں سے کہنیاں ٹیک کر اٹھتا ہوا نظر آیا۔

''اوہ.....اس کے چہرے پر تو خاکی نقاب ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ ہیں۔ بقیہ چہرہ بالکل چھپا ہوا ہے۔''

''اسی لئے مجھے افسوس ہوتا اگر تم میرے پہنچنے سے قبل ہیلی کوپٹر کو تباہ کر دیتے۔'' فریدی نے کہا۔

''تو آپ جانتے تھے کہ وہ ہیلی کوپٹر میں موجود ہے۔''

''گمان غالب تھا کہ اس بار بھی ہوگا۔ اس کے تحت کام کرنے والے تو لڑکی پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے اور وہ پھر نکل بھاگنے کی فکر میں ہے۔''

فریدی نے خاموش ہو کر فائر کئے لیکن اس بار بھی گولیاں اس سے کچھ دور ہٹ کر پڑی تھیں۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف مڑا اور پھر گر پڑا۔

دوسرا آدمی تو پہلے جہاں گرا تھا وہاں سے جنبش بھی نہیں کر سکا تھا۔

''کیا دوسرا مر ہی گیا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''ہیلی کوپٹر کے ٹکڑے دور دور تک پھیلے تھے۔''

''وہ پھر اٹھ رہا ہے۔'' حمید نے آنکھوں سے دوربین لگائے ہوئے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ٹریگر پھر کھینچ دیا۔ کئی گولیاں نقاب پوش کے قریب ہی گریں اور وہ دوبارہ زمین سے چپک گیا۔

"کب تک یہ کھیل جاری رہے گا۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ مونا کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ کئی دھماکے سنے ہیں اس لئے بیہوش ہوگئی ہے۔"

اب حمید کو مونا یاد آئی اور وہ گاڑی کی طرف مڑا۔ مونا کے ہاتھ ادھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اور وہ گاڑی سے ٹکی نیم دراز تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور دانت اتنی سختی سے بھینچے ہوئے تھے کہ جبڑوں کی رگیں ابھری ہوئی سی معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن وہ اُسے ہوش میں کیسے لاتا۔ منہ پر چھینٹے دینے کے لئے پانی تک تو تھا نہیں۔ بس احمقوں کی طرح شانہ ہلا کر اُسے آوازیں دیتا رہا۔

فریدی نے اس دوران میں مزید دوبارہ فائر کئے تھے۔

"میں اسے کس طرح ہوش میں لاؤں.....!" حمید کچھ دیر بعد منمنایا۔

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ مردود..... کہیں پھر نہ نکل بھاگے۔"

"کیا مطلب.....!" حمید چونک کر بولا۔ "اور کیا پہلے بھی کبھی بھاگا تھا۔"

"کیا تمہیں یاد نہیں؟"

"کیا یاد نہیں۔"

"زیادہ دن تو نہیں گزرے حمید صاحب۔ یادداشت پر زور دو۔"

"فی الحال ذہن اس قابل نہیں۔ میں اُسے ہوش میں کیسے لاؤں۔"

"چھوڑ دو..... خود ہی ہوش میں آئے گی۔"

حمید پھر اس چٹان کی طرف پلٹ آیا جس کی دراڑ سے وہ دوسری طرف دیکھ سکتا تھا۔ دوربین آنکھوں کے قریب آئی۔

"اوہو..... کیا یہ بھی چل بسا۔" اس نے کہا۔

"ہاں..... دیر سے نہیں اٹھا۔" فریدی بولا۔ "غالباً سمجھ گیا ہے کہ حملہ آور اُسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو پھر.....؟"

"مسلح بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حربہ دور تک مارنے والا نہیں ہو سکتا۔"

"یہ کس بناء پر کہہ سکتے ہیں آپ.....!"

"اگر یہ بات نہ ہوتی تو کچھ نہ کچھ میگزین اس نے بھی ضائع کیا ہوتا۔"

"ارے تو ہاتھ کیسے آئے گا۔"

"جاؤ پکڑ لاؤ..... سر ڈالے اوندھا پڑا ہوا ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اوہ..... تو اس کا یہ مطلب کہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب ہم قریب پہنچیں گے تو اچانک فائرنگ شروع کر دے گا۔"

"سوچے جاؤ بچوں کی طرح۔ ایک لڑکی کے ساتھ سفر کرتے رہے ہو نا.....!"

"سفر زندگی کی ابتداء بھی ایک لڑکی ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔"

"اچھا برخوردار بس یہ بات یہیں ختم کر دو۔ ورنہ تم یہ بھول جاؤ گے کہ کہاں ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ بُرا سا منہ بنائے ہوئے نشیب میں دوربین کو گردش دیتا رہا۔

ملزم بے حس و حرکت اوندھا پڑا تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے آخری بار فریدی کا ہاتھ بہک ہی گیا ہو۔ گولیاں اُسے چھلنی کر گئی ہوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا۔

"ہوں..... تو دیکھو.....!" فریدی نے کہا اور پھر ٹریگر دبا دیا۔

"اوہو.....!" بیساختہ حمید کے منہ سے نکلا۔ کیونکہ اس نے اُسے اچھل کر دوسری طرف جا پڑتے دیکھا تھا۔

"پھر اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔"

"گڈ.....!" فریدی پر اطمینان لہجے میں بولا۔

"اب اسے کور کئے ہوئے نیچے اتر چلیئے۔" حمید نے کہا۔

''قطعی احمقانہ بات ہے حمید صاحب۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ میں اُسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔''

''اتنا محتاط میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔''

''بہت دنوں سرگرداں رہنا پڑا ہے اس کے لئے۔ اور بڑی مشکلوں سے آج اسے اس کی کمین گاہ سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ خیر تم دیکھو۔ گاڑی کا لاؤڈ اسپیکر ٹیسٹ کرو۔ مائیک سے کافی لمبا تار اٹیچ ہے۔ اُسے یہاں تک لاؤ..... جلدی کرو۔''

حمید پھر گاڑی کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ مونا نے بھی ٹھیک اسی وقت کراہ کر اپنے پیروں کو جنبش دی تھی۔

''مونا.....!'' حمید نے اس کا شانہ ہلا کر آواز دی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''اٹھو..... ہم نے اُسے گھیر لیا ہے۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''کسے گھیر لیا ہے.....؟'' وہ نقاہت آمیز لہجے میں بولی۔

''مجرم کو..... اصل مجرم کو..... وہی نقاب پوش؟''

''خدایا! ڈیڈی مر گئے ہوں..... مر گئے ہوں۔ میرے ڈیڈی۔ اے میرے اللہ..... یہ میری آخری دُعا ہے۔ پھر کبھی کوئی دعا نہیں مانگوں گی۔ اسے قبول کر میرے مالک۔''

''مونا..... مونا.....!'' حمید نے اُسے جھنجھوڑ کر آواز دی۔

''مائیک.....!'' چٹان کے قریب سے فریدی غرایا اور حمید بوکھلا کر گاڑی میں گھس گیا۔

کچھ دیر بعد مائیک فریدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ نقاب پوش کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اوپر چلے آؤ..... آخری وارننگ.....!''

حمید پھر مونا کی طرف پلٹ آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی کا ذہنی توازن ڈانواں ڈول ہے۔

''مونا دیکھو..... میرے چیف نے اُسے جکڑ لیا۔'' حمید نے ایک بار پھر اس کا شانہ ہلا کر کہا۔ مونا نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے اس طرح آنسو ابل رہے تھے جیسے کسی ندی کا بند ٹوٹ گیا ہو۔

''تمہیں خوش ہونا چاہئے..... تمہیں خوش ہونا چاہئے۔'' حمید نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''میں خوش ہو جاؤں گی..... تم بھی دعا کرو کہ ڈیڈی مر گئے ہوں؟''

''آخر کیوں.....؟''

دفعتاً فریدی کی آواز پھر پہاڑیوں میں گونجی۔

''اٹھو..... ورنہ پرخچے اڑ جائیں گے۔''

حمید اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مونا بھی اُدھر ہی دیکھنے لگی تھی۔

''نہیں..... دونوں ہاتھ بھی اوپر اٹھاؤ.....!'' فریدی کی آواز پھر چٹان سے ٹکرائی۔

''دیکھو..... شاید اب وہ اوپر آ رہا ہے۔'' حمید نے مونا سے کہا۔

''اور اب ڈیڈی کی گردن شرم سے جھک جائے گی۔ وہ ان کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دے گا۔ یا خدا..... ڈیڈی مر گئے ہوں..... مر گئے ہوں۔''

''حمید میرے پاس آؤ.....!'' فریدی نے مائیک سے منہ ہٹا کر کہا۔

''اسے سنبھالو.....!'' اس نے ٹامی گن اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ حمید دراڑ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹامی گن فریدی سے لے کر اس کا رخ اس طرف کر دیا۔ نقاب پوش دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے ڈھلان پر چڑھتا آ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کے قدم لڑکھڑاتے لیکن وہ ہاتھوں کو نیچے گرائے بغیر ہی سنبھلنے کی کوشش کرتا۔

''ہوشیاری سے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور چٹان کے اس سرے کی طرف چلا گیا جدھر سے گزر کر آنے والا ان تک پہنچتا۔

جیسے ہی آنے والے نے اس سطح پر قدم رکھا جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے فریدی نے بڑی پھرتی سے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

''میں اپنی شکست تسلیم کرنے نہیں آیا۔'' حمید نے اس کی غراہٹ سنی اور چونک پڑا۔ کان آشنا سے معلوم ہوئے۔ کہاں اور کب سنی تھی یہ آواز..... اس نے ٹامی گن کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے سوچا۔

نقاب پوش کے دونوں ہاتھ فریدی کی گرفت میں تھے اور وہ انہیں چھڑا لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔

"نہیں...... چھچھورے ناول نویس..... اس بار ناممکن ہے؟"

فریدی نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور حمید بیساختہ اچھل پڑا۔ اب اسے یاد آیا کہ اسے یہ آواز جانی پہچانی سی کیوں محسوس ہوئی تھی۔

تو یہ قلندر بیابانی[1] ! وہ جو ایک بار فریدی کی گرفت میں آ کر نکل گیا تھا۔ حمید پہلے سے بھی زیادہ الرٹ ہو گیا۔

پھر دفعتاً مونا کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکلنے لگیں۔

نقاب پوش فریدی کو ہلائے ڈال رہا تھا لیکن اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے کسی طرح بھی آزاد نہ کرا سکا۔

"حمید اس کی جامہ تلاشی لو.....!" فریدی نے کہا۔

اور حمید ٹامی گن ایک طرف ڈال کر اس کی طرف بڑھا۔ تلاشی بھی لے ڈالی۔ لیکن اس کے پاس سے ایک بہت بڑے چاقو کے علاوہ اور کچھ بھی نہ برآمد ہو سکا۔ چاقو پر نظر پڑتے ہی مونا کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر چیخنے کا دورہ پڑ گیا ہو۔

"اب میری دائیں جیب سے ہتھکڑیاں نکالو.....!" فریدی نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔

حمید نے ہتھکڑیاں تو نکال لیں لیکن انہیں قلندر کے ہاتھوں میں نہ ڈال سکا۔ کیونکہ ہاتھ چھڑانے کے لئے جدوجہد میں پہلے سے بھی زیادہ تیزی آ گئی تھی۔

پھر حمید پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا..... اس نے ہتھکڑیاں زمین پر ڈال دیں اور جھپٹ کر ٹامی گن اٹھائی اور اس کے بٹ سے تین چار گہری ضربیں قلندر کی گدی پر لگائیں۔ فریدی ہاں ہاں ہی کرتا رہ گیا۔

قلندر کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور وہ لہرا کر ڈھیر ہو گیا۔ پھر حمید نے اس کی پرواہ کئے

[1] اس کہانی کے لئے ساتواں جزیرہ اور شیطانی جھیل جلد نمبر 31 ملاحظہ فرمائیے۔

بغیر کہ فریدی اُسے بُرا بھلا کہہ رہا ہے بیہوش ملزم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

"یہ تم نے کیا کیا.....؟" فریدی کی آواز غصیلی تھی۔

"مت بور کیجئے مجھے۔ اپنے اصول اپنے پاس رکھئے۔ اگر کچھ دیر پہلے اس کا پھینکا ہوا بم گاڑی پر پڑا ہوتا تو کیا میں اس وقت تبلیغ اخلاق کے کسی جلسے کی صدارت کر رہا ہوتا۔"

غصے میں بگڑی ہوئی حمید کی صورت دیکھ کر فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اب وہاں رکھا ہی کیا تھا۔ ہیلی کوپٹر کے پرخچے اڑ چکے تھے۔ قلندر کا ساتھی سچ مچ مر چکا تھا۔ اس طیارے کا بھی اب کہیں پتہ نہ تھا جس سے فریدی بذریعہ پیراشوٹ وہاں اُترا تھا۔

مونا اب بالکل خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور استعجاب کی ملی جلی کیفیت پائی جاتی تھی۔

خوش قسمتی سے گاڑی میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں اُسے دھکیلتے ہوئے سڑک پر چڑھا لے گئے۔

قلندر کو رام گڈھ پہنچنے سے پہلے ہی ہوش آ گیا تھا۔ لیکن وہ بھی خاموش ہی بیٹھا رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ ہوش آتے ہی وہ گاڑی سے چھلانگ لگا دینے کی کوشش کرے گا۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" فریدی نے قلندر سے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔ صرف میرے چہرے سے نقاب ہٹا دو۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔"

فریدی نے خاکی کپڑے کا وہ خول کھینچ لیا جو اس کے چہرے پر منڈھا ہوا تھا۔ مونا جو اگلی سیٹ پر حمید کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

قلندر نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ "میرا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ کرنل فریدی تم میرے توسط سے میرے گروہ کے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ میں ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"وہ خود ہی آ آ کر سب کچھ بتا دیں گے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ تم سے خائف ہیں اور بھی۔"

”یہ غلط ہے۔وہ مجھ سے خائف تو ہوسکتے ہیں لیکن متنفر نہیں۔“

”پھر ایسے آدمی تو میں پیش کرسکتا ہوں جو تم سے متنفر ہی نہیں بلکہ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔مثال کے طور پر تمہارا وہی لیفٹیننٹ پیش کیا جاسکتا ہے جو تمہارے لئے آپریشن کرتا ہے۔کیا سمجھتے ہو۔وہ تمہارا آدمی ہے؟“

”اوہ.....تو کیا پولیس.....؟“

”قطعی نہیں.....اب وہ اس گروہ کیلئے بھی کام کرتا ہے جو گولڈن ایرو کے مقابل کھڑا ہوا ہے۔“

”ہوگا؟“ قلندر نے لاپروائی سے کہا۔

”اور وہ گروہ میرا ترتیب دیا ہوا ہے۔“

”نہیں.....؟“ قلندر چونک پڑا۔

”تمہیں تمہارے بل سے نکالنے کے لئے بہت کچھ کرگزرنا پڑا ہے۔“

”تمہارے علاوہ مجھے اور کسی کی پرواہ نہیں تھی۔“

”پروفیسر کا کیا قصہ تھا؟ کیا یہ بھی نہیں بتاؤ گے؟“

”سب کچھ میرے ساتھ ہی دفن ہوجائے گا۔میں کسی کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں گا۔ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ میں نے گولڈن ایرو کے تحت کروڑوں کا بزنس پھیلا رکھا تھا۔خواہش تھی کہ اُسے مافیا سے بھی بڑا کاروبار بنادوں۔“

”تم نے واجد کو کیوں قتل کیا تھا.....؟“

”ہاں.....ایسے سوالات کے جوابات دے سکتا ہوں۔وہ بے ایمانی پر اتر آیا تھا۔میں انہیں زندہ نہیں چھوڑتا جو بزنس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔“

”سارہ رحمان کیوں قتل کی گئی.....؟“

”مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔واجد کے قتل کا منظر اس نے دیکھا تھا مجھے شبہ تھا اس کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود ہے جس سے میری شخصیت پر روشنی پڑسکے گی۔“

”اوہ وہ یقیناً تھا اس کے پاس.....!“

”کیا تھا.....؟“ قلندر نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”تمہارے خون سے بھرے ہوئے ہاتھ کا نشان۔ایک پرانے اخبار پر۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟“ حمید بے ساختہ بول پڑا۔”مونا نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی تھی۔“

”جتنا بھی اس نے بتایا تھا اسی سے میں نے اندازہ کرلیا تھا کہ وہ مجھ تک وہی خونی نشان پہنچانا چاہتی تھی۔“

”لیکن وہ تو.....آپ تو کہہ رہے تھے کہ پرس میں کچھ بھی نہیں تھا۔“

”یہ میں نے لڑکی سے کہا تھا؟ محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ واقعی اس پرس کی کوئی اہمیت تھی یا نہیں۔اس نے مجھے نقاب پوش اور اس کے دستانوں کی کہانی سنائی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ اس کے دوست کے قاتل ہی کے ہاتھ کا نشان تھا۔“

”لیکن وہ آپ کو کب ملا تھا.....!“

”پرس ہاتھ آتے ہی.....!“

”لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت بھی آپ نے یہی کہا تھا کہ اس میں چند سکوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔“

”ہاں.....وہ اسی وقت تک کی معلومات تھیں اس کے بعد پرس کا بغور معائنہ کرنے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ وہ دوہرے پلاسٹک سے بنایا گیا ہے۔لہٰذا میں نے اسکی دونوں تہیں الگ کردی تھیں اور اخبار کا وہ ٹکڑا دونوں تہوں کے درمیان رکھا ہوا مل گیا تھا۔میں نے اُسے فنگر پرنٹ سیکشن کے حوالے کردیا۔پرانے ریکارڈوں سے اس کا موازنا کرنے کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی تھی کہ وہ قلندر بیابانی کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ کا نشان نہیں ہوسکتا۔پھر جب اس نقاب پوش کی کہانی مجھ تک پہنچی تو!“

فریدی خاموش ہوگیا۔قلندر آنکھیں پھاڑے خلاء میں گھور رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔”اور یہ بھی سن لو کہ اس وقت میں نے تمہیں کیونکر گھیرا تھا۔

تمہارے آدمی اس لڑکی کو اغواء کر لینے کی فکر میں تھے۔ میں نے ان کی اسکیموں کو ناکام بنادیا۔ تم جھلا گئے۔ تم نے اپنے اس لیفٹیننٹ کو سخت وست کہا جو تمہارے لئے آپریٹ کرتا تھا اور اسے ہدایت کی کہ اب لڑکی کا سراغ پانے کے بعد تمہیں اطلاع دی جائے۔ تم خود ہی اس معاملے کو دیکھو گے۔ تمہارے لیفٹیننٹ نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا۔ میں نے لڑکی کو اس پولیس پارٹی کے پاس بھجوا دیا جو اُسے تلاش کر رہی تھی۔ تمہارے لیفٹیننٹ نے تمہیں اطلاع دی کہ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکی ہے اور کیپٹن حمید اس کا بیان لے گا۔ پھر دوسری اطلاع تمہیں یہ ملی کہ میں نے کیپٹن حمید کو لڑکی سمیت دھام نگر طلب کیا ہے۔ پھر تم نے اپنے اسی لیفٹیننٹ کے توسط سے ایئر فورس کے ایک اسکوڈرن لیڈر ایڈورڈ مائیلز سے رابطہ قائم کیا۔ مائیلز بھی اس گندے بزنس میں شریک تھا۔ کسی طرح اس نے تمہاری اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ہیلی کوپٹر کی پرواز کا جواز پیدا کرلیا۔

''اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کوئی واقعہ کیونکر ہوا۔'' قلندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ ''تم میری گردن بھی کاٹ دینے کی فکر میں تھے؟''

''یقیناً تھا..... مجھے تمہاری بھی فکر تھی اور اس آدمی کی تلاش بھی، جس نے گولڈن ایرو کے مقابلے میں نہ صرف کاروبار کھڑا کیا تھا بلکہ گولڈن ایرو کی ملکیت پر ڈاکے بھی ڈالا کرتا تھا۔ اگر کہیں مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ کرنل فریدی کہ وہ بھی تم ہی تھے تو تم اس وقت بڑھ چڑھ کر باتیں نہ کر رہے ہوتے۔ صرف تمہیں ختم کر دینا، کتنی بڑی بات تھی۔ میری مصروفیات دو مختلف سمتوں میں بٹ گئی تھیں۔ اپنی دانست میں تنہا دو مخالف قوتوں سے جنگ کر رہا تھا۔ کاش میں نے صرف تم پر ہی دھیان دیا ہوتا۔''

''ہیئر..... ہیئر.....!'' حمید نے نعرہ لگایا۔ پھر زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''اسی حیرت انگیز صلاحیت کا نام تو کرنل فریدی ہے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑا سا راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا پھر کرنل فریدی نے کہا۔ ''کیا

بھے پروفیسر کے بارے میں نہ بتاؤ گے۔''

''ہرگز نہیں۔'' قلندر غرایا۔

میں تمہاری عزت کرنے پر مجبور ہوں بُرے آدمی۔ مونا روہانسی آواز میں بولی۔ ''وہ زندہ ے۔ انہیں سوال و جواب کی ندامت سے بچالو۔''

''انگاروں کا بستر بھی میری زبان نہیں کھلوا سکے گا۔'' قلندر نے کہا اور سختی سے اپنے ینچ لئے۔

پھر رام گڈھ پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ پروفیسر مر چکا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے ں آنا افاقت الموت ہی رہا ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے جسم میں زہر انجکٹ کر دیا گیا رحال فریدی نے مشورہ دیا تھا کہ اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم ضرور کیا جائے۔

فریدی ہی کے اختیارات خصوصی کی بناء پر ایس پی کرائمز کی گرفتاری بھی عمل میں آئی اس کے خلاف اس کے پاس بہتیرے ثبوت تھے۔

باپ کے مرنے کی خبر سن کر مونا پہلے تو روتی رہی تھی پھر حمید نے اس کے چہرے پر ایسا دیکھا تھا جیسے خود اس نے دوسری زندگی پائی ہو۔ دوسری زندگی جس میں زندگی کے ے اور مستقبل کے لئے پریشان کن خیالات نہ ہوں۔

اور پھر اس نے بالکل ہی غیر جذباتی انداز میں وہ کہانی سنائی تھی جسے اب تک چھپاتی آئی تھی۔

''ڈیڈی سارا کو بہت چاہتے تھے۔ مجھ سے بھی زیادہ اور وہ بھی اُن کا بہت خیال رکھتی رصت کے اوقات میں ان کے لئے لیبارٹری اسسٹنٹ کے فرائض بھی انجام دیتی۔'' ر کیمیائی تجربات کا خبط تھا۔ وہ کینسر کا علاج دریافت کرنے کی فکر میں تھے۔ کوئی ایسی دوا نا چاہتے تھے جو اس کے لئے تیر بہدف ہوتی۔ اسی سلسلے میں ایک نشیلا سفوف تیار ہو گیا۔ فوف جس کا اثر دوسری منشیات کے مقابلے میں کہیں زیادہ دیرپا ثابت ہوتا تھا۔ یہ ایک ص درجہ حرارت میں تیار ہوتا تھا۔ خشک لکڑی پر کوئی محلول چھڑکا جاتا تھا اور ایک مخصوص درجہ ت میں نمی کے ساتھ وہ لکڑی رکھی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد لکڑی کی سطح پر پھپھوندی جمنے لگتی

ہے اور اس کی سطح تیزی سے موٹی ہوتی جاتی۔ پھر اس پھپھوندی کو خشک کر کے سفوف کی شکل میں تبدیل کرلیا جاتا۔ سارہ سے حماقت یہ سرزد ہوئی کہ اس نے اس کا تذکرہ واجد سے کردیا۔ واجد نے یہ بات نقاب پوش تک پہنچائی اور بالآخر نقاب پوش نے سارہ کو اغواء کرلیا۔ ڈیڈی اس کی گمشدگی کی بناء پر اپنے حواس کھو بیٹھے۔ تب انہیں اسی مردود کا دھمکی آمیز خط ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر ڈیڈی نے فارمولا اسے نہ بتایا تو وہ سارہ کو قتل کردے گا۔ اس خط نے ان پر بہت برا اثر ڈالا اور ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ بمشکل ان کی حالت سدھری اور وہ نقاب پوش سے اس کی بتائی ہوئی جگہ پر ملے۔ بڑی دشواریوں سے انہوں نے اسے اس پر آمادہ کیا کہ وہ ان کے لئے وہ سفوف تیار کرتے رہیں گے لیکن فارمولا نہیں بتائیں گے۔ اس طرح وہ اپنی دانست میں سارہ کی جان بچا سکے تھے۔ برقیاتی ٹمپریچر سے اتنے اعلیٰ پیمانے پر سفوف کی تیاری ناممکن تھی۔ اس کے لئے باقاعدہ طور پر کارخانہ قائم کرنا پڑتا اور بات چھپی نہ رہ سکتی۔ اس لئے اس مخصوص درجہ حرارت کے لئے رام گڈھ کا انتخاب کیا گیا۔ برف گرنے سے پہلے وہ لکڑی کے بڑے بڑے لٹھوں کو محلول سے تر کرادیتے۔ پھر ان لٹھوں پر برف گرتی اور جب برف پگھلنے لگتی تو انہیں پھر رام گڈھ آنا پڑتا۔ دو مختلف ہوٹلوں میں ان کے ٹھہرنے کا انتظام ہوتا تھا۔ ایک والے سمجھتے کہ وہ موسم گرما ہی میں وہاں قیام کرتے ہیں اور فزارو والے انہیں پاگل سمجھتے کہ موسم سرما میں رام گڈھ آتے ہیں۔ یہ انتظام اسی نقاب پوش نے کیا تھا۔ رام گڈھ میں اکثر کئی کئی دن کے لئے غائب ہوجاتے۔ جب واپس آتے تو حالت بہت خراب ہوتی۔ بات تھی کہ اس جگہ تک پہنچنے کا راستہ بے حد دشوار گذار تھا جہاں لکڑی کے لٹھوں پر وہ کیمیائی عمل ہوتا تھا۔ اس بار وہ بیماری سے اٹھے تھے۔ واپسی کے سفر میں نقاہت کی وجہ سے کہیں گر کر بے ہوش ہوگئے ہوں گے۔ یہ تھی میرے ڈیڈی کی بے بسی کی کہانی..... اللہ انہیں معاف کرے۔"

حمید اس لڑکی کے لئے بے حد مغموم تھا۔

شام تک فزارو پہنچنے کی نوبت آئی۔ قاسم کی نئی محبوبہ بھی حراست میں لی جاچکی تھی۔ فریدی کا یہ خیال قطعی درست ثابت ہوا تھا کہ وہ قاسم کو اسی لئے اپنے ساتھ رام گڈھ لگا لائی تھی

کہ رضیہ یا زیبا کی شناخت ہوسکے۔ ان لوگوں نے قاسم کو عورت کے میک اپ میں پہچان لیا تھا فرزانہ کی گرفتاری سے یہ بات بھی ان پر عیاں ہوگئی تھی کہ اس سارے سیٹ اپ کا بانی ڈیڈی ہی تھا۔

قاسم نے حمید کو دیکھا اور چڑھ دوڑا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔ غصے میں بل بھی کھا رہا تھا آنکھیں بھی ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

"خدا گارت کرے تم لوگوں کو۔" وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "اس بار میں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا اور تمہیں بتائے بغیر چپ چاپ یہاں چلا آیا تھا۔ لیکن سالے تم شیطان ہو۔ خبیث تمہیں کس طرح پتہ چل گیا..... اے اللہ میاں اگر بتاؤں تو مشکل نہ بتاؤں تب بھی میرا ہی ہارٹ فیل ہوجاتا ہے۔ میں سالا قیا کروں..... اب تو موت ہی دے دے..... یا پھر ان سالوں کو بادلہ قرادے..... ہائے۔"

حمید نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اب اس سے دو چار گز کے فاصلے ہی پر رہے۔

وہ زیبا کے بارے میں سوچ رہا تھا جو عجیب سی خلش اس کے ذہن میں چھوڑ گئی تھی اور اسے اس طرح غائب ہوئی تھی جیسے فضا میں تحلیل ہوگئی ہو۔

ختم شد